میرا قبلہ تے کعبہ

(بھائی کی یاد میں)

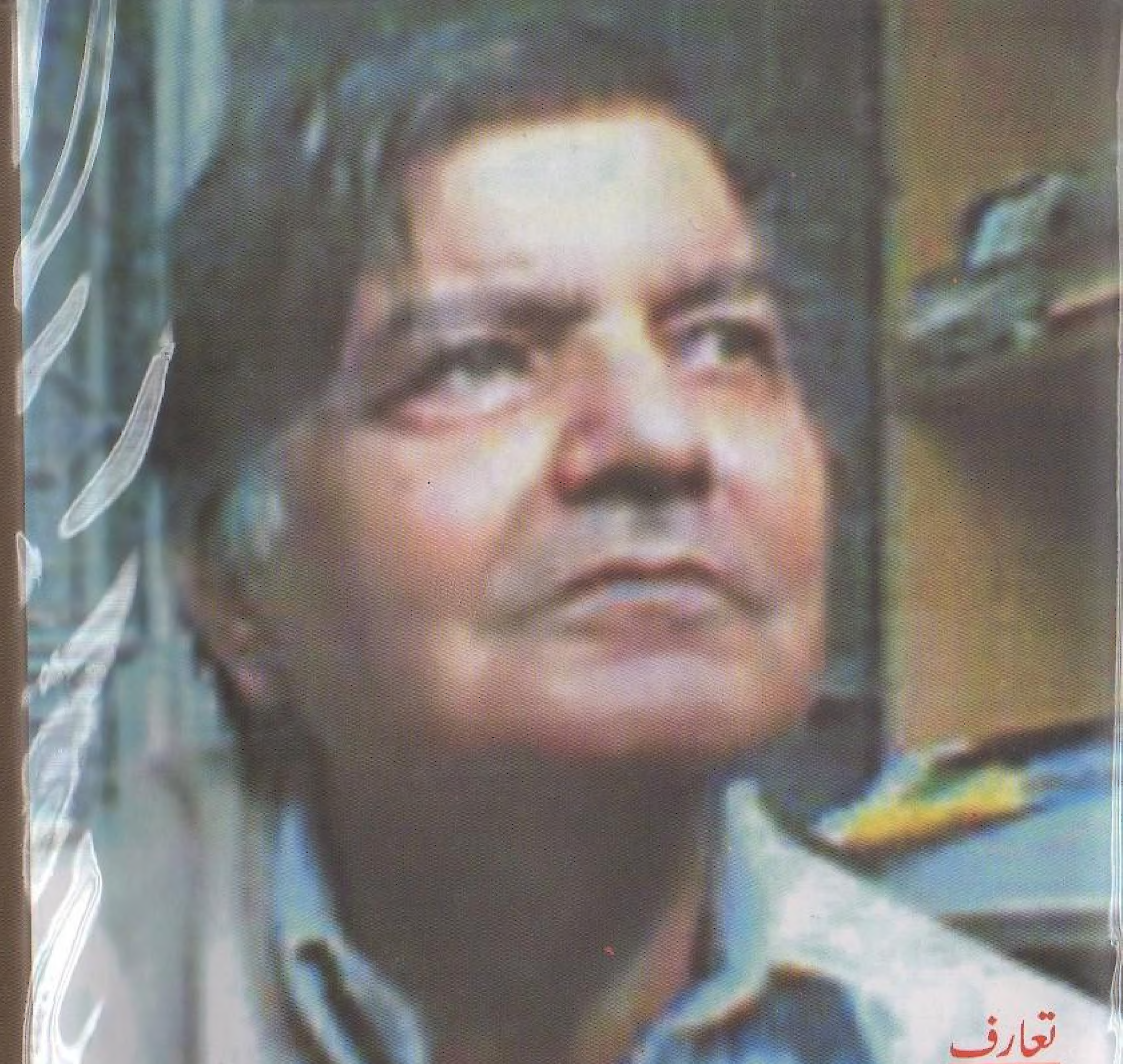


منزّہ سلیم

میرا قبلہ تے کعبہ
(بھائی کی یاد میں)
منزّہ سلیم



مثال



تعارف

ڈاکٹر مقبول اختر، 13 نومبر 1938ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایف۔ ایس۔ سی، گورنمنٹ کالج لاہور سے اور پھر 1962ء میں نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ایم۔ بی۔ ایس کیا۔

کچھ عرصہ اپنے ننھیال (میجر اسحاق محمد) کے گاؤں اور پھر لائل پور میں پریکٹس کرنے کے بعد 1964ء میں مسقط چلے گئے۔ 1966ء میں واپس آ کر دوبارہ لائل پور میں پریکٹس شروع کر دی۔ 1986ء میں M.C.P.S سائیکیٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد سوشل سکیورٹی ہسپتال فیصل آباد میں بطور ماہرِ نفسیات تعینات ہو گئے اور شام میں ستیانہ روڈ پر پرائیوٹ پریکٹس کرنے لگے۔

18 جنوری 2010ء کو اُن پر فالج کا حملہ ہوا، اور 10 اگست 2010ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور اپنے آبائی قبرستان، شیر سنگھ والا فیصل آباد میں اپنی والدہ محترمہ کے قدموں اور اپنی اہلیہ کے پہلو میں ابدی نیند جا سوئے۔

میرے بھائی
ڈاکٹر مقبول اختر
کے مضامین



''جس طرح رونا چاہیے اس طرح تو مجھے
آتا ہی نہیں بس یونہی بیٹھی ہوئی ہوں
آنسوؤں سے تر ہاتھ سر پر رکھ کر''

(شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ)

میرا قبلہ تے کعبہ

(ڈاکٹر بھائی کی یاد میں)

فرخ منظور صاحب کیلئے

منزہ سلیم

اگست ۲۰۱۶

منزّہ سلیم

میرا قبلہ تے کعبہ

(ڈاکٹر بھائی کی یاد میں)

منزّہ سلیم

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

طلوعِ اوّل	2011
کتاب	میرا قبلہ تے کعبہ
مصنفہ	منزہ سلیم
	ہاؤس نمبر 76، سٹریٹ نمبر 2، شادمان ٹاؤن، سرگودھا روڈ، فیصل آباد، فون: 041-8789494
ناشر	محمد عابد
ٹائٹل کی تصاویر	عاصم برار۔احمد عزیز
مطبع	شرکت پریس، لاہور
تعداد	200
اہتمام	مثال پبلشرز رحیم سنٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد Ph:2615359 -2643841 Mob:0300-6668284 E-mail:misaalpb@gmail.com

سُچّجی، سُنلّھی تے مِٹّھڑی

کریم بی بی

دے ناں

جہدے پیراں تھلّے میری جنت سی

تے جہنے مینوں

اوڈے ای سُچجے، سنّگھے تے مِٹھّڑے ویرے دِتّے

فہرست

حصہ اُردو

یہ گھنگی ہے 13
ایک صحرائی دُعا 15
۔۔۔سب گدا ہیں 16
اِک کُڑی پنجابن 19
برصغیر کے سب سے بڑے دماغ۔۔۔ 21
عالمی امن اور آزادی میں ترقی پسندوں کا کردار 28
شہید کون؟ 32
نغمۂ مردے کہ دارد بوئے دوست 36
اہلِ صفا کا رستہ 38
پاکستان میں قومی تشخص کا بحران 42
بھگت سنگھ 65
حسن ناصر کا راستہ 68
فیضؔ اور عصرِ حاضر 73
فیضؔ کا فلسفۂ انقلاب 87
دہشت کی سیاست 94
The Birth of a Nation 97
درزی، نائی، قصائی 101
دھماکے کے بعد 104
ایمان ہے کہ سبحان اللہ 108
جاگیرداری کے بعد؟ 113
شیطان کے چیلے 115
مغرب زدہ 117
ظالم بچی 119
ادویاتی اشیا کا غیر طبی استعمال اور۔۔۔ 121
حالانکہ ڈاکٹر حسن امام شیعہ بھی نہیں تھا 127
تعویذ گنڈے کے بارے میں 132
تمام قاتل باغیرت ہیں 136
شہر جو ماں کے دِل جیسا ہو 140
فتح کشمیر تو معمولی بات ہے 146
قفقس 149
نمونۂ کلام (خالد حسن) 155
بشکریہ وچارڈاٹ کامؔ 167
پنڈ و پنڈ کچہری 168
چوراں دی ماں 172
تن پچھے کتنیاں 173
نونہاں دنداں والے 175

Here you Flunked!	23
A veiled Threat	24
A Point to Ponder	25
Pakistan Last	26
I Wonder	27
Oaths and Oaths	28
Wrong Technique	29
Pakistan will set you right	30
Great Muslims?	31
Leave all meaner things, to Low Ambition	36
Psycho Parlour	37
Salute to NADRA	39
Thank You "N"	40
A Live Communist	41
The Turkish Example	43
A Precocious Child	44
Uncovered Meat	45
A Proposal for Retirement	47
Cut Throats	48
Imagine	49
Good Old Nawaz Sharif	50
A Letter from the Dead	52
A Lesson from Wild West	53
Professor Ghayur Hussain's Books	54
A Hard Stroke	55
The Snake Game	56
Great People to Live Under	57
Open Up the Houses of Allah	59

انھی دے---	178	پنج جولائی	180
بے بے، بے بے---	182	چیلنج دادائرہ	185
بن پتراں بن ڈالیاں	188	بانگے گکڑ	192
بابا جی ہن تہاڈی واری اے!	194	اللہ دا ہتھ	196
انوکھا لاڈلا	199	ون سونے رب	201
گھمر گھیرج لڑناں لگدی	203	جےتوں ناں مکلاوے جاندی---	205
ایہہ او ہیونواز شریف اے؟	207	خبر کی ہوندی ہے	209
اِک چنگا مُلاں	211	اِک لیلہ اِک بگھیاڑ	213
آزادی دی پری— ندا آغا سلطان	215	آیا طوفان!	218
عمرانیات	220	کینیئرڈ کالج وچ برقعے لاگو ہو گئے نیں	222

انگریزی حصہ

Decaffeinated Pakistan	1
Psychiatric terms in everyday life	4
What about my hurt feeling and sentiments?	8
The Power of the Parliament	10
On the Death of a Particular Friend	12
A Dog and A Mulla	13
Welcome Home	14
I have a Khalifa	15
Welcome and Godspeed	16
Jokes, Old and New	17
But we Never Loose...	19
Letters to the post	21
Natural Pakistani Males	22

حصہ دوم

ہر پکھودے پر ہوندے نے
اُڈدا گاوندا کوئی کوئی

ڈاکٹر مقبول اختر کے مضامین

To Be or Not To Be 60
Our Acts Our Angels are, or Good or Ill 61
Democratic Philosophy? 62
Either or Paradigm 63
The Tyrant Will Always... 64
Lincoln 66
Normal Reactions to Abnormal Situations 67
The Goonda in Civvies 68
Letter 'A' 69
The Basic Contradiction 70
From the Mouth of Babes 71
A Weird Experience 72
A Wise Dog 73
Brig. Cheema. A Sleuth and Wizard Par Excellence 74
Saluting the Poet of 'a Tortured Land' 75
There are Millions of Suns Left 76
The Big Guns 77
Readable Print 78
Twilight of the Idols 79
Justice for All 80
It is Principles, you Fool 83
The Brigand 84
Gen Zia saw the Shape of Things to Come 86
Nonsensical Statements 89
The Crime of Defiance 90
A List of Those... 91
Sweeping Away the Cobwebs 92
Ah, the party 94
A Solution to the Sugar Crisis 95

یہ گُھنگی ہے

گرسنگی ہے
جسے ہے درکار اک سمندر
جو دودھ کا ہو
شہد کا دریا
یہ بھوکے ننگے ہزار بچّے
چَراتے بھیڑیں
چُراتے بھیڑیں
مہیب صحرا میں گھومتے ہیں
یہ سوچتے ہیں
کہیں سے بادل جو گھر کے آئیں
ہو رحمتوں کی کبھی تو برکھا

کہ جاگ اُٹھے یہ مارو صحرا
یہاں وہاں ہر جگہ کھلیں پھر
یہ پھول صحرا کے جن کا کوئی
نہیں ہے ثانی
یہ خواب دن کے، ہے ان کا جیون
ہو گھاس کومل سی
پیٹ بھر دے جو بکریوں کے
یہ خواب دن کے
ہر ایک دن کے
انہیں پرو کر جو ایک ساحر
کہیں سے لائے
اُسی کے ہم ہو رہیں عمر بھر
اُسی کی مالا جپا کریں گے
نثار اپنی یہ جاں کریں گے
نثار ہم اس کے باپ ماں پر
نثار اس پر ہو میری اماں،
نثار اس پر ہو میرا بابا،
رہے وہ زندہ
رہے سلامت
سلام ہو اس کی آل پر بھی

ooo

ایک صحرائی دُعا

کہیں سے لاؤ
وہ سم کا دریا
جو مار ڈالے
مرے تمہارے مخالفوں کو
وہ چوبِ صحرا
جو ساڑ ڈالے
کدورتوں کو
وہ ریت، رکّڑ، وہ تھوہر کانٹے
فرید بابا کے
'لائی لاون'
کہ جن سے گم ہوں

○○○

---سب گدا ہیں

وہ رہ نورد جسے کوئی رہ نما نہ ملے
مایوسی کی بات نہیں ہے
عقل ہمارے ساتھ نہیں ہے
سّبھے خیراں
ستّے خیراں
پکیں جو فصلیں
تو باندھ پگڑ
فتوحین☆ لینے براجتے ہیں
کہ ہم گناہ گار،
ہم ہیں عاصی،
فصل میں حصہ نکالتے ہیں

کہ خرچ بھی تو

☆ حصہ بٹورنے آجاتے ہیں

بہت ہیں سائیں
حکومتوں کو وہ کتنا لوٹیں
اصل کمائی تو بس یہی ہے
یہی تو اقبال نے کہا تھا
کہ 'میر و سلطان' سب گدا ہیں

○○○



میں بھکشو

بھیک مانگنے نکلا پر آج بھاگ نے ساتھ نہ دیا
گاؤں گاؤں خود کو گھسیٹتا پھرا
سورج ڈوبا تو میرے اور میری کٹیا کے
بیچ میلوں تک پہاڑ ہے
ہوا کے تھپیڑے میرے لاغر بدن کو چیرتے ہیں
چھوٹا سا مرا پیالہ، خالی ہے
ہاں!
یہی راہ جو میں نے خود چنی ہے
مری راہبر ہے
مایوسی میں، تکلیف میں
سردی میں اور بھوک میں

ooo

اِک کُڑی پنجابن

سن او ربّا میریا
میں ڈبدی ڈبدی جاں
مینوں ویر دے ربا میریا
کرے سر میرے تے چھاں

اوہ گھبرو ہووے پنجاب دا
اوہدے ہتھ ہووے تلوار
میں ویاہ کراں جے جی لگدا
کرے ٹوٹے میرے چار

ہووے دھون نیویں اوہدے ویریاں
اوہدے مُچھاں وٹن یار
مینوں وڈھ کے ٹھانے ٹر جاوے
جادے ٹھانے دار نوں

میں وڈھ لئی بھین اج اپنی
نالے وڈھیا اس دا یار
اوس میتھوں پچھیاں بنا ای
کھلوا لئی اپنی نتھ

مینوں پھاہے ناں لاناں ویریو
بس لایو ترے سو ست (۳۰۷)

OOO

برصغیر کے سب سے بڑے دماغ نے سوچنا بند کر دیا

یہ کیسی اندھیری سہ پہر ہے۔ یہ سیاہ سہ پہر ہے۔ سورج کالا ہے اور روشنیاں گل۔ برصغیر کے آج تک کے سب سے بڑے دماغ نے سوچنا بند کر دیا ہے۔ یہ کوئی خلا سا خلا ہے۔ کون اس خلا کو، کب، پر کرے گا۔

وہ وسعت قلب ونظر جو اسحاق محمد کا حصہ تھی (ہے) گوتم بدھ کے بعد اس خطے کے کسی شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ اسحاق محمد تین ہزار سال بعد پیدا ہوتا ہے اور جینئس بھی تو بقول اسحاق محمد اپنے زمانے کے مجموعی علم پر عبور حاصل کر کے اس کا ''تبت'' (نچوڑ) نکالتا ہے اور یہ کام اسحاق محمد نے بطریق احسن کیا۔

''سب چیزوں کو ہار ہے بابا، بس اک فقیر کی ذات'' ایک جنازے پر ایک بزرگ کہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا وہ کیوں کر، کہنے لگا جو بنا ہے ٹوٹے گا تمہارا یہ لوہے کا موٹر سائیکل۔ یہ بھی ایک دن ہار جائے گا۔ بس ایک فقیر کی ذات ہے کہ اس نے خود اپنی ذات کو چھوڑ دیا

ہے۔وہ کیا ہارے گا؟

اسحٰق محمد نے بھی اپنی ذات کی مکمل نفی کی ہے۔وہ پاکستانی عوام کا ایک حصہ تھا۔وہ پاکستانی انقلاب کا ایک حصہ تھا۔وہ زندہ ہے اُس کو شکست کہاں؟ ققنس ڈوب کر پھر ابھرتے سورج، موت کے بعد نئی حیات کا نشان ہے۔اُداس شام کے بعد نئی صبح کا وعدہ اور ٹوٹی آسوں میں سے جذبوں۔۔۔(سدھروں) کی لوک لہر کی پکار (کوک)۔ پنجاب کی اب تک کی تاریخ میں ققنسوں کی ایک مسلسل لڑی چلی آ رہی ہے۔'' (اسحاق محمد ققنس، ص۴)

اسحاق محمد کی فقیری ''کوئی درویش، صوفی، ملنگ، جوگی یا اور کوئی ایسی چیز نہیں۔'' (ص ۹۷)

وہ انقلاب کا سپاہی تھا۔ انقلاب کا آگو اور راہبر۔ ایک کل وقتی سیاسی کارکن کہ آج کے زمانے میں ''کیمونسٹ ہی آج کے سمے کے صوفی، سادھو، جوگی، بھکشو، سنت اور سنیاسی ہیں۔'' (مصلّی)

''اگر دنیا میں سب درویش ہو جائیں تو دنیا بھوک اور دوسری ضرورتوں کی وجہ سے مر جائے، اجڑ جائے، اس میں جانوروں کے گروہ پھرنے لگیں۔ کھیتوں کھلیانوں کی بجائے اُجاڑ ہو جائے۔ خانقاہوں پر گنبد نہ ہوں اور شوالوں پر کلس نہ ہوں۔ ناچ نہ ہو، سنگیت نہ ہو، شاعری نہ اور مصوری نہ ہو، بت سازی نہ ہو۔ اگر دنیا کی بستی بس رہی ہے تو یہ رنگ برنگے پھول اور پھل اپنی بہار دکھلا رہے ہیں۔ دنیا سکھی بسے تو درویشی بھی اچھی لگتی ہے۔''

''درویش وہ جو دنیا کی خدمت کرے''

''دُلے، سب سے بڑی درویشی وہ ہے جو عوام کو ظالموں سے بچائے اور دُلّے تو بہت بڑا درویش ہے۔''

تو بھی بہت بڑا درویش ہے، اسحاق محمد!!!

اسحاق محمد اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں گوتم اور نانک، پورس اور پانّی، دلّا

بھٹی اور شاہ حسین، خوشحال خٹک اور ہوشو، بھگت سنگھ اور حسن ناصر اور دوسرے ان گنت لوگ پروئے ہوئے ہیں۔ جن کو اس دھرتی نے جنم دیا ہے۔ جو اسی دھرتی کے بیٹے تھے اسی دھرتی کی مانگ سنوارنے کے لیے جئے۔ اسی دھن میں مرے اور اسی دھرتی میں مل گئے۔

یہیں ان کی سب تمنائیں اور کامنائیں تھیں۔ یہیں ان کے قبلے اور کعبے تھے۔ انہوں نے دوسری سرزمینوں کے خواب نہیں دیکھے اپنے عوام میں رہ کر، اپنے عوام کے لیے، اپنے وطن کے لیے، اپنی دھرتی کے لیے سوچا۔ اس پر عمل کیا۔

ایک فلاسفر، ایک تاریخ دان، ایک ادیب، ایک زبان دان، ایک شاعر، ایک ڈرامہ نگار، ایک سیاست دان، ایک سپاہی اور سب سے بڑھ کر ایک سچا اور باعمل انقلابی یہ تھے اسحاق محمد کے چند روپ۔ اس میں یہ سب صفات یک جا تھیں اور یہ چیز اس برصغیر کے کسی اور شخص کے حصے میں نہیں آئی۔ مگر کسرِ نفسی بلکہ تاریخی ادراک کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ یہی کہا۔ ''ہم تو انقلاب کی کھاد ہیں، آپ لوگ انقلاب دیکھیں گے۔''

کہتا تھا
ہم تو کھاد ہیں
اس انقلاب کی
جو ہے اٹل جو آئے گا۔
ہم ہوں نہ ہوں
کھیتوں کو کھاد دے گیا
کب فصل آئے گی؟
آج بھی چند لٹیرے اس دھرتی کو گھیرے ہیں اور یہ دھرتی پکار رہی ہے
اُٹھو اب ماٹی سے اُٹھو
جاگو میرے لال
بیری براجے راج سنگھاسن

تم ماٹی میں لال
کب اٹھو گے کب جاگو گے دھرتی ماں یہ پوچھتی ہے کہ
کب آؤ گے
کب آؤ گے
''بھوکے بیٹوں کے لیے روٹی
اندھی آنکھوں کے لیے نور
اور بے آس لوگوں کے لیے
اچھے دنوں کی جھولی بھر کر
کب لاؤ گے
کب لاؤ گے''
(افضل احسن رندھاوا)

یہ دھرتی ماں تجھے پکارتی رہے گی۔ دھرتی اپنے بیٹے گوتم بدھ کو بلاتی ہے۔ دھرتی اپنے نانک کو آواز دے رہی ہے۔ ہوشو اور خٹک کہاں گئے۔ وارث شاہ نہ رہا، شاہ حسین نہ رہا۔

کیا اس دھرتی نے انہیں بھلا دیا۔ اس دھرتی کی ہر سانس میں اپنے ان جیالے بیٹوں کا نام ہے۔ یہ دھرتی تو اپنے بیٹوں کی رکھوالی ہے۔ اسحاق محمد تیرا نام زندہ رہے گا۔ جب تک یہ دھرتی کسی سیارے سے ٹکرا کر تباہ نہیں ہو جاتی۔

تجھے نوید ہو اے دھرتی ماں۔ تیری جھوکیں پھر آباد ہوں گی۔ تیرے کھیتوں میں فصلیں لہرائیں گی۔ تیرے بیٹے خوشحال ہوں گے۔ تیرے بچوں کے چہروں پر رونق لوٹ آئے گی۔ اس لیے کہ تو نے اسحاق محمد جیسے بلوان کو جنم دیا۔ اس لیے کہ تیری گود میں اسحاق محمد چند دن جیا۔۔۔

اس پاک سرزمین نے وہ جیالے جنے ہیں جنہوں نے علم اور گیان کی روشنی ساری دنیا میں پھیلائی۔ اس دھرتی میں دنیا کا سب سے پہلا گرامیرین پیدا ہوا۔ اس دھرتی سے

بدھ مت دنیا کے کونے کونے میں پھیلا۔ اُس جاگیرداری دور میں خدا کے حوالے کے بغیر انسان کی بھلائی کا پرچار کرنے والا واحد ''مذہب''۔۔۔ اس دھرتی نے جیالوں کی نسلوں کی نسلیں پیدا کیں۔ جو دلی دربار سے مغلوں اور بہت سے غیر ملکی حکمرانوں سے مسلسل ٹکراتے رہے۔ اسی سرزمین نے وہ شیر پیدا کیے جنہوں نے انگریزوں کے ساتھ برابر کی ٹکر لی حتیٰ کہ وہ لمحہ بھی آیا جب انگریز سامراج پنجاب کی دھرتی سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے کے قریب آ پہنچا اس دھرتی نے ہمیشہ برہمن اور اس کے نظریے کا مقابلہ کیا ہے۔

اسحاق محمد اس علم و حکمت، اس دانائی، اس جیداری، اس بہادری، اس مزاحمت اور اس انقلابی عمل کا نقطۂ عروج تھا۔

''سوچ تیری مہران سے واسع
جذبے تیز تیرے راوی سے
ہٹ ہوشو کی
آن خٹک کی
دُلے مردانگی تیری (منظور نیازی)

''تو اس دھرتی کا حسین ترین پھول تھا۔ (احمد بشیر) تو نے جیلوں میں بھنگڑے ڈالے، تو نے شاہی قلعے کے عقوبت خانے کو لباس کی طرح پہنا'' (سلیم جہانگیر)

یار محنت کشاں
دستِ بے چارگان
میجر اسحاق تھا
روشنی کا نشان
جبر ابہام کا ہو کہ اوہام کا
تو نے ہر جبریت سے چھڑایا ہمیں (حبیب جالب)

میجر اسحاق محمد وہ انقلابی تھا جس نے سٹیجوں پر کھڑے ہو کر نعرے نہیں مارے اور

بعد میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں کے ڈرائنگ روموں اور غیر ملکی، سفارت خانوں کے چکر نہیں کاٹے اس نے جتنا کیا ٹھوس کیا۔ اس نے ہمیں ابہام اور اوہام کے چکر سے نکالا اس نے ہمیں دنیا کو کھلی آنکھوں دیکھنا سکھایا اس نے پاکستان کی انقلابی تحریک کو ایک مستقل جہت عطا کی۔ دشمن اور دوست طبقات کی تمیز سکھائی۔ صحیح خطوط پر انقلابی پارٹی استوار کی۔ انقلابی کارکنوں کی تربیت کی۔ ان کو اُنگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ برصغیر کے انقلاب کو فلسفیانہ موشگافیوں کی بھول بھلیوں اور غیر ملکی تجربے کی اندھادُھند تقلید سے آزاد کیا۔ اس نے خود کہا ہم تو انقلاب کی کھاد ہیں۔ اتنا ضرور کیا ہے کہ نئے آنے والوں کا راستہ صاف کر دیا ہے۔ اب یہ ان کی ہمت ہے کہ وہ اس راستے پر کتنا تیز چلتے ہیں۔

ع کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

میجر اسحاق عظیم ساتھی، عظیم رہنما اور عظیم استاد تھے۔ آج پاکستانی انقلاب کا روشن سورج غروب ہو چکا ہے۔ انسان کا جسم فانی ہے اور اس نے بالآخر فنا ہونا ہے مگر سوچ کا بھی ایک مادی وجود ہے۔ جو سائنسی سوچ تجربات کی کٹھالی میں سے گزر کر ایک دفعہ تخلیق ہو گئی اس کا بھی ایک مادی وجود ہوتا ہے۔ عظیم ساتھی اسحاق محمد، عظیم رہنما اسحاق محمد اور عظیم اُستاد اسحاق محمد اپنے نظریات اپنے عمل، اپنے کردار اور اپنی جدوجہد کے حوالے سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ جب تک پاکستان اور پاکستان کے محنت کش باقی ہیں۔ ساتھی اسحاق محمد کا نام زندہ رہے گا۔

تاریخ کا پہیہ اشخاص کے چلے جانے سے نہیں رُکتا لیکن ساتھی اسحاق محمد جیسے عظیم رہنما اور عظیم استاد کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بھی آسانی سے پُر نہیں ہو سکتا۔

ساتھی اسحاق محمد نے ساری عمر یہی سبق دیا ہے کہ مشعل کو بجھنے نہ دو، جھنڈے کو گرنے نہ دو۔ دیپ سے دیپ جلاؤ اور جیون کے اندھیارے رستے پر بڑھے چلو۔ ساتھی

اسحاق محمد کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔ ان کا بدلہ ہم اسی طرح چکا سکتے ہیں کہ ان کی جلائی ہوئی مشعل کو بجھنے نہ دیں۔ ان کے جھنڈے کو گرنے نہ دیں۔ جس انقلاب کی وہ کھاد ہوئے اس کھیت کو بار آور کریں۔ ساتھی اسحاق محمد کی یاد ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم نئے عزم اور نئے جذبے کے ساتھ آگے بڑھیں۔ اپنے دل اور اپنے دماغ میں انقلاب کو جگہ دیں۔ اپنی زندگی کو اس طرح ڈھالیں کہ ہم پاکستان کے غریب عوام کی خدمت کر سکیں۔

سنو
پکارا ہے اس نے شاید
سنو یہ دھرتی ہے ماں تمہاری
نہ اس کی عزت کو بیچ کھانا
نہیں ہے دھرتی
تو کچھ نہیں ہے
اگر تمہارا ملک نہیں ہے
تو کس کی خدمت کرو گے بابا؟
''بغیر برتن پکیں نہ چاول''
تمہارا آگا
تمہارا پیچھا
تمہاری دھرتی
کہاں ہو بابا!

OOO

عالمی امن اور آزادی میں ترقی پسندوں کا کردار

(نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن کے زیرِ اہتمام سیمینار 13 نومبر 2008)

سلام حسن ناصر پر۔۔۔ جس کے نام پر ہم آج اکٹھے ہوئے ہیں۔

ع شہیدِ عصر پھر اک اور سال بیت گیا

پرائمری جماعت کا سبق ابھی مجھے نہیں بھولا۔ آیئے پہلے یہ تعین کرلیں کہ ترقی پسند کون ہے؟ اس کے کردار کا تعین بعد میں کریں گے۔

حسن ناصر تو تب سندھ کی کمیونسٹ پارٹی کا جوائنٹ سیکرٹری تھا۔ ہم لوگ اب کمیونزم کے نام سے اس طرح شرماتے ہیں جس طرح ایک عورت اپنے نکاح شدہ مرد کا نام لیتے شرماتی ہے۔۔۔ باقی دنیا بھر کے مردوں کے نام دھڑلے سے لیتی ہے۔

ایک ترقی پسندی کی تحریک ادب میں تھی۔۔۔ بہت جاندار۔۔۔ بہت فعال۔ اگر یوں کہیں کہ اُردو ادب میں سے ترقی پسندی نکال دیں تو کچھ خاص باقی نہیں بچتا تو یہ غلط نہ ہوگا۔

یا پھر اس سے مراد سیاست میں بایاں بازو لیا جاتا تھا۔ بھارت میں کمیونسٹوں اور لبرل پارٹیوں کا محاذ پروگریسو یعنی ترقی پسند کہلاتا ہے۔ بائیں دائیں کی تفریق بھی اب کالعدم

ہوتی جارہی ہے کہ ایک اماں کے بچے اور ایک امہ کے مسئلے ایک ہی ہیں۔ ”میں اور شاہ عبداللہ بھائی بھائی، زرداری اور نواز شریف، اسامہ اور بش۔“

اساں شوہدے مراثی سانوں کیہ حسیناں پاکاں نال تے یزیداں پاکاں نال

اگر اقرار باللسان کو ہی کافی سمجھ لیں تو بھی پاکستان میں ترقی پسند کتنے ہیں اور کتنے فعال ہیں۔ بہت زیادہ تو کبھی بھی نہ تھے مگر فعال تھے اور دشمنوں کو ان کی بہت تکلیف تھی۔

میجر اسحاق محمد کہا کرتے تھے کہ مُکّے کی طاقت کا اندازہ دشمن کی چیخوں سے لگاتے ہیں۔

لائل پور میں ویت نام کے مسئلے پر امریکہ دشمن جلوس نکالتے تھے تو جماعت اسلامی کے لٹھ بردار عمل میں آجاتے تھے۔ میری عمر کے کچھ لوگوں کے کاندھوں پر شاید ان مجاہدین کی لاٹھیوں کے نشان ہیں۔

صابریہ اور شہتیلہ کے مہاجر کیمپوں پر اسرائیلیوں کی بمباری کے خلاف، تمام دنیا کے ترقی پسندوں نے، انسانیت دوستوں نے بشمول اسرائیلی کمیونسٹوں کے، احتجاجی جلوس نکالے۔ امریکا اور اسرائیل کو دی جانے والی گالیوں کے اثرات کو کم کرانے کے لیے پاکستان کی جماعت اسلامی نے فحاشی کے خلاف جلوس نکالا۔۔۔ یا فحاشی تیرا آسرا۔ کس کس جگہ کام آتی ہے۔

اب تو یہ دن بھی خواب ہوئے۔ جماعت اسلامی بھی ہمیں لاٹھیاں نہیں مارتی، کوئی فِتّے منہ بھی نہیں کہتا۔ انگریزی میں کہتے ہیں۔

No body kicks a dead dog.

کیا وقت تھا! (ہر بڈھا یہ فقرہ دن میں کم از کم دس بار دہراتا ہے۔ سنا ہے ثواب ہوتا ہے) بہر حال یہ وہ وقت تھا کہ جب ہر کوئی جانتا تھا اور مانتا تھا کہ ترقی پسند کون ہے اور رجعت پسند کون۔ موخر الذکر بعد میں اپنے آپ کو اسلام پسند کہلانے لگے تھے تاکہ شناخت

گہری ہو جائے۔

ترقی پسند کمیونزم سے ایسے بھاگے کہ جعلی ڈگریوں کی بلّھڑ یونیورسٹی قائم کر لی۔

فلاں جاگیردار ترقی پسند ہے، فلاں جاگیردار قوم پرست ہے، فلاں جاگیردار عوامی ہے، فلاں پیر، فلاں جاگیردار کا جانباز سپاہی ہے۔ غریب لوگوں کی بسوں پر بم پھینکنے والے، بچیوں کے سکول جلانے والے، سامراج دشمن جدوجہد میں مصروف ہیں اور بچیوں کے ادارے قائم کرنے والی NGOS، سامراج کی ایجنٹ ہیں۔ قربان اس عقل و دانش کے، مُلّا بھی یہی کہتا ہے۔

بات سکولوں کی آئی تو تعلیم کی بھی ہو جائے۔ نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن مطالبہ کرتی ہے کہ ملک میں جاری طبقاتی نظامِ تعلیم کو فی الفور بند کیا جائے اور یکساں نظام لاگو کیا جائے۔ بہت معقول مطالبہ ہے۔ تیری آواز مکے اور مدینے! مگر کونسا نصاب یکساں طور پر لاگو کیا جائے۔

مدرسوں میں فرقہ وارانہ نصاب ہے۔ سرکاری سکولوں میں اردو، انگریزی، معاشرتی علوم کے نام پر اسلامیات پڑھائی جاتی ہے۔ یقین نہ ہو تو سکولوں کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں۔ چاروں مضامین میں ایک ہی مواد ہے۔ امیر امراء اپنی اولاد کو بین الاقوامی جدید علوم، جدید زبان میں معیاری تعلیم دلاتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ تعلیم بھی بند کر دی جائے۔

پاکستانی ترقی پسندوں سے زیادہ ترقی پسند تو یوپی کے نچلی ذاتوں کے ان پڑھ لوگ ہیں جو یہ مطالبہ کر رہے ہے کہ ہمارے بچوں کو بھی سرکاری سکولوں میں انگریزی سکولوں والی تعلیم دی جائے اور ہم اپنے محنت کشوں کے لیے مادری زبان کی تعلیم مانگ رہے ہیں تاکہ وہ گیت اور نعتیں گا سکیں۔ خدا لگتی کہیے ہماری کس مادری زبان میں مارکس، ڈارون، آئن سٹائن اور جدید سائنس اور ریاضی کی تعلیم ممکن ہے۔

ؔ مجھ کو انسان کی ضرورت ہے
رحم کھا کر خدا نہ دے جانا

دراصل ہم میں یہ پرانی بیماری ہے کہ ہر ہجوم کو عوام سمجھتے ہیں خواہ وہ اقلیتوں کے حقوق سلب کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں یا خواتین کی آزادی۔۔۔ اب تو کچھ برقعہ پوش خواتین یہ نعرے لگاتی پھر رہی ہیں کہ ہمارے حقوق غصب کرو۔ ہمارے ہمسایہ ممالک، جنہوں نے رواج اور مذہب کے نام پر عورت کو قید کر رکھا ہے ان کے آئیڈیل ہیں ویسے تو یہ رواج ہمارے بہت سے علاقوں میں موجود ہے باقی علاقوں میں عورتوں کے چہروں پر تیزاب پھینک کر یہ مقصد حاصل کر لیا جائے گا۔ ترقی پسند تالیاں بجاتے ہیں۔ پڑھی لکھی خواتین کے لطیفے سناتے ہیں۔ اس پر کوئی سیمینار نہیں ہوتا، کوئی جلوس نہیں نکلتا۔

میجر اسحاق محمد کہتے تھے کہ ہم نے بہت خوبصورتی سے انقلاب کو سویز کے مغرب اور بنگلہ دیش سے مشرق میں محدود کر رکھا ہے۔ درمیانی علاقہ تو بقول ایک مغربی مصنف کے Allah's Garden ہے۔ یہاں عورتوں اور اقلیتوں کے لیے جدوجہد کرنا ذرا مشکل ہے۔

کیوں نہ پہلے عالمی امن قائم کر لیں، کیوں نہ پہلے انگریز سے مردوں کے لیے آزادی حاصل کر لیں، کیوں نہ پہلے مرد مرد اور مسلمان مسلمان مل کر انقلاب کر لیں، پھر باقی لوگوں کے حقوق پر غور فرمائیں گے۔ (عورتیں اور اقلیتیں انتظار فرمائیں)

کیا ہم لوگ یہاں دنیا بھر کے ترقی پسندوں کا ایجنڈا طے کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں یا پاکستان کے ترقی پسندوں کا۔

تو دوستو! پاکستان کے ترقی پسندوں کو پاکستان میں ہی کرنے کے کام بہت ہیں۔

They have a world to win.

رہا عالمی امن اور آزادی میں ترقی پسندوں کا کردار تو بی بی زلیخا تو سوت کی ایک اٹی لے کر یوسف خریدنے نکلی تھی، ہمارا اثاثہ تو اتنا بھی نہیں۔

عالمی امن اور آزادی میں ہمارا کوئی کردار نہیں!

OOO

شہید کون؟

(شہید حسن ناصر کی برسی پر ۲۰۰۸ء-۱۱-۱۴ کو پڑھا گیا)

کل بھی اسی جگہ، اسی وقت، کچھ دوست حسن ناصر نامی ایک شہید کی برسی منانے اکٹھے ہوئے تھے۔ آج والے دوست موجود نہ تھے۔ آج بھی ہم شہید حسن ناصر کی یاد میں اکٹھے ہوئے ہیں، مگر کل والے دوست موجود نہیں۔ کیا ہم نے سوشلزم کو مذہب کی سطح پر گرا دیا ہے اور سنی سوشلسٹ اور شیعہ سوشلسٹ وجود میں آ گئے ہیں جو دُنیا کے امن کو مزید پارہ پارہ کر دیں گے کہ دُنیا بھر میں تمام لڑائیاں سوویت یونین کے انہدام کے بعد مذہب کے نام پر ہو رہی ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔۔۔ میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

؎ ایسے ناداں بھی نہ تھے جان سے گزرنے والے
ناصحو، پندگرو، راہ گزر تو دیکھو

ایوب خان کے مارشل لاء میں سندھ کی کیمونسٹ پارٹی کے جوائنٹ سیکرٹری کو قلعہ لاہور میں، کہ سنا ہے کہ ہماری عظمتِ رفتہ کا نشان ہے، شہید کر دیا گیا۔ ایک اور نو آموز کیمونسٹ وکیل، میجر اسحاق نامی، نے حسن ناصر کا مقدمہ لڑا تا کہ شہید کے ماتھے سے خودکشی کا داغ، وہ الزام جو اس کے قاتلوں نے لگایا تھا، دُھل جائے کہ انقلابی اپنی جان جدوجہد

میں قربان کرتے ہیں، خودکشی نہیں کرتے۔ وہ اور ہیں جو پیسے لے کر بزعم خویش شہید ہوتے ہیں کہ شوقِ شہادت بہت ہی فراواں ہے۔

ہر بوالہوس نے جنس پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ ہنر گئی

یا سادہ الفاظ میں۔۔۔ حبیب بینک میرا بینک، میرا بینک، 'میلا' بھی تو ہے! ضیاء الحق بھی شہید، بھٹو بھی شہید، ہر دہشت گرد بھی شہید۔۔۔ حسن ناصر کو کس منہ سے شہید کہوں؟

دوستو! شہادت کا تعلق موت سے نہیں۔ مقصد سے ہے۔ میجر اسحاق نے مصلّی میں لکھا ہے کہ آج کے شہید صرف کیمونسٹوں میں ہوتے ہیں۔۔۔ ماؤ نے بھی کہا ہے:

'عظیم انسان ڈھونڈنے ہوں
تو عصرِ حاضر سے لو لگاؤ'

اور عصرِ حاضر کا تعلق کیلنڈر سے نہیں مقاصد سے ہے، کہ جان سے گزرنے والے کس مقصد کے لیے موت کے گھاٹ اُترے۔

کیا قبائلی رسومات کی حفاظت کی لیے، عورتوں کو قید کرنے کے لیے، دوسرے مذاہب پر ظلم ڈھانے کے لیے، منشیات کی تجارت کے لیے، علم اور خرد کے دُشمن ہیں، سکول جلانے کے لیے، تہذیب اور ثقافت برباد کرنے کے لیے، مرنے والے شہید ہوا کرتے ہیں؟ انھیں ان کے شہید مبارک ہوں۔ اللہ ان میں اضافہ کرے۔۔۔ حسن ناصر کو شہید کہتے اسی لیے ہچکچاتا ہوں تا کہ کوئی اَن پڑھ فرشتہ، انھیں بھی خودکش شہیدوں کی صف میں نہ کھڑا کر دے۔

ہم تو کسانوں اور مزدوروں کے ساتھی ہیں، ان میں سے ہیں، کسان تو اناج کا ایک دانہ بھی ہاتھ سے گر جائے تو اُٹھا کر، پھونک مار کر، منہ میں ڈال لیتا ہے کہ ضائع نہ ہو۔

انسان کی جان کیوں برباد کرے گا؟ عوام کے بیٹے، عوام کے لیے ہی قربان ہوتے ہیں، حوروں اور غلمانوں کے لیے نہیں۔ کسان اور مزدور زندگی کا خالق ہے۔ اس کا محافظ ہے، اس کو پالتا ہے، بڑھاتا ہے۔ تباہ نہیں کرتا۔

بموں، بندوقوں کا شغل سامراجی ایجنٹوں کا ہے۔ بڑھک، للکار، ایٹم بم، خون کی مہک، ہیرا گیروں کے صنم ہیں، وہ انھیں پوجتے ہیں اور حرام موت مرتے ہیں۔

کھیت کھلیان، زمین، لہلہاتی فصلیں، ہنستے کھیلتے بچے، ناچتے گاتے نوجوان، گِدّھا ڈالتی بچیاں سکول، کالج، یونیورسٹیاں، لیبارٹریاں، ملیں، فیکٹریاں، ادب، آرٹ، تھیٹر یہ ہیں انسانوں کے ڈیرے اور بسیرے۔۔۔ اُدھر حیوانوں کے نعرے ہیں ہم حیوانیت کرتے رہیں گے، انسانی تہذیب کی بربادی تک، جہالت کی فتح تک، اس وقت تک جب تک کہ جہالت تمام دُنیا پر چھا نہ جائے۔

ان کا ہاتھ کون روکے گا۔۔۔ ظاہر ہے وہی جو عوام میں سے ہے، عوام کا ہے، طبقاتی طور پر باشعور ہے سیاست اور مذہب کے پیچھے چھپے طبقاتی مفادات کی سمجھ رکھتا ہے۔ حکمران طبقات کے ہذیان کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ پسے ہوئے طبقات کے مفادات کا نگہبان ہے جو حسن ناصر کا پیروکار ہے۔

حکمرانوں کی سیاسی اور مذہبی جماعتیں عوام کو دھوکہ دیتی ہیں کبھی مذہب اور فرقے کے نام پر، کبھی علاقے اور وطن کے نام پر کبھی نسل اور برادری کے نام پر۔۔۔

وہ ایک بات جو عوام سے چھپاتے ہیں، وہ ہے طبقاتی تقسیم، طبقاتی مفادات، طبقاتی منافرت جو دوطرفہ ہے۔ حکمران طبقات عوام سے نفرت کرتے ہیں، عوام حکمران طبقات سے۔۔۔ اور طبقاتی جدوجہد۔

اس ایک جدوجہد سے عوام کو روکنے کے لیے، کیا کیا کھلونا جدوجہد عوام کی جھولی میں ڈالی جاتی ہے۔۔۔ اسلام اور کفر کی لڑائی، شیعہ سنی کی لڑائی، مرزائی، غیر مرزائی کی

لڑائی، غریب پاکستان کی غریب ہندوستان سے لڑائی (کس بات پر؟)

اسی طبقاتی نظریے کو راہ نما بنا کر، اسی نظریے پر قائم ایک ٹھکی جڑی پارٹی کی رہنمائی میں جدوجہد ہی عوام کی نجات کی واحد راہ ہے۔ اس نظریے کے لیے، اسی آدرش کے لیے، اسی جدوجہد میں شہید حسن ناصر نے اپنی جان قربان کی۔

اسی جدوجہد کے لیے اپنی اس مقابلتاً خوش حال زندگی کو چھوڑ کر، مزدور بستیوں میں بسیرا کیا، شاہی قلعے کے عقوبت خانے اس کو نگل گئے۔ مگر اس کے نام لیوا، آج بھی اسی لگن کے ساتھ، انقلاب کی راہ پر گامزن ہیں۔

عشق فقیراں دا قائم دائم
کدے نہ تھیسی بیہا۔۔۔

حسن ناصر اپنا آرام سکھ تج کر، اپنا وطن (وہی وطن جس کے لیے ترانے گائے جاتے ہیں۔) چھوڑ کر طبقاتی جدوجہد کے لیے پاکستان آ گیا۔ ان کی والدہ نے میجر اسحاق محمد کو خط لکھا۔

”آپ کی ہمت کی داد دیتی ہوں، میں تو سب سے کہتی ہوں، بچہ میرے نام کا تھا، لیکن وہ آپ لوگوں کا تھا۔“

”ہم پر قربان ہو گیا۔ ہم بھی اس کے نظریے پر کاربند ہونے اور اسی نظریے پر قربان ہونے کے خواہش مند ہیں۔۔۔

اللہ ہم جیسوں کا بھی حامی و ناصر ہو!

ooo

نغمۂ مردے کہ دارد بوئے دوست

(خالد محمود خاں کی کتاب ''یادِ یارِ مہرباں'' جوانھوں نے اپنے دوست جمیل قاسمی کی یاد میں لکھی ہے، پر ڈاکٹر مقبول اختر کا تبصرہ)

یوسفِ گم گشتہ کے لوٹ آنے کی خواہش انسان کو نہیں چھوڑتی۔ اس آس میں ناقابلِ برداشت غم، حرزِ جاں بن جاتا ہے اور مسلسل دکھ کی ایک دل پذیر کیفیت، وجود کا حصہ بن جاتی ہے۔ کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ جانے والے لوٹ کر نہ آئیں گے۔ خصوصاً وہ جو جاں سے گزر گئے!

از فراقِ بے وصالے الاماں

کوئی کیسے کہے کہ ''غم مخور'' غم نہ کر۔ شاید اسی لیے خالد محمود خاں نے حافظ کے شعر سے غم مخور کو غائب کر دیا ہے اور یوسفِ گم گشتہ کے کنعان میں لوٹ آنے کی نوید صفحۂ اول پر دی ہے۔۔۔ دکھوں کی سیاہ کوٹھڑی گلستان بن جائے گی۔۔۔ (اے بسا آرزو کہ خاک شدہ)

خالد نے وہ گلستان اپنے دل میں اگا لیا ہے اور اس کی ایک خوبصورت جھلک ہمیں دکھلائی ہے۔ خالد محمود خاں کا قاسمی جمیل قاسمی۔

درست کہا ہے خالد نے، ہر کسی کا قاسمی ہوتا ہے مگر اسے یاد دلانے کا فریضہ اس نے پورا کیا ہے۔

Tread softly because you tread on
my dreams (Meomories)?

یادِ یارِ مہرباں، جو حقیقت میں یادِ یارانِ مہرباں ہے، قصباتی زندگی کی ایک خوبصورت دستاویز ہے۔ قصبات جہاں ابھی تک نارمل پاکستانی بستے ہیں جبکہ دیہاتی مجبور و مقہور ہیں اور شہری بر خود غلط اور نظریاتی طور پر کج رو، نعرے باز۔

قصبات کی زندگی بھرپور ہے، رنگا رنگ ہے پیار، محبت، یار باشی ابھی زندہ ہے۔ اساتذہ، تعلم میں جان مارتے ہیں، نمود و نمائش سے بے نیاز۔

خالد نے اپنے دوستوں کا ایک گل دستہ پیش کیا ہے، وہ جو قاسمی کے دوست تھے اور قاسمی ان کا دوست تھا۔ میں بھی ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں جسے زندگی بھر بہت پیارے پیارے دوست ملے، خالد کے بیان کردہ ایک واقعے کی تضمین ہو سکتی ہے۔ مگر میں یہ جسارت نہیں کروں گا۔ ہاں یہ ہے کہ اس حوالے سے زیرِ نظر تحریر کی حقانیت پر یقین آجاتا ہے۔ 'کہانی کاری' بہت کم ہے۔ البتہ خالد محمود خاں کی تحریر کی دل کشی موجود ہے۔ جو اس کی شخصیت کا جزو لاینفک ہے۔ سکول کے بعد یہ ترکیب اب استعمال کی ہے۔ شاید صحیح ہو، دراصل یہ کتاب اپنے ساتھ بہا کر لے گئی تھی۔ عمر جو بیت چکی

All that is beautiful drifts like the waters.

OOO

اہلِ صفا کا رستہ

محمود شاء ایک شاعر کا حساس دل رکھتا ہے۔ وہ ظلم کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا اُس کی رگِ جاں کا ریشہ ریشہ اس ظلم کے خلاف صورِ اسرافیل کی شدت سے چلاّ اُٹھتا ہے۔

27 دسمبر کے سانحہ عظیم نے اُس کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔۔۔ وہ ایک سوچنے والا شاعر ہے اس دُکھ کو سمجھنے کی ذہنی کوشش بھی کرتا ہے اُس کی طبقاتی سوچ جو کہ معاشرتی اور تاریخی حقائق کو سمجھنے کی اعلیٰ ترین کسوٹی ہے۔ وہ بھٹو باپ بیٹی کی عظیم ترین قربانیوں پر حیران ہے کہ ان کا طبقاتی کردار تو یہ نہیں۔

یہ سوچ جہاں معاشرے کی اُلجھنوں کو سلجھانے کے لیے تمام انسانی سوچوں کی معراج ہے، اشخاص کو سمجھنے میں بعض اوقات عاجز نظر آتی ہے۔ یہ تو ان کا طبقاتی کردار نہیں۔ موت کی آنکھوں میں آنکھوں ڈال کر اپنی جان قربان کر دینا۔ یہ تو اس طبقے کا شیوہ نہیں۔ یہ تو ان اہلِ صفا کا شیوہ ہے جن کی مثالیں بیسویں صدی کے انقلابیوں میں ملتی ہیں۔ جذباتی طور پر اپنے جیسے مظلوموں کو مارنے اور خود مر جانے والے اشخاص تو اس بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو تاریخ کے حسن ناصروں کا حصہ ہے۔

دراصل ایک انسان کے ذاتی کردار کو سمجھنے کے لیے اس کے مقاصد، اس کی ذات، اس کی ذہنی سطح اور اُس کی نظریاتی سمت کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔۔۔ بے نظیر کے خون کے دھبوں کو فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کے پانی سے دھونے والے شاید طبقاتی طور پر عوام کی صفوں سے آئے ہوں مگر ابدالآباد تک اپنے لیے لعنت کما گئے ہیں۔

میرے خیال میں جب تک ہم کسی کتاب کا آخری باب نہیں پڑھ لیتے ہماری رائے اُس کتاب کے بارے میں نہ صرف نامکمل، بلکہ ناقص بھی ہوتی ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر کی ذات سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی جب اُن کی زندگی کے آخری سال کو مدِنظر نہ رکھا جائے۔

سقراط کی بڑائی صرف اُس کے فلسفے میں نہیں وہ بہت بڑا اُس استقامت کی بنا پر ہے جو اُس نے موت کی دہلیز پر دکھائی۔ ہنس کر موت کو قبول کیا مگر اپنی سوچ میں ترمیم و تنسیخ کا خیال بھی قریب سے نہیں گزرنے دیا، ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے آخری وقت ظالموں سے مصالحت کی بھیک نہیں مانگی، اُس نے داڑھی مونڈنے کا سامان مانگا تا کہ اُسی بانکپن سے موت کو گلے لگائے جس بہادری اور بانکپن سے وہ جیا۔

بے نظیر نے ظالموں کے قلعے میں انھیں للکارا، ہنس کر اور مسکرا کر قوم کو بھلے وقتوں کی نوید سنائی یہ جانتے ہوئے بھی کہ موت اُس کی گھات میں ہے رجائیت کا دامن نہ چھوڑا۔ گرے ہوئے، پسے ہوئے لوگوں کی ہمت بڑھائی اور۔۔۔ امر ہوگئی۔

مشالِ سر جلا کر ہوگئی ہے سرخرو تو پھر
یہاں پہ جو بھی ہونا تھا
تجھے معلوم تھا بی بی
تجھے معلوم تھا بی بی
اے دل کسے نصیب یہ توفیقِ اضطراب

بے نظیر کی شہادت کی شام جس زندہ پاکستانی نے دیکھی وہ عمر بھر اسے نہ بھلا پائے گا۔

تو شام اُس شام ایسے اُتری کہ ایک محشر اُٹھا دیا ہے۔ وہ شام اور شام کے بعد کے تین چار روز سولہ کروڑ عوام کی کیفیت کا بیان کوئی کیسے کرے۔ ایک صدمہ جانکاہ سے مفلوج قوم۔

دماغ جل رہے تھے دِل جل رہے تھے۔ خاموشی اور سکوت ایسا کہ دِل دہل جائیں۔ صدمہ جاں کاہ تھا، غصے کو کوئی راہ نہ تھا، ورنہ یہ دھرتی اُس روز جل جاتی، بھسم ہوتی

یہ کیسی رُت ہے
کوئی تو بولے
کوئی تو دھڑکے
کوئی تو بھڑکے

تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوا ہے، انقلاب سب سے پہلے اپنے بچوں کو کھاتا ہے۔ پاکستان ایک بہت تبدیلی کی دہلیز پر کھڑا ہے مگر بے نظیر کی قربانی لے گیا ہے۔

فیض صاحب نے میجر اسحاق کے لیے کہا تھا:

ہم سمجھے تھے صیاد کا ترکش ہوا خالی
باقی تھا مگر اس میں ابھی تیر قضا اور
ابھی طویل سفر باقی ہے

سورج ڈوب چلا ناصر
اور ابھی منزل ہے دُور

سوائے انقلابی رجائیت کے اور کوئی نسخہ بروئے کار نہیں آئے گا۔ وقت ہے کہ اپنے غم کی شدت کو انقلابی قوت میں ڈھالا جائے۔

کاروانِ حیات لے کر نکل پڑی وہ
وہ عشق منزل کا رستہ ہے
وہ راستہ جو وفا کا رستہ
وہ زندگی کی بقا کا رستہ
جو رستہ اہلِ صفا کا رستہ

میں بیمار تھا، مجھے اطلاع ملی کہ محمود شاء ایک مسودہ چھوڑ گیا ہے اُس سے رابطے کی کوشش کی۔ پتہ چلا ہسپتال میں ہے دِل کے دورے کے ساتھ، مجھے حیرانی نہ ہوئی۔ ایسی نظمیں لکھ کر اور کہاں جاتا۔

محمود شاء نے اپنی جاں نکال کر صفحۂ قرطاس پر رکھ دی ہے۔۔۔

ooo

پاکستان میں قومی تشخص کا بحران

تشخص کے ضمن میں سب سے پہلی بات ہوگی نام کی اور نام تو ہمارا اچھا خاصا موجود ہے۔۔۔ پاکستان۔۔۔ مگر پاکستان ہے کیا ہم کون ہیں؟ ہمارا ماضی کیا تھا؟ ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟ ہم کیا تھے؟ کیا بن گئے ہیں؟ کیا بننا چاہتے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر کسی کو پریشان کر رہے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب ہمیں دینا ہی ہوگا کہ بقول ایلیٹ ''خاتمہ کہیں نہیں ہے، صرف اضافہ ہے، مستقبل اور ماضی پر یکساں دھیان کرو۔'' پہچان کے اسی آزار کو بلھے شاہ نے یوں کہا ہے ''بُلھیا کی جاناں میں کون؟'' اور بلھے شاہ کا یہ کرب جو ہمہ جہت ہے ہمارا بھی کرب ہے اس کا ایک ہمہ جہت جواب ہی ہمارا تشخص ہو سکتا ہے اور یہ تشخص تاریخی، جغرافیائی، سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی ہوگا۔ اس بارے میں بہت تحقیق، تلاش اور جانچ پڑتال کی ضرورت ہے اور یہ ہمیں خود ہی کرنا ہوگی کیوں کہ اب تو ہماری قومی اسمبلی بھی یہ فیصلہ دے چکی ہے کہ آسمانوں سے ہدایات آنا بند ہو چکی ہیں۔۔۔ مگر ہم نے ابھی تک تحقیق کی عادت نہیں اپنائی۔۔۔ یعنی بجلی بند ہو چکی ہے اور ایمرجنسی جنریٹر بھی کام نہیں کرتا۔۔۔ یہ ہمارے تشخص کے بحران کا ایک بڑا سبب ہے!

اس بحران کے حل کے سلسلے میں تحقیق کے بارے میں ماؤ کہتا ہے:

''تحقیق حمل کے طویل دنوں کی طرح ہوتی ہے اور کسی مسئلے کا حل ولادت کے دن کی طرح ہوتا ہے۔ دراصل کسی مسئلے کی تحقیق کرنا اس کو حل کرنا ہوتا ہے۔''

ایک قوم کی تعمیر و ترقی میں تشخص کی اہمیت وہی ہے جو ایک عمارت کی تعمیر میں بلیو پرنٹ کی۔ تشخص چونکہ زندگی کے سبھی پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس لیے اس کے سبھی پہلوؤں پر تحقیق و جستجو کے بعد جو جواب مرتب ہوگا، وہ بہت پہلودار اور بسیط ہوگا۔ امرت دھارا قسم کے فلسفے کام نہیں آتے، اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ مسلمان کون سا کلمہ پڑھتے ہیں تو میرا جواب ہوگا لا الہ الا اللہ۔۔۔ اور شاید ہی کوئی اس سے اختلاف کرے، مگر جب میں یہ پوچھوں کہ پاکستان کا جغرافیہ کیا ہے؟ یا پاکستان کا حدود اربعہ کیا ہے؟ پاکستان کی تاریخ کیا ہے؟ پاکستانی ثقافت کیا ہے؟ پاکستان کی زبانیں کون سی ہیں؟ پاکستان میں کون سی نسلیں آباد ہیں؟ (اور یہ نسلیں اُداس کیوں ہیں؟) پاکستان کا معاشی ڈھانچہ اور معاشرتی نظام کون سا ہے؟ یعنی پاکستان کا مطلب کیا ہے؟۔۔۔ اور آپ جواب دیں لا الہ الا اللہ۔۔۔ تو اس سے ممکن ہے کہ آپ کو اُردو اخبار میں انگریزی لکھنے کی نوکری مل جائے مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملے گا! کیا میں اس سے یہ سمجھوں کہ جس ملک کے جھنڈے پر لا الہ الا اللہ لکھا ہے وہ پاکستان کا پانچواں صوبہ ہے یا یہ سمجھوں کہ ہر کلمہ گو کو پاکستانی پاسپورٹ کے لیے درخواست دینی چاہیے یا یہ سمجھوں کہ واہگہ کے اس پار لا الہ الا اللہ پڑھنے والے پاکستانی ہیں اور واہگہ کے اس پار رہنے والے غیر مسلم پاکستانی نہیں ہیں۔ کیا پاکستان کے شہری حقوق رکھنے والے یہ لوگ، جو دنیا کے کسی بھی قانون اور ضابطۂ اخلاق کے مطابق پاکستانی شہری ہیں صرف اس لیے پاکستانی نہیں کہ وہ لا الہ الا اللہ نہیں پڑھتے۔۔۔ یہ غیر منطقی سوچ اور عصبیت بھی سبب ہے، تشخص کے بحران کا۔ کیا یہ لوگ قائداعظم کے سبھی ارشادات بھول گئے ہیں میں

ان میں سے چند ایک دہراتا ہوں۔

''تم میں سے ہر ایک، خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ خواہ کوئی سا رنگ، ذات یا عقیدہ رکھتا ہو، اولاً ثانیاً اور بدرجہ آخر اس مملکت کا شہری ہے۔ برابر حقوق اور برابر مراعات کے ساتھ۔''

(محمد علی جناح کی تقریریں اور تحریریں حصہ دوم، ص ۴۰۲)

''آپ کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے تعلق رکھیں۔ اس کا کاروبارِ مملکت سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلم مسلم نہیں رہیں گے۔۔۔ سیاسی معنی میں ''مملکت کے شہریوں کے طور پر۔''

قائداعظم کے ردّ میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں:

''اگر عرب، ترک اور ایرانی خدانخواستہ اسلام چھوڑ دیں تو عرب عرب رہیں گے، ترک ترک رہیں گے، ایرانی ایرانی رہیں گے مگر ہم کچھ نہ رہیں گے۔''

(محمد علی جناح کی تقریریں اور تحریریں حصہ دوم، ص ۴۰۳)

مائی ڈیئر ڈاکٹر قریشی! ہم وہی رہیں گے جو ہم ہیں، اس سلسلے میں چند اسناد پیش کرتا ہوں کہ بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر! ڈاکٹر بی اے امید کرنے کہا ہے:

''پاکستان کے خیال میں کوئی نئی یا اچانک چیز نہیں ہے۔ صرف یہی ہوا ہے کہ جواب تک بالواسطہ تھا، اب بیّن ہے۔ پوری چمک کے ساتھ اور جو اب تک بے نام تھا۔ ایک نام اختیار کر چکا ہے۔''

احمد عبداللہ کہتا ہے:

''قراقرم سے بحیرہ عرب اور ستلج سے کوہ ہندوکش تک ایک قطعۂ زمین، اپنی تاریخ، اپنا کلچر، ایک سی آبادی بلا چھوت چھات، سماجی نظام، بہت سی تہذیبوں کا دیس، آمری نال، ہڑپہ، گندھارا، بلخی وغیرہ۔۔۔

ہندوستان کی اس علاقے پر حکومت استثناء ہے۔ پاکستان کا قیام کوئی نئی بات نہیں بلکہ اصل کی طرف رجوع ہے۔''

اور اسی سلسلے میں وہیلر نے اپنی کتاب ''پاکستان کے پانچ ہزار سال'' میں لکھا ہے:

''اس کتاب کے عنوان میں جان بوجھ کر تضاد پیدا کیا گیا ہے، مگر اس میں ایک بنیادی سچائی موجود ہے۔ پاکستان ایک نئی اسلامی مملکت ہے مگر اپنے قدیم ہمسایوں کی طرح یہ بھی تاریخی عوامل کی پیداوار ہے جن میں سے اسلام سب سے بعد کا عمل ہے۔''

قوم کا تصور ایک سیاسی تصور ہے اور سرمایہ داری دور کی پیداوار ہے۔ جب کہ ایک مشترکہ منڈی کو دوسروں کے مقابلے میں تحفظ دینے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اس معنی میں ایشیاء اور افریقہ کی کئی مملکتوں میں ابھی تک قوموں کا ظہور نہیں ہوا (روپرٹ ایمرسن) محض امید پیدا ہوئی ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ امید قوم ہے۔ پاکستان میں یہ عمل بہت تیزی سے جاری ہے۔ پاکستان بننے کے بعد شہروں کا پھیلاؤ، نئے شہروں کا قیام، آبادی کا رزق کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا، معیشت، صنعت اور ثقافت کی ترقی، یہ سبھی عوامل مل کر ایک قوم کی تخلیق کر رہے ہیں۔ ٹرانسسٹر ریڈیو اور قومی سطح پر چھپنے والے اخبارات ورسائل نہ چاہتے ہوئے بھی اس عمل کو اور تیز کر رہے ہیں۔ ایک جیسی مصنوعات بھی علاقائی فرق کو کم سے کم کرتی ہیں۔ خیبر سے کراچی تک آپ کی تنہائی کی ساتھی، آپ کی سگریٹ کے ٹو ہے اور جب آپ کو چائے کی ضرورت ہو تو لپٹن عمدہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سرمایہ دار طبقے کی اپنی ایک مشترکہ تہذیب، بمقابلہ عوام وجود میں آرہی ہے۔ جو پی آئی اے، انٹر کانٹینٹل ہوٹلوں، ریل کے ایئر کنڈیشنڈ ڈبوں، اُن کی ہاؤسنگ سوسائٹیوں اور اُن کی سیاسی جماعت میں نظر آتی ہے۔ ہے وہ بھی خیبر سے کراچی تک ایک ہی تہذیب، خیر! یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ ہر طبقاتی سماج میں دو تہذیبیں ساتھ ہی ساتھ چلتی ہیں۔ ایک حکمرانوں کی تہذیب و ثقافت، دوسری عوام کی۔ اس فرق سے آنکھیں چرانا بھی تشخص کے بحران کا ایک سبب ہے۔

اس سرمایہ دارانہ دور کے تصورِ قوم سے قدیم تر تصور اس اجتماع کا ہے جس کو آج کی اصطلاح میں قومیت کہتے ہیں۔ یہ اجتماع اس وقت وجود میں آیا جب ایک یا ایک سے زیادہ قبیلے ایک قطع زمین سے متعلق ہوئے اور مشترکہ حکومت کے تحت آگئے، یا یوں کہیں کہ جاگیرداری دور میں۔ اس سے بھی پچھلے دور یعنی غلام داری سماج میں جب ذرائع پیداوار اس قدر ترقی کر گئے کہ شہروں کا قیام ممکن ہوا تو لوگوں کی خانہ بدوشی ختم ہوئی۔ اب وہ ایک علاقے سے متعلق ہو گئے جس کے نتیجے میں تہذیب پیدا ہوئی۔ Civis شہر کو کہتے ہیں اور Civilization اسی سے متعلق ہے۔ ایک جگہ رہائش سے مشترکہ زبان اور مشترکہ تہذیب پیدا ہوئی اور لوگوں کا طریقِ حیات ایک سا ہو گیا۔ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں کی بنیاد اسی دور میں پڑ گئی تھی۔ خواہ وہ چینی تہذیب ہو، یونانی تہذیب ہو، مصری تہذیب ہو یا ہڑپائی تہذیب۔ موخر الذکر Proto-indus یا دریائے سندھ سے متعلق تہذیب اور قومیت بھی کہتے ہیں۔

آج کی عرب تہذیب وثقافت کی بنیادیں اسلام کے آنے سے پہلے ہی استوار ہو چکی تھیں۔ بعد میں ہونے والی سیاسی اور مذہبی تبدیلیوں کے باوجود کوئی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ آج کی عرب تہذیب تو عرب تہذیب ہے مگر اسلام سے قبل کی تہذیب عرب تہذیب نہ تھی۔ یہ تہذیبی تسلسل دنیا بھر کے عالموں کو نظر آتا ہے، مگر ہمارے عالم اس تسلسل سے انکاری ہیں۔ یہ شپرہ چشمی بھی تشخص کے بحران کا ایک سبب ہے۔ ظاہر ہے اس میں چشمۂ آفتاب کا کیا گناہ۔

گذشتہ دنوں زرعی یونیورسٹی لائل پور میں ایک سائنس کانفرنس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں آثارِ قدیمہ کے ایک ممتاز ماہر فضل احمد صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون ہڑپہ تہذیب پر پڑھا۔ تاریخی شواہد پیش کیے، سلائیڈیں دکھائیں اور یہ ثابت کیا کہ ہماری آج کی تہذیب کی بنیادیں ہڑپہ اور موہنجوڈارو میں رکھی جا چکی تھیں۔ تمام ثقافتی مظاہر یعنی عمارات، لباس، سامان آرائش وغیرہ میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں جو آج سے ملتی جلتی شکل میں اس وقت موجود نہ تھی۔ سرمہ، کاجل، سرمے دانی، ہار کنگن، سبھی کچھ تو تھا حتیٰ کہ پیپل کا پتہ بھی کیونکہ پیپل

کی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ آج کل ٹرکوں اور موٹروں کی پیشانی پر پیپل کا پتہ بنا کر اس پر یا اللہ، محمد لکھا ہوتا ہے۔ ہمارے ایک مرحوم فاضل اس مضمون پر تبصرہ کرنے اُٹھے، فرمایا: اچھا مضمون ہے، بہت اچھی ریسرچ ہے اور بہت ہی زیادہ عرق ریزی کی ہے مگر۔۔۔ مگر یہ تہذیب ہماری تہذیب نہیں ہے۔ زندہ باد سائنس کانفرنس اور زندہ باد سائنس، سائنس یونہی شواہد سے نتائج اخذ کرتی ہے! یہ اُلٹ بازی اس لیے تھی کہ وہ صاحب بدقسمتی (ہماری) سے اُردو بولنے والے علاقے سے مہاجر تھے اور اُس دھرتی سے جس نے انہیں پناہ دی تھی، گھر دیا تھا، اپنا رشتہ جوڑنے کو تیار نہ تھے۔

جب حقیقت روایات میں کھو جائے تو اُمتیں ایسے ہی خرافات میں کھو جاتی ہیں۔ انہیں خرافات میں سے ایک برصغیر کا آریائی تشخص ہے۔ جو انگریز کی حکمرانی کا جواز مہیا کرنے کے لیے گھڑا گیا تھا کہ یہ وحشی قبائل کا ملک تھا دھات اور پتھر کے زمانے کے فوراً بعد آریا تشریف لے آئے اور اپنے جلو میں تہذیب ثقافت زبان خدا جانے کیا کچھ لائے اور اصل بات تو یہ کہ ایک ہندوستان کا تصور لائے۔ ان خدا کے بندوں سے کون پوچھے کہ بھائی! تاریخ کے کس دور میں ہندوستان ایک وحدت رہا ہے۔ مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔ آریائی اس میں برتر تہذیب سمیت آئے تھے اور ہم انگریز بھی پانچوں سواروں میں ہیں یعنی آریائی ہیں۔ اگر ہم تم پر حکومت کر رہے ہیں تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ہونا چاہیے۔ یہ وہی سامراجی منطق تھی جو آج کل بابا غفوروف کو تنگ کر رہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آریاؤں نے ہڑپہ اور موہنجوڈارو کی عظیم تہذیب کو تاراج نہیں کیا تھا۔ وہ تو پُرامن آباد کار تھے جو یہاں آباد ہو کر انسانیت پر احسان کر رہے تھے اور آج اُن کے پڑپوتے وسط ایشیائی یہی احسان دہرانے کی فکر میں دُبلے ہو رہے ہیں کہ یہ گرم پانی کی بندرگاہیں آدمی کو انسانیت کی خدمت پر اُکساتی ہیں۔

انہی خرافات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی ہندوستان میں

حکمران رہے ہیں اور یہ کہ ہم اُن حکمرانوں کی اولاد ہیں۔ P.Herdy نے اپنی کتاب برطانوی ہند کے مسلمان The Muslims of British India میں لکھا ہے۔

''گنگا جمنا دوآب میں مسلمانوں کی آبادی کی تعداد اور تقسیم۔۔۔

اس علاقے میں مسلمانوں کے اقتدار کے عرصے اور طاقت سے نسبت معکوس رکھتی ہے۔۔۔ دِلّی پر قبضے کے سات سو سال بعد۔۔۔ مسلمان صرف ۱۳ فیصد تھے۔۔۔ مسلمانوں کی صرف ایک حقیر اقلیت اپنے لیے یا اپنے آباء کے لیے ''حکمران قوم'' کے فرد ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔۔۔

اس علاقے کے پڑھے لکھے لوگوں کے بیرونی آباء اور حکمرانی کے دعوے کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت کسانوں، دست کاروں اور درباروں کے خدمت گزاروں مثلاً سازندوں، بھانڈوں، عطر فروشوں اور طوائفوں پر مشتمل ہے۔۔۔ راجپوت نسل کے کاشت کار مثلاً ملکانے، خانزادے اور لال خانے اور ماہر دستکار مثلاً جلاہے، کپڑا چھاپنے والے اور انگریز تعداد میں اُن لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جو اپنے آپ کو سید، پٹھان، مغل یا شیخ کہہ کر بیرونی نسل کا یا حکمرانی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔۔۔ پنجاب میں ایسے بہروپ اور بھی کم ہیں۔ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہزار میں سے صرف مسلمان باہر والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔''

یہ رہی حکمران قوم کے دعوے کی حقیقت اور یہ بھی ایک سبب ہے تشخص کے بحران کا۔ یار لوگ حکمران کہلانے کے شوق میں اپنے آباواجداد سے منکر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی ایک جماعت تو باقاعدہ بیرونی یا بدیسی نظریات اور دیسی اجداد کے خلاف جہاد کرتی رہتی ہے۔ یہ اور بات کہ اس کے اپنے ممبران بھی اپنے باپ کا نام لیتے ہیں اور اپنے امیر کو اپنا باپ نہیں کہتے کہ ہر شخص کا اپنا باپ ہوتا ہے۔۔۔ یا ہونا چاہیے۔ اپنے باپ کو باپ کہنا تنگ نظری صوبائی عصبیت یا شاؤنزم نہیں ہے۔ باپ سانجھے ہونے سے تو رہے۔ پنجابی

باپ، دادا، پردادا اور لکڑ دادا رکھنے والا اپنے آپ کو پنجابی کیوں نہ کہے۔ ایک سندھی کیوں نہ کہلائے اور ایک پشتون اپنے پشتون ہونے پر فخر کیوں نہ کرے؟ ایک بلوچ بلوچی ہونے پر کیوں گردن تان کر نہ چلے؟ ہم جو آج اس خطۂ زمین پاکستان میں رہتے ہیں ان لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کیوں نہ کہیں جو درحقیقت ہمارے آباؤ اجداد ہیں، وہ جو لاکھوں سال اس دھرتی میں آباد رہے اور یہیں دفن ہوئے۔ ہم بھی اسی دھرتی سے اُگے ہیں اور ہم سے میری مراد اس ملک کی ننانوے فیصد آبادی ہے۔ ہم کسی طوس یا گیلان، دِلّی یا لکھنؤ، حجاز یا شام میں پیدا نہیں ہوئے۔ ہم عربوں یا ہندوستانیوں کو اپنا باپ کیوں بنائیں یا بتائیں۔

یہ بھی ہمارا تشخص ہے!

پہچان کا ایک منفی طریقہ بھی ہے جس کی مثال یوں ہے کہ مشہور تاریخ دان الاستخاری نے خوریا زبان کے بارے میں کہا لیس عبرانی ولا سریانی ولا فارسی یعنی یہ زبان نہ عبرانی ہے، نہ سریانی اور نہ فارسی، اسی طرز پر ہمارا تشخص یوں ہوگا۔

ہم نہ تو ہندی ہیں، نہ عربی ہیں اور نہ وسط ایشیائی

اس سلسلے میں پروفیسر احمد حسن دانی کا کہنا یہ ہے کہ یہ سوال ہی غلط ہے کہ ہمارا تعلق گنگا کی تہذیب سے ہے یا وسط ایشیائی تہذیب سے، ہماری اپنی تہذیب ہے جو اُن دونوں تہذیبوں سے مختلف ہے۔

ہم پاکستانی ہیں مگر پاکستان ہے کیا، لوگ خصوصاً نئی نسل کے نئے لوگ یہ جاننا چاہیں گے۔ دنیا میں ہر چیز زبان ومکان کے حوالے سے ہی دیکھی جا سکتی ہے۔ پاکستان کا جغرافیہ اس سلسلے میں پہلی چیز ہے جس پر ہمیں توجہ کرنی ہوگی۔ ہمارا جغرافیہ وہ کیوں ہے جو آج ہے۔ اس سے مختلف کیوں نہیں؟ ہماری مشرقی سرحد لاہور سے سولہ میل پر کیوں رُک جاتی ہے۔ دلی اس میں شامل کیوں نہیں کہ ہم بلاواسطہ ''دلی دربار دیکھو'' کا لطف اٹھا سکیں۔ وہیلر

اس سلسلے میں یہ کہتا ہے:

''اس کی قدرتی سرحدیں ہیں۔ جنوب مغرب میں بحیرہ عرب۔
کوہ ہمالیہ اور بلوچستان کے پہاڑ شمال مغرب میں۔ جنوب مشرق میں تھریا
صحرا۔ صرف مشرق میں ہمالیہ اور صحرا کے درمیان ایک دو سومیل کی زرخیز
پٹی ہے جہاں بھارت کے میدان مغربی پاکستان کے ساتھ بغیر رکاوٹ
کے ملتے ہیں۔ صرف یہیں حدیں متعین نہیں ہیں۔ جغرافیائی معنی میں اور
صرف یہیں آدمی اپنی تقدیر کا مالک ہے ورنہ مغربی پاکستان کو ایک مکمل
وحدت کے رُوپ میں نہ صرف انسان نے بلکہ قدرت نے ڈھالا ہے۔
اس کی ریڑھ کی ہڈی سندھ کا دریائی نظام ہے۔''

اپنا جغرافیہ جاننا بہت اہم ہے کہ کبرال کا کہنا یہ ہے کہ ''تم چاول کو ہنڈیا سے باہر نہیں پکا سکتے'' اس لیے ہم اپنے تمام دعویٰ ہائے حب الوطنی کے باوجود محبِّ وطن نہیں ہو سکتے جب تک ہمیں اس دھرتی سے اس زمین سے پیار نہ ہو شاہ ولی اللہ نے کہا تھا'' آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے'' اور جس چیز کو آپ جانتے ہی نہیں اس سے محبت کیا معنی؟

پروفیسر قدرت اللہ فاطمی کا یہ کہنا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں گنگا کی وادی اس کا قلب یا Heartland ہے اور باقی علاقے Rimland یا اردگرد کے علاقے اور ہارٹ لینڈ اور رم لینڈ کا تو ہمیشہ سے جھگڑا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تقسیم طبعی اور جغرافیائی ہے۔

''جہاں تھر ختم ہوتا ہے براعظمی تقسیم شروع ہو جاتی ہے جو مشتمل
ہے دوموسمی نظاموں کی حدود پر اور مغربی پاکستان کے شمالاً جنوباً بہنے والے
دریائی نظام کو بھارت کے غرباً شرقاً دریائی نظام سے جدا کرتی ہے۔''

پروفیسر فاطمی کا کہنا یہ بھی ہے کہ یہ نئی دریافت نہیں ہے بلکہ ویدوں کے بعد کی مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔ وشنو پران میں بھارت کی حدود یوں بیان کی گئی ہیں۔

''وہ ملک جو سمندر کے شمال اور برفیلے پہاڑوں کے جنوب میں ہے بھارت کہلاتا

ہے'' اور سیاسی جغرافیائی حدود کا بیان یوں ہے۔

''بھارت کے مشرق میں کراتا یعنی جنگلی رہتے ہیں مغرب
میں یوانا (یعنی باہر کے یونانی) مرکز میں رہتے ہیں۔ برہمن کشتری ویش
اور شودر''

جغرافیے کے مطالعے سے جو چیز کھل کر سامنے آتی ہے وہ پاکستان کی قدرتی وحدت ہے کہ یہ دریائے سندھ کا طاس ہے۔ دریائی آمدورفت قدیم زمانہ سے ہو رہی ہے۔ جب آبادی بھی زیادہ تر دریاؤں کے کنارے ہوتی تھی۔ اسی طرح سبھی علاقائی زبانوں کا تانا بانا اس زبان سے بنا ہے جس کو ہم دریائے سندھ کی زبان کہہ سکتے ہیں اور جس کے مختلف روپ ہیں۔ جٹکی سرائیکی ملتانی سندھی وغیرہ۔ یہ زبان شمال سے جنوب تک ایک ہزار میل میں بہت حد تک مشترک ہے۔ یہ خطہ زمین نیم صحرائی ہے۔ نہروں کے بغیر کاشت ممکن نہیں۔ بند ایک علاقے میں بندھ سکتے ہیں پانی کا استعمال دوسرے علاقے میں ہوتا ہے۔ تعاون ہماری مجبوری ہے۔ اجتماعی کام نہ ہوگا تو اجتماعی بیگار لازمی ہوگی۔

سرحد کشمیر اور شمالی بلوچستان کی وادیاں پنجاب میں کھلتی ہیں۔ جنوبی بلوچستان اور سندھ میں گہرا تعلق ہے۔ پنجاب اور سندھ کا رابطہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا دریائے سندھ۔ سڑکوں اور ریلوں کا جال ہے۔ ایک علاقے کی معیشت کا انحصار دوسرے پر ہے۔ غرض ایک مشترکہ تہذیب ایک مشترکہ علاقے میں پروان چڑھتی ہے۔ مغرب سے بے شمار لوگ یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ دراوڑ، آریا، ایرانی، یونانی، ساکا، کشان، ہن، ترک، تاتار، مغل، درانی وغیرہ جن کی وجہ سے ذاتوں کا ایسا امتزاج ہوا ہے کہ شکلوں کا امتیاز مشکل ہے۔ آپ شکل دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سندھی ہے یا پنجابی یا پشتون، ذاتوں کے نام بھی ملتے جلتے ہیں مثلاً وڑائچ بھروچ، باجوہ باجوات، جٹ اور زط وغیرہ لوگوں کے لباس اور خوراک ملتے جلتے ہیں۔ شمال مغرب کے تو درّے سال بسال نئے لوگ لا کر شامل کرتے رہے ہیں کہ پندرھویں صدی سے قبل ساری دنیا کی تاریخ میں یہ ہوا ہے کہ بے آباد علاقوں کے لوگ

آباد علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔ خصوصاً وسط ایشیا اور جزیرہ نمائے عرب کے لوگ، یہ اُن کی اقتصادی مجبوری تھی اور تاریخی جبر تھا۔ اُن کے پاس اُس زمانہ کا بہترین جنگی ہتھیار گھوڑا بھی موجود تھا پندرھویں صدی کے بعد جب انسانی علم اور تکنیک میں ترقی ہوئی تو انسان نے غیر آباد علاقوں کو آباد کرنا شروع کیا اور گھوڑے کا توڑ بھی بندوق کی شکل میں دریافت کر لیا تو ہمارے ملک پر حملہ آوروں کی یہ شمال مغربی بارش رُکی۔ اب یورپی قومیں سمندر کی راہ آ کر ہندوستان پر قابض ہونا شروع ہو گئیں جس کا انجام ۱۸۴۹ء میں ہوا جب انگریزوں نے اپنی بنگال آرمی کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اس فوج میں زیادہ تر پُوربیئے شامل تھے۔ جس کا بدلہ پنجابیوں نے آٹھ سال بعد لیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجابیوں، سندھیوں یا پشتونوں نے انگریز کے لیے ہندوستان کا کوئی علاقہ فتح نہیں کیا۔ ہاں انگریز نے ہندوستان سے فوج بھرتی کر کے پاکستان کو فتح کیا تھا۔ تاریخ کا بہاؤ انگریز کے حق میں تھا اس لیے وہ کامیاب ہوا ورنہ اس علاقے میں انگریز کی شدید مزاحمت ہوئی۔ یہ بھی ہمارا تشخص ہے اور تشخص کا بحران اس لیے ہے کہ ہماری تاریخ کو مسخ کیا گیا ہے۔ ہم نے تو ہمیشہ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا ہے وہ سندھ کا بانکا جرنیل ہوشو تھا جس نے کہا تھا مرمر دیسوں سندھ نہ ڈیسوں۔ ہماری روزی دِلّی دربار سے بندھی ہوئی نہ تھی اس لیے ہمیں شمال سے آنے والے شاہانِ اسلام کا انتظار نہیں رہا۔ دلی کے سلطانوں کے خلاف بھی اس علاقے میں بغاوتیں ہوتی رہی ہیں۔ بابر آیا تو بابا نانک نے کہا ''پاپ دی جنج لے کابلو دھایا جوری منگے دان دے لالو'' اکبر نے فرید کی کھال کھچوائی تو اس کا بیٹا دُلا بھٹی للکارا ''میں ڈھاواں دلی دے کنگرے۔ دیوان شکر دانگوں بھوڑ'' اورنگ زیب کا مقابلہ ہوا تو پنجاب میں کھوپڑیوں کے مینار بنے اور خوشحال خاں خٹک نے کہا:

آؤ دیکھو اس زمانے میں — میں ہی تو ہوں وہ اک جواں ہمت
جس نے اورنگزیب کے دل کو — زخم آلود و داغدار کیا

اورنگ زیب کے دل کو زخم آلود و داغدار کرنے کی اس مسرت کے خاصے کی چیز وہ

سندھی کہاوت ہے جو دِلّی کے تغلق بادشاہوں کے متعلق ہے۔ جب انہوں نے سندھ پر حملہ کیا۔ ایک تو مارا گیا دوسرا بھاگ گیا۔ سندھیوں نے کہا:

برکت شیخ پٹھا — اک مویا اک نٹھا

بلوچستان کے عوام کے بارے میں ایک عرب لکھاری نے لکھا تھا ''جان الکثیر بھا جائع وان قلیل بھا عبود'' کہ ان میں اکثر بھوکے تو ہیں غلام فطرت نہیں۔ غرض ہندوستان پر حکمرانی کے قصے سنانے والوں میں ہم شامل نہیں۔ ہم تو تب بھی لٹتے رہے ہیں مگر لڑتے رہے ہیں۔ نادر شاہ نے حملہ کیا یا بقول وارث شاہ نادر شاہ پنجاب فتور پائے تو اس کا مقابلہ کیا۔

آیا نادر ڈھے پئی چادر
بابل نیویں دھون کڑے
گلیاں دے ککھ رون کڑے

بابل کی نیچی گردن کا تصور کرنے کے لیے پنجابی ہونا ضروری نہیں۔ اس کے بعد احمد شاہ دُرانی عرف ابدالی عرف شاہ اسلام نے پنجاب کو بار بار لوٹا اور اتنا لوٹا کہ بلھے شاہ نے کہا:

کھلا در حشر عذاب دا
برا حال ہو یا پنجاب دا

اور وارث شاہ نے کہا:

احمد شاہ وانگوں میرے مگر پے کے
لُٹ پُٹ کے چک دا تال کیتا

اس کو لوٹ مار کی وجہ سے پنجابی میں یہ کہاوت مشہور ہوگئی کہ:

کھادا پیتا لاہے دا
باقی احمد شاہے دا

یعنی جو کچھ ہے کھا پی لو ورنہ احمد شاہ لوٹ کر لے جائے گا۔

یہ سب کیسا ہے؟ جو لٹتے ہیں وہ مقابلہ بھی کرتے ہیں اور جو محفوظ فاصلے پر دِلّی میں بیٹھے ہیں اُن کو مغرب سے اُٹھنے والا غبار بھی کسی شاہ اسلام کا لشکر معلوم ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہے Bias کا جس کا ترجمہ میرے ذہن میں جانب داری ہے۔ دربار سے متعلق میراثیوں، بھانڈوں کرائے کے سپاہیوں اور طوائفوں کے کوٹھوں پر تہذیب سیکھنے والوں کا مفاد اور عوام کا مفاد ایک نہیں ہوسکتا اور تاریخ کے خالق تو عوام ہیں مگر ہمیں جو بکواس تاریخ کہہ کر پڑھائی جاتی رہی ہے۔ وہ شہنشاہوں کے قصوں اور قصیدوں پر مشتمل ہے۔ جو چیز دلی میں بیٹھ کر شمالی علاقوں میں شورش و بے چینی نظر آتی تھی وہ پاکستانی عوام کی خود اختیاری کی جنگ تھی اسی کو انگریزی محاورے میں کہتے ہیں۔ آپ باڑ کے کس جانب ہیں؟ دوسری چیز Perspective ہے۔ آپ کس بلندی سے جائزہ لیتے ہیں۔ آپ شاہی مسجد کے مینار پر کھڑے ہیں یا جی حضوری باغ میں؟ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء لاہور، حیدرآباد، پشاور، کوئٹہ والوں کے لیے آزادی کا دن ہے اور دِلّی والوں کے لیے بھارت ماتا کے ٹکڑے ہونے کا دن۔ یہی چیز پوری تاریخ میں نظر آتی ہے۔ ان دونوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہمارے ہاں تشخص کا بحران ہے!

کچھ لوگ اس حد تک تو آتے ہیں کہ ہم بھارتی نہیں مگر وہ ہمیں بھارت کا عکس یا سایہ بنا کر پیش کرتے ہیں، یہ ہیں دو قومی نظریے والے جو اُلفت نہ سہی نفرت ہی سہی کے مصداق ہمیں دِلّی سے نتھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ہے تشخص کا بحران!

یہ صحیح ہے کہ بھارت اور پاکستان دو علیحدہ علیحدہ ملک ہیں مگر پاکستان تو ایران اور افغانستان سے بھی علیحدہ ملک ہے۔ مُلکی تقسیم کو خواہ مخواہ مذہبی تقسیم کا رنگ دیا جاتا ہے۔ ہندو پانی مسلم پانی قسم کی تقسیم نئی نسل کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی کہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ دسہرہ دیوالی کیا ہے اور دو قومی نظریے کی ''نصف بہتر'' ہندو قوم پاکستان میں موجود نہیں ہے پھر اس نظریے کی بدولت آپ واہگہ بارڈر کا جواز تو ڈھونڈھ لیں گے طورخم اور نوشکی کی

سرحدوں کا کیا جواز ہے۔ طورخم کے دونوں جانب مسلمان پٹھان اور نوشکی کی دونوں جانب مسلمان بلوچ رہتے ہیں۔

یادش بخیر۔ اس نظریے کے علاوہ اُردو اور اسلام کو بھی ہمارا تشخص بتایا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ بات ۷۱۔۱۹۷۰ء کے بعد بھی کوئی سنجیدگی سے کہتا ہو کہ ان تینوں کی وہ دُرگت بنائی گئی ہے کہ خدا پناہ تشخص کے ضمن میں یہ نکات اب اس قابل نہیں کہ ان کو کسی علمی اور سنجیدہ بحث کا موضوع بنایا جائے۔ بقول اسحٰق محمد:

''قیامِ پاکستان کے لیے یہ موزوں نعرہ تھا اور اب۔۔۔رات گئی بات گئی'' اُردو کے سلسلے میں یہ غرض ہے کہ ہر زبان کا ایک استعمال ہوتا ہے، ایک ضرورت ہوتی ہے جس طرح پاکستان میں رہ کر امریکی اور برطانوی سامراج کی دلالی کے لیے انگریزی زبان ضروری ہے اور آکسفورڈ اور سینڈ ہرسٹ سے تعلق قابلِ فخر اسی طرح دِلّی اور دربار سے منسلکہ لوگوں کے لیے اُردو زبان ضروری تھی۔ پنجاب میں یہ زبان انگریزوں کی بنگال آرمی کے ہمراہ وارد ہوئی اور حاکموں کی زبان ٹھہری، آج بھی چھوٹے افسروں اور ہوٹل کے بیروں سے بات کرنے کے کام آتی ہے۔ اس کو یہاں کے لوگوں کی مادری زبان بنانے کی کوشش عبث ہے کہ مادری زبان کا مطلب ماں بولی ہوتا ہے۔ قوم تو عوام پر مشتمل ہوتی ہے اور ہمارے عوام کی غالب اکثریت کسان ہے۔ کسان اپنی ماں بولی کے علاوہ کوئی زبان نہیں جانتا۔ اپنی مادری زبان کا استعمال سُنتِ رسول ﷺ بھی ہے۔ ایک اور قسم کی زبان البتہ پاکستان میں پروان چڑھی ہے کہ جب بھی دو پاکستانی آپس میں ملتے ہیں تو ایک نئی طرح کی زبان تخلیق کرتے ہیں مثلاً ٹرک ڈرائیوروں کی زبان، اس کو آپ چاہیں تو اُردو کہہ لیں۔ اس زبان کا مزاج زیادہ عوامی ہے، درباری نہیں۔ یہ نئی اُردو پاکستان میں رابطے کی زبان بن سکتی ہے اور بن رہی ہے۔ اس بارے میں اسحٰق محمد نے کہا ہے:

''اُردو کو پاکستان کے لوگوں کی مادری زبان بنانے کی کوشش

سراسر جہالت ہے۔۔۔ یہ سالمیت (Integration) کی زبان بن سکتی ہے۔۔۔ اس کا تخیل لکھنؤ اور دلّی کے خاص خاص محلوں سے اٹھتا ہے اور ایران اور توران سے اس طرف کہیں Land نہیں کرتا۔ اس کے برعکس یہاں کی مقامی زبانوں کا ادبی اثاثہ اس دھرتی اور یہاں کے عوام کی محبت سے رچا بسا ہے۔ شاہ لطیف بھٹائی، سندھڑی، مہران اور یہاں کے محنت کشوں کی محبت میں سرشار ہے۔ یہی حال وارث شاہ، بُلھے شاہ اور خواجہ فرید کا ہے۔ خوشحال خاں خٹک نے بھی کھٹّی کے سوکھے پہاڑوں سے دیوانہ وار محبت کی ہے اور اس وطن کے گیت گائے ہیں، راوی، چناب اور مہران کا ذکر خود پاکستانی علاقے کے اُردو شعرا بہت کم کرتے ہیں، نہ ان کے ہاں سرسوں پھولتی ہے نہ چڑیاں چہچہاتی ہیں اور نہ پیلو کی محبت ہے۔ وہ گل و بیل سے نیچے ہی نہیں اُترتے۔۔۔ قوم کی نشاۃ ثانیہ عوام کے خمیر سے اُٹھے گی اور اس خمیر میں انگریزی کا کوئی جز و شامل نہیں اُردو کا البتہ ہے کیونکہ اُردو اور یہاں کی مقامی زبانیں، سب آپس میں بہنیں ہیں۔"

مجھے یقین ہے یہاں اُسی اُردو کی بات کی گئی ہے جس کا ذکر اوپر میں نے کیا ہے۔ پاکستانی اور عوامی اُردو۔

بات زبان کی شروع ہوئی ہے تو کچھ ذکر ثقافت کا ہو جائے۔ زبان لباس عمارات ادب وغیرہ ثقافتی مظاہرے کے پسِ منظر میں گہرے تاریخی اور سماجی عوامل ہوتے ہیں ناخن بڑھانا بظاہر ایک بے ضرر سا شوق ہے مگر اس کی تہہ میں یہ اعلان ہے میں برتن نہیں دھوتی اور سوئمبر میں شرکت کے متمنی شہزادگان کے لیے یہ وارننگ کہ مشتری ہوشیار باش۔ بہت تنگ یا بہت کھلے کپڑے بھی یہی ظاہر کرنے کے لیے ہیں کہ ان کپڑوں کے پہننے والے کو کام نہیں کرنا پڑتا۔ خضر حیات اور ہوٹل کے بیرے کی ایک جیسی پگڑیاں بلاوجہ نہیں ہیں اور یہ بات بھی غور طلب ہے کہ سبھی قسم کے دلّال ایک خاص قسم کی ٹوپی کیوں پہنتے ہیں۔ بُرقعے کا

استعمال غریب طبقے سے نچلے درمیانے طبقے کی طرف ترقی کا سمبل ہے۔ زبان کے استعمال میں بھی بہت سے معانی پنہاں ہیں۔ اپنے سے برتر کے ساتھ انگریزی، کمتر کے ساتھ اُردو اور برابر والے کے ساتھ پنجابی بولی جاتی ہے! ایمکار کبرال کہتا ہے۔

"ایک قوم ثقافتی طور پر آزاد صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ۔۔۔ وہ قوم خود اپنی ثقافت کو اُونچا لے جانے والے رستوں پر واپس پلٹ آئے اور جان لے کہ قومی ثقافت کی پرورش خود اپنے ماحول کی زندہ حقیقتوں کے تحت اور طفیل ہی ہو سکتی ہے اور غیر ملکی ثقافت کے غلبے اور نقصان دہ اثرات سے انکار قومی ثقافت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔۔۔ یہ صلاحیت ہونی چاہیے۔۔۔ کہ مثبت ثقافتی اقدار کا تحفظ کر سکے ایک ایسا سنگم بنا سکے جہاں یہ تمام خود مختار دھارے مل کر ایک نئی سمت کا تعین کر سکیں۔۔۔ ثقافت بھی ہمہ وقت پھیلتی اور ترقی کرتی رہتی ہے۔۔۔ ثقافت کو تاریخ کا پھل سمجھنا چاہیے۔۔۔ ہر ثقافت میں ہزار خوبیاں ہوتی ہیں، ہزار کمزوریاں، کچھ حسرتیں ہوتی ہیں، کچھ کامرانیاں، مثبت پہلو بھی ہوتے ہیں، منفی پہلو بھی۔۔۔ کچھ ترقی کے عناصر ہوتے ہیں، کچھ ٹھہراؤ اور تنزل کے۔۔۔ ترقی کی بنیادیں تعمیر کرتے ہیں۔ ثقافت کی منفی قدریں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔" ہم منفی پہلوؤں سے آنکھ نہیں چرا سکتے اُن کی نشاندہی لازمی ہے تاکہ اُن سے جان چھڑائی جا سکے۔ لال قلعہ تو ہم اپنے ساتھ لا نہیں سکے اور یہ امر مجبوری بھارت کو الاٹ کر دیا ہے مگر کچھ لوگ ابھی تک اس پر جھنڈا لہرانے کو تیار رہتے ہیں۔ کچھ چیزیں ہم ساتھ لے آئے ہیں جن میں سے منفی چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دینی چاہئیں ان سے چمٹے رہنا بھی بحران کا سبب ہے!

مثلاً ہیجڑوں کا ناچ ہے جس کو ہم اسلامی ہند کا تحفہ سمجھ کر قبول کر سکتے اور نہ ہی ہمیں اُردو شاعری کے قصیدوں کو گلے سے لگانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس صنف کو جس میں خطِ رُخسارِ دوست یا عطار کے لونڈے کی باتیں ہیں یا ہندی بچہ ای ہیں چہ حسن دھرے چھے کا ذکر ہے یعنی عاقل و بالغ شعرا اساتذہ کا نابالغ لڑکوں سے عشق۔

رہے ثقافت کے مثبت پہلو تو وہ برقرار رہتے ہیں اور مختلف تہذیبیں ایک دوسری پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسلام کی آمد سے پہلے بھی ان علاقوں میں بدھ مت کے زیرِ اثر احرام باندھنے اور سر منڈانے کا رواج تھا۔ تسبیح اور اعتکاف، مدرسے اور حجرے موجود تھے۔ ذات پات نہ تھی۔ اس لیے ان علاقوں میں اسلام کو بہت قبولیت حاصل ہوئی۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش ہی وہ علاقے ہیں جہاں ہندوستان سے دیس بدر ہونے کے بعد بدھ مت ٹکا رہا۔ ان علاقوں پر بار بار کے بیرونی حملے بھی اس کی ایک وجہ ہیں کہ تلوار سے بڑی تو کوئی ذات نہیں ہوتی اس لیے برہمن کی ذات پات یہاں نہ چلتی تھی۔ اسی لیے برہمن کا دھرم ان علاقوں میں آنے سے بھرشٹ ہوتا تھا۔ آج کا پاکستان یا پاک ملک برہمن کی نظر میں ناپاک ملیچھ ملک تھا۔ جب داہر کے باپ نے جو برہمن تھا یہ ملک فتح کیا تو مقامی آبادی اس پر خوش نہ تھی۔ اسی لیے محمد بن قاسم کے حملے کے وقت اس کا ساتھ دیا۔ ویسے بھی اس علاقے کے لوگوں نے ہمیشہ ترقی پسند سوچ کا ساتھ دیا۔ برہمن کے مقابلے میں بدھ مت کا اور بعد میں اسلام کا ملائیت کے مقابلے میں صوفی ازم کا اور پھر ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کا مشترک نفسیاتی پس منظر بھی تشخص کے معاملے میں بہت اہم کام ہے۔ پاکستان کے علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت کا اس حقیر سی مسلمان اقلیت سے مقابلہ کریں جو دلی کے اردگرد کے علاقے میں سات سو سال کی مسلمان حکومت کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ:

''سماج کا اندرونی معاشی اور سماجی ارتقا ہی دراصل تاریخی عمل کی رُوح ہے۔ یہ ارتقا ہی یہ تعین کرتا ہے کہ کسی اور تہذیب کا کون سا رُخ شامل ہو سکتا ہے یا کس طرح کا اثر ڈال سکتا ہے۔ ایسے اندرونی ارتقاء کے بغیر کسی قسم کے ثقافتی اثرات کو جذب کرنا ممکن نہیں ہوتا''

(پیپلز آف پاکستان گنکوسکی ص ۳۱)

کھدائیوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہڑپہ تہذیب کے دور میں یہاں مختلف نسلیں آباد

تھیں جو بنیادی طور پر دراوڑ نسل سے متعلق تھیں۔ مختلف نسلوں کا بیک وقت ایک تہذیب کے دائرے میں رہنا اس علاقے کی ایک صفت معلوم ہوتی ہے۔ آریاؤں کے آنے اور چلے جانے کے بعد گندھارا تہذیب کے دور میں جو مختلف نسلی گروہ یہاں آباد تھے وہ بنیادی طور پر وہی تھے جو ہڑپہ تہذیب کے دور میں۔ یہ نسلی، رنگا رنگی، بنیادی وحدت کے ساتھ آج بھی برقرار ہے۔

سائنسی مطالعے کا ایک بنیادی طریقہ یہ ہے کہ موضوع زیرِ بحث کا صحیح تعین کرتے ہیں اس کو Definition یا تعریف کہتے ہیں۔ قوم کی بہترین تعریف میری نظر میں سٹالن نے کی ہے۔ ترمیم پسند سوشلسٹوں سے معذرت کے ساتھ سٹالن کہتا ہے۔

''قوم انسانوں کے ایسے پائیدار مضبوط گروہ کا نام ہے جس کے ارتقاء عروج میں تاریخ نے ہاتھ بٹایا ہو اور جس کے اندر (الف) اشتراکِ زبان (ب) اشتراکِ ارض (ج) اشتراکِ معاش اور (د) مشترک نفسیاتی ساخت ہو جس کا اظہار تہذیبی اتحاد و اشتراک میں ہوتا ہے۔'' اس نے ان اجزاء کے لیے اجزائے لاینفک کا لفظ استعمال کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں نے جو معروضات پیش کی ہیں اُن کی رُو سے ہم ایک قوم کی تعریف پر پورے اُترتے ہیں۔ اشتراکِ ارض کی شرط ۱۹۷۱ء میں پوری ہو گئی ہے۔ ویسے بھی چوہدری رحمت علی کے تصور میں جو پاکستان تھا اس میں بنگال شامل نہ تھا۔ ایران اور افغانستان البتہ شامل تھے۔ علامہ اقبال نے بھی انہی علاقوں پر مشتمل پاکستان کا مطالبہ کیا تھا جو آج ہمارے ملک میں شامل ہیں (عمانستان وغیرہ کا ذکرِ خیر نہ تھا۔) پاکستان ریزولیشن میں بھی ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں ریاستوں کا مطالبہ تھا جو ۱۹۷۱ء میں پورا ہو گیا۔ اب ہم پاکستان کا تشخص ماہ و سال کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

آج سے ۵ لاکھ سال قبل مسیح

پوٹھوہار کے علاقے میں، ضلع راول پنڈی میں، سوان وادی میں اور دریائے جہلم

اور دریائے چناب کے کنارے انسان کی موجودگی کے ثبوت ملے ہیں۔ جدید پتھر کے زمانے میں سائنس دانوں کے کہنے کے مطابق مقامی قسم کی انسانی تہذیبوں کا ظہور ہوا اور گین کوفسکی کا کہنا یہ ہے کہ اس زمانے کے جو آثار پنجاب میں ملے ہیں وہ باقی ہندوستان سے مختلف ہیں۔

۶۰۰۰ سال قبل مسیح

برصغیر کے پتھر کے زمانے کی معراج کہا جا سکتا ہے۔ وہ خطے جہاں قدرت مہربان تھی۔ وہاں کاشت شروع ہو چکی تھی۔ لوگوں نے برتن بنانے شروع کر دیے تھے اور بھیڑیں، بکریاں اور کتے پالنے شروع کر دیے تھے۔ اس کو منقش ظروف سازی کی تہذیب بھی کہتے ہیں اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں یعنی آج کے پاکستان میں یہ تہذیب پورے عروج پر تھی۔ گن کوفسکی کے کہنے کے مطابق یہ سارا علاقہ ایک تہذیبی اور تاریخی وحدت تھا۔ کوٹ ڈیجی میں اس تہذیب کے آثار ملے ہیں۔ اس زمانے میں وادیوں میں کاشت ہوتی تھی۔ پتھر کے بنے ہوئے بند بھی ملے ہیں۔ کاشت آہستہ آہستہ بڑھتی رہی یہاں تک کہ فاضل پیداوار ہونے لگی جس نے شہروں کے قیام کو ممکن بنایا۔ اسی علاقے میں کوئٹہ، امری نال اور کلّو کی چھوٹی چھوٹی تہذیبیں وجود میں آئیں جن کے ماحول میں ایک وسیع تر تہذیب پروان چڑھی۔

۲۵۰۰۰ سے ۱۵۰۰ق م

ہڑپہ تہذیب، شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً تقریباً ۱۱۰۰ کلومیٹر، دجلہ و فرات اور نیل کی تہذیبوں سے زیادہ وسیع۔ باقاعدہ نقشے کے مطابق بنے ہوئے دُنیا کے پہلے شہر، پورے علاقے میں ایک سی تہذیب ایک حکومت اور اس کے باقیات تقریباً سارے کے سارے آج کے پاکستان کے علاقے میں ملے ہیں۔ یہ ہے پاکستان آج سے ۵۰۰۰ سال پہلے اس علاقے کا نام پست سندھو ہے یا سات دریاؤں کی سرزمین، رزق کی فراوانی، اتھر وید میں لکھا ہے ”سلام اس دھرتی کو جہاں غلہ اور چاول اور جو میسر ہیں جہاں پانچ قومیں آباد ہیں“

یہ وہ دن ہیں جب دنیا میں پہلی بار اس علاقے میں سوتی کپڑا بنا گیا جس نے سندھو نام پایا۔ موہنجوڈرو کی آبادی ایک لاکھ تھی۔ یہ سندھو کا شہر جہاں کہنیوں تک کپڑے پہننے، ماتھے پر تلک لگانے، گلے میں سیاہ پوتھ پہنے، کندن کے رنگ والی سہاگنیں شیو درگا دیپ لکشمی اور پیپل کی دیوی کی آرتی اتارتیں۔

۱۵۰۰ق م

”سندھو کے کنارے بسے ہوئے شہروں پر اللہ کا قہر ٹوٹا“ آریاؤں کا حملہ شروع ہو گیا۔ علاقہ تو آریاؤں نے فتح کر لیا مگر ہڑپہ کی برتر تہذیب نے آریاؤں کو فتح کر لیا۔ ۵۰۰ ق م تک یہ حملے جاری رہے مقابلہ بھی ہوا اور اس قدر ہوا کہ آریا گنگا جمنا کی وادی کی طرف جانے لگے اور وہاں جا کر اپنا ذات پات کا نظام بنایا۔ ہمارے علاقے نے یہ نظام نہ اپنایا۔ اس لیے یہ علاقہ بعد میں بھرشٹ قرار پایا۔ ہندوؤں کا کوئی تیرتھ اس علاقے میں نہیں ہے حالانکہ یہیں پہلا وید جو دنیا کی پہلی مذہبی کتاب ہے، لکھا گیا یہیں دنیا کا پہلا گرامیرین پاننی ہوا۔ آریائی آ کر چلے گئے مگر علاقے کی تہذیبی بنیادیں برقرار رہیں۔ زبان بھی بنیادی طور وہی رہی اور نسلی گروہ بھی وہی ویدوں میں ۱۰۰۰ق م سے ۵۰۰ ق م کے زمانے میں اس علاقے میں غیر آریائی قبیلوں کے وجود کے شواہد ملے ہیں۔ مثلاً دوآبہ رچنا میں مدرا قبیلہ۔

۵۰۰ق م

شمال مغربی پراکرت یا گندھارا زبان بولنے والے قبیلوں اور قومیتوں کا ایک گروہ ہندوستان کے شمال مغرب یعنی پاکستان میں وجود میں آ رہا تھا۔ مدھیا دیشی میں ایک علیحدہ زبان وجود میں آ رہی تھی۔ جو شمال مشرقی علاقوں کے درمیان حدِ فاصل کی طرح ہے۔ یہ ہے تشخص پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش کا۔ یہ علاقہ ایران کی کیانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس سلطنت کے ہندوستانی صوبے کے بارے میں جو تحریریں ملی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صوبہ آج کے پاکستان پر محیط تھا۔ اسانٹری اسے سندھا کہتے تھے۔

۴۰۰ق م

پاکستان نے کیانی سلطنت سے آزادی حاصل کر لی۔ بیرونی اثر مقامی تہذیب کو ختم نہ کر سکا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسی ماحول میں پانِنی نے دنیا کی پہلی گرامر لکھی اور اس علاقے میں پہلی یونیورسٹی پروان چڑھی۔

۳۲۶ق م

سکندر یونانی کا حملہ۔ اس نے اس کو علیحدہ ملک تصور کیا۔ شمال مغرب میں سوات سے داخل ہوا اور اس کی مشرقی سرحد یعنی بیاس تک گیا پھر ملتان کے رستے کراچی کے قریب تک گیا اور بلوچستان کے رستے واپس چلا گیا۔ بقول وہیلر ''یہ تھا پاکستان سکندر کے دنوں کا اور یہی ہے پاکستان آج کا'' سکندر کے جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی چندر گپت موریہ نے یونانیوں کا اقتدار ختم کر دیا۔ چندر گپت راولپنڈی کا رہنے والا تھا مگر حکومت کا مرکز بھارت میں لے گیا۔ ۲۷۳ سے ۲۳۶ ق م تک اشوک کا دور آیا جس نے بدھ مت قبول کر لیا اور یہ بدھ دور تھا جس کا مرکز یہی علاقہ تھا۔ اشوک کے مرنے کے بعد یہ علاقہ آزاد ہو گیا۔ تیسری صدی ق م کے اختتام پر اس علاقے میں ایک آزاد حاکم سبھاگ سین کی حکومت تھی اور اس کا دارالحکومت گندھارا تھا۔

۱۰۰ تا ۵۰۰ عیسوی

ساکا اور کشان حکومت قائم ہوئی۔ یہ آزاد علاقہ ہندوستان کے ماتحت نہ تھا بلکہ اس کے برعکس بہت سے علاقوں پر اس کی حکومت تھی۔ حکومت کا مرکز پرش پورہ یا پشاور تھا جے سوال کی تاریخ ہند میں لکھا ہے ''پھر ملیچھوں کی حکومت آئی جو کشانوں کی حکومت تھی سندھ کے کنارے'' یہ گندھار تہذیب کا دور ہے۔

۵۰۰ تا ۶۰۰ء

پشاور ہند میں شامل نہ تھا۔ ہندوستان کی گرمار اپرتی ہار اسلطنت کا حصہ نہ تھا۔ نہ

ای گپت کی اور نہ ہی ہرش کی حکومت کا حصہ تھا۔ چندر گپت کی حکومت جو اشوک کے بعد سب سے بڑی تھی، میں کشمیر شامل نہ تھا، نہ ہی ستلج کے پار اس نے جانے کی کوشش کی''

۷۱۲ سے ۱۰۱۰ء

پہلے اُمیہ سلطنت کا حصہ رہا پھر عباسی سلطنت کا۔ پھر آزاد یہ بالکل علیحدہ ملک تھا۔ سکندر کی طرح محمد بن قاسم اور اس کے جرنیلوں کی فتوحات بھی پاکستان تک محدود تھیں۔ بقول عبداللہ یوسف علی ''دریائے سندھ کے دہانے سے کشمیر تک'' بعد میں عرب راج، سندھ، بلوچستان، بہاولپور تک محدود ہو گیا۔ شمالی پنجاب اور سرحد آزاد راجاؤں کے تحت تھے۔ بھارت کے ماتحت نہ تھے۔ ''دویا کی قدیم ہندوستان کی تاریخ'' میں لکھا ہے:

> ''عرب لکھاریوں کے نزدیک ہندوستان ہمیشہ ہند اور سندھ میں تقسیم رہا ہے۔ سندھ جہاں محمڈنوں نے فتح کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی۔ ہندوستان سے علیحدہ ہے۔''

البیرونی نے لکھا ہے:

''اگر ہند جانا ہو تو براہ کابل جائیں اور اگر سندھ جانا ہو تو براستہ بجستان'' وہ لاہور کو ہندوستان کی شمالی حد، کہتا ہے۔ کراچی کی بندرگاہ کو ابنِ بطوطہ نے لاہورانی لکھا ہے۔ جو پنجاب اور سندھ کی بندرگاہ ہے۔ محمد علی کوفی نے تاریخ ہندوسندھ لکھی۔ البیرونی بحیرہ عرب کو سندھ ساگر کہتا ہے۔

۱۰۱۰ تا ۱۱۸۷ء

کو غزنوی دور کہہ سکتے ہیں۔ سلطنت کا مرکز غزنی تھا۔

۱۲۱۰ء

قطب الدین کی موت۔ پاکستان نصیر الدین قباچہ کے تحت بیس سال سے زیادہ آزاد رہا۔ حکومت کا مرکز بہاولپور میں اُچ تھا۔

مسلمان اور برطانوی سلطنت کا حصہ۔ جس میں جنوبی ایشیا کے بہت سے ملک شامل تھے۔ اس دوران پاکستان کے بہت سے حصے بار بار آزاد ہوتے رہے۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں یہ علاقے آزاد تھے۔ بدقسمتی سے ہماری محکومی کی صدیاں ہی وہ تاریخی دور ہے جس میں دنیا کی قوموں کی جدید سیاسی معنی میں تشکیل ہوئی، مگر ہم اس عمل سے نہ گذر سکے۔ کبرال کہتا ہے کہ نوآبادیاتی نظام میں محکوم عوام کی تاریخی نشوونما ملیامیٹ ہو جاتی ہے اور یہ ہمارے تشخص کے بحران کا سب سے بڑا سبب ہے۔ مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں پاکستان کے قومی تشخص کے بحران کا حل یہ ہے کہ ہم اشتراک ارض کے عنصر کو دھیان میں رکھیں۔ اپنی دھرتی کو جانیں، پہچانیں، خلاؤں سے اُتر کر اس پر اپنے پیر جمائیں، اس سے پیار کریں یائے نسبتی کو چھوڑ کر اسی دھرتی کے باسی بننے کی کوشش کریں۔

اشتراکِ زبان کو ذہن میں رکھیں اور علاقائی زبانوں کے ملاپ سے بننے والی زبان کو فروغ دیں اور انگریزی وغیرہ سے جان چھڑائیں۔ اشتراکِ معاش کو ذہن میں رکھیں اور اپنی قومی معیشت کی تعمیر کریں جو سبھی افراد قوم کو باعزت روزگار مہیا کر سکے اور ہمیں ساری دنیا سے بھیک مانگنے کے عذاب سے بچا سکے اور یہ کہ ہم مشترک نفسیاتی ساخت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک قومی عوامی جمہوری اور سائنسی ثقافت کی تلاش کریں۔

جو قومی ہو یعنی سامراج دشمن ہو
جو جمہوری ہو یعنی جاگیردار دشمن ہو
جو عوامی ہو یعنی سرمایہ دار دشمن ہو

اس ثقافت کی ترویج کی جائے اور اس کو ترقی دی جائے۔ پاکستانی قوم کی اس نئی ثقافت کی ترویج و ترقی ہمارا مقدس فریضہ بھی ہے۔ تاریخی جبر بھی ہے۔ ہماری بقا کا جواز بھی ہے اور ہمارے جملہ مسائل کا حل بھی ہے۔

OOO

بھگت سنگھ

اج تریوی مارچ اے۔ بھگت سنگھ نوں یاد کرن دا دن
اسیں لائل پور والے جنھوں ہن فیصل آباد کہندے نیں
خوش قسمت ہاں جو بھگت سنگھ ساڈے ضلعے چ جمیا سی۔ میجر اسحاق محمد تے بھگت سنگھ دے گھر نوں جان والی جڑانوالہ روڈ اکوای اے۔

ایہو جہے بندے، ایہو جہی دھرتی وِچ ای جمدے نیں۔ اج انجم سلیمی تے گرمیت سنگھ دے سدے تے میں حاضر ہویاں تے دوگلّاں وی کرساں۔ میں ہن تک بھگت سنگھ دے ناں دے کٹھ وی جاندا رہیاہاں۔ وجہ میں اَج تہانوں دسداہاں۔

انگریز سرکار نے بھگت سنگھ نوں دہشت گرد کہیا سی تے اسیں انگریز دے آکھے نوں حدیث سمجھدے ہاں۔ ساڈے انقلابی۔۔۔ جیہڑے ہڈوں رومانی لوک نیں۔۔۔ انجم سلیمی نہیں، انجم رومانی نیں۔۔۔ بھگت سنگھ نوں انقلابی دی تھاں دہشت گرد کہہ کے اوس نوں وڈیاندے ہن۔

میں یاراں، دوستاں نال سنگ پھسان دی تھاں ایس بحث نوں ٹال جانداہاں۔

بھگت سنگھ انقلابی پارٹی دا بندا سی تے انقلاب دے راہ تے چل رہیا سی۔ ایہہ وکھری گل اے کہ انقلاب، ماؤ دے اکھان موجب کشیدہ کاری نہیں۔ میل گھول۔۔۔ طبقاتی جنگ۔۔۔ وِچ ہتھیار بند جدوجہد دی ضروری ہندی اے۔ کیونجہ، ظالم حکمران طبقہ، صلح صفائی نال چوری دا مال نئیں پرتاندے۔

دہشت گردی جے کوئی کردا وی ہے تے ایہہ حکمران طبقیاں دے فیدے لئی ہندی اے۔ اوہناں نوں جواز مل جاندا اے، طبقاتی ظلم ودھان دا۔

لینن نے اپنے پیواں ورگے وڈے بھرا دی نندیا کیتی سی کیونجہ اوس زار تے حملہ کیتا سی۔ نتیجے دے طور مورے کنے انقلابیاں نوں پھانسی ہوئی تے کنے سائبیریا گھلے گئے۔

آپوں بھگت سنگھ آکھیا اے۔

''مینوں پورے زور نال ایہہ اعلان کرن دیو کہ میں Terrorist نئیں تے نہ کدی ساں، میرے شروع دے انقلابی کیریئر تو کجھ لوکاں نوں ایہہ شک ہے سی۔

میں پورے یقین نال کہناہاں جو اوہناں طریقیاں دا سانوں کجھ فیدہ نہیں لبھ سکدا۔

تسیں ہندوستان سوشلسٹ ریپبلکن ایسوسی ایشن دی تاریخ توں ایہہ اندازہ لا سکدے او۔

ساڈی ساری جدوجہد دا اکو ای مقصد سی جو اسیں عظیم انقلابی تحریک نال اوہدی مسلح ونگ دے طورر جڑ جایئے۔

جے کسے مینوں غلط سمجھیا ہے تے ہن اوہ اپنا خیال بدل لوے۔ میں ایہہ تے نہیں کہندا کہ پستولاں تے بمب بے فیدہ ہوندے نیں۔ اُلٹا ایہہ ڈھیر فیدہ مند ہندے نیں۔ میں ایہہ کہنا چاہندا ہاں کہ نرا بمب سٹنا بے کار ہے بلکہ کدی کدائیں نقصان دیندا اے۔ پارٹی دے ملٹری ونگ نوں ہمیشہ جناں اسلحہ مل سکے، ایمرجنسی لئی تیار رکھنا چاہی دا ہے تے ایہناں نوں پارٹی دے سیاسی کم وِچ ہتھ پوانا چاہیدا اے۔ ایہہ پارٹی توں وکھ اپنا کم نئیں کرسکدا تے ناں

ای اینوں کرناں چاہی دا ہے۔''

اِک دُوجا اکھان اج ادیباں، شاعراں تے انقلابیاں دے کھڑ وِچ پڑھن جوگ ہے۔

''میں زور دے کے ایہہ گل آکھناں کہ میں اُمید تے اُمنگ نال بھریا ہویا ہاں، زندگی دے حسن دا موہ مینوں بہت ہے پر لوڑ پین تے میں ایہہ سب کُجھ چھڈ سکداں۔۔۔ ایہوای قربانی ہے۔''

تشدد ہمیشہ ریاست ولوں ہندا ہے۔ عوام اوس دا مقابلہ کردے کردے جت جاندے ہن تے ویریاں نوں مار بھجاندے ہن۔

آؤ اج اپنے شہیدنوں یاد کرنے ہاں تے آپو اپنے گریبان وِچ جھاکیے۔

آؤ ایہہ وی ویکھیے شہید کون ہے۔

شاہ حسین آکھیا:

شاہ حسین شہادت پائیں
جو مرن متراں دے اگے

ooo

حسن ناصر کا راستہ

ے ایسے ناداں بھی نہ تھے جاں سے گزرنے والے
ناصحو، پندگرو، راہ گذر تو دیکھو

ایوب خاں کے مارشل لاء میں سندھ کی کمیونسٹ پارٹی کے جوائنٹ سیکرٹری کو قلعۂ لاہور میں شہید کر دیا گیا۔ ایک اور نو آموز کمیونسٹ وکیل، میجر اسحاق محمد نے حسن ناصر کا مقدمہ لڑا، تاکہ شہید کے ماتھے سے خودکشی کا داغ، وہ الزام جو اس کے قاتلوں نے لگایا تھا، دھل جائے۔

اس مقدمے کے دوران، ریاست کے مختلف بازوؤں، انتظامیہ اور عدلیہ کا کردار جیسا نظر آیا اسے میجر اسحاق محمد نے 'حسن ناصر کی شہادت' نامی کتاب میں بے کم وکاست بیان کر دیا۔

آج کا دور ہوتا تو میجر صاحب کو یہ تردّد نہ کرنا پڑتا۔ اب تو عوامی جگہوں پر بم پھینکنے والے، سر بازار، بچیوں کے سکولوں میں، بسوں میں ۔۔۔ یعنی ان جگہوں پر جہاں حکمران طبقات کے کسی فرد کی موجودگی کا امکان نہ ہو۔۔۔ ایسی جگہوں پر بم سے خودکشی کرنے والے

بھی شہید کہلاتے ہیں۔

صحیح نظریے کی اہمیت، آج سے زیادہ کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ شاعر سوال کرتا ہے۔

ناف کو چھوتی جہاد پیشہ زبانیں
اسلحہ پرستوں کی نمائندگی پر کمر بستہ ہیں
زندگی
محبت
اور آزادی کا نمائندہ کون ہے؟

ظاہر ہے کہ وہی جو عوام میں سے ہے، عوام کا ہے، طبقاتی طور پر باشعور ہے، سیاست اور مذہب کے پیچھے طبقاتی مفادات کی سمجھ رکھتا ہے۔ حکمران طبقات کے ہذیان کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ پسے ہوئے طبقات کے مفادات کا نگہبان ہے اور انہی میں کام کرتا ہے۔ عوام میں ملنے کے نام پر نظریاتی دھندلاہٹ (کنفیوژن) کا شکار نہیں ہوتا۔

1917ء کے عظیم اکتوبر انقلاب کے بعد سے انسانی سماج اور تاریخ، مکمل طور پر بدل چکے ہیں۔ مظلوم طبقات کے جبلی غصے کی جگہ باشعور انقلابی جدوجہد نے لے لی ہے۔ حکمران طبقات بھی، جدلیاتی طور پر اتنے ہی چالاک ہو گئے ہیں اور محکوم طبقات کو مذہب اور ملک کے نام پر لڑانے میں زیادہ ماہر۔

جب روس میں 1917ء کا دھرتی دہلا دینے والا انقلاب ہوا تو لینن کے پاس کسی خدا کا کوئی پروانہ نہ تھا، وہ تمام عمر حقائق سے صداقت کی تلاش کرتا رہا جو اس کی مادی جدلیاتی نظریے کا مغز ہے۔ اس کے ساتھی بھی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس نظریے کی روشنی میں حالات کی توجیح کرتے رہے اور علاج تجویز کرتے رہے۔ ان سبھی کی آپس میں بہت بحثیں ہوئیں۔ شدید اور اکثر اوقات تلخ مگر کسی نے کبھی کوئی آسمانی حوالہ نہ دیا۔ انسانی زندگی، انسانی سماج، انسانی سوچ، مفادات اور جذبات کے حوالے سے بات کی۔ اسی سے تمام مسائل کو

سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کی۔ تمام مباحث میں کوئی دور از کار دلیل استعمال نہ کی گئی۔ کسی جگہ کسی معجزے کا ذکر نہیں۔ معجزہ جو جاگیرداری سماج سے مخصوص ہے۔ اسی لیے مارکس نے جاگیرداری دور کو انسان کا حیوانی دور کہا ہے۔ (Zoology کا لفظ استعمال کیا ہے)

آج کہ پاکستانی سوشلزم ایک ویرانے کا منظر پیش کرتا ہے بعض لوگ حسن ناصر کا راستہ چھوڑ کر عوام میں گھلنے ملنے کے نام پر دہشت گردوں کے انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں۔ قبائلی اور بلوچ سرداروں کی حمایت کے جواز تلاش کرتے ہیں۔ انہیں سامراج دشمنی کا میڈل عطا کرنے پر تلے ہیں۔

پرولتاری پارٹیاں لاکھ کمزور سہی، پرولتاری نظریے کے بغیر آج کے دکھوں کا دارو ممکن نہیں۔ حسن ناصر نے تمام عمر اسی نظریے سے وفا کی۔ اسی کی راہ نمائی میں جدوجہد کی، اپنے طبقے سے غداری کی، اس کی سوچ سے بغاوت کی۔۔۔ انقلابی سوچ اور انقلابی عمل پر کاربند رہا۔

اس میں بہت سے اسباق ہیں سمجھنے والوں کے لیے۔۔۔ کوئی جہالت محترم نہیں ہوتی، حتیٰ کہ عوامی جہالت بھی۔ عوام کی جہالت کے احترام میں عوام دشمن رواج اور تہذیبی رویے اور مذہبی شعائر مقدس نہیں ہو جاتے۔ ان سب کو رد کرنا ہی انقلاب اور انقلابی سوچ ہے۔ سرداروں کی سرداری عورتوں کا کمتر مقام، مذہبی برتری، علاقائی تفاخر، قومی عصبیت، ملکی منافرت۔۔۔ کوئی بھی تو محترم اور مقدس نہیں۔ سب کو رد کرنا ضروری ہے۔ عوام کی غلط سوچ کی حد تک گرنا، انقلابی رویہ نہیں ہے۔ عوامی سوچ کی تعلیم و تہذیب، مسلسل انتھک کام کے ذریعے، عوام میں گھل مل کر یہی انقلابی کام اور انقلابی جدوجہد ہے۔ اس نہج پر کام کرتے ہوئے، اس راہ میں 'جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری' کے مصداق جان لٹانا ہی شہادت ہے۔ مانگے کے بموں سے نہ شہادت ملتی ہے، نہ انقلاب۔ انقلاب ڈرامہ اور شعبدہ بازی نہیں۔ طبقاتی مفاد، طبقاتی منافرت، طبقاتی جدوجہد بنیادی اجزا ہیں انقلابی جدوجہد کے۔ مگر

بقول قیوم ناصر:

'نفرت کا جواز میری اور تمہاری مٹھیوں میں ہونا چاہیے'

اس جواز کے بغیر، اس نظریے کے بغیر، ہزاروں سال کی غلام بغاوتیں اور کسان بغاوتیں کس کام آئیں، لاکھوں مارے گئے، ظالموں کے ہاتھ مزید مضبوط ہوئے، غلام داری کی جاگیرداری میں تبدیلی نے ہزاروں سال لیے اور جب جاگیرداری آئی تو اس نے اس طرح پیر جمائے کہ ابھی تک جانے کا نام نہیں لیتی، اس کا نظریہ اتنا مضبوط ہوا کہ محکوموں کے دل میں اس کا تقدس اور دبدبہ گھر کر گیا۔ ظالموں کے ظلم کو قدرت کا قانون کہا اور مانا گیا۔ صحیح نظریے کی رہ نمائی کے بغیر، عراق جیسے ملکوں میں بہنے والا غریب کا خونِ رائیگاں، خون کے آنسو رُلاتا ہے۔

یورپ کے مزدور نے چار سو سال کی جدوجہد میں سرمایہ دار سے مل کر جاگیرداروں اور اس کے خداؤں کو شکست دی۔ ان کے کچھ خدا، کونوں کھدروں میں دبکے رہے۔ باقی ماندہ، جاگیرداری سماجوں میں ابھی تک دندناتے پھر رہے ہیں۔

اور پھر جدلیات کے قوانین کے تحت، سرمایہ داری سے متاثر پرولتاریہ نے سرمایہ داری سے نجات کی جدوجہد شروع کی جس کو مارکس اینگلز جیسے نظریات دان مل گئے۔ لینن جیسے رہنما اور ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

اب سوشلزم کی وقتی پسپائی نے رجعت پسندوں کو یہ موقعہ دیا ہے کہ اپنی اپنی جہالت کی نشاۃِ ثانیہ کا ڈھونڈورا پیٹیں مگر

ع زمانوں کے قدم واپس پلٹنے کو نہیں اُٹھتے

(غلام حسین ساجد)

یہ ہے وہ ایمان جس کی ضرورت ہے، جو انقلابی جدوجہد کا راہ نما ہے، جو علم اور سائنس کی روشنی سے منور ہے۔ جس میں لحظہ بہ لحظہ ترقی کی گنجائش اور ضرورت ہے۔ جس کی

مقدس ضیا میں حسن ناصر چلا، اس کے قدم نہ ڈگمگائے، اس کا ایمان نہ ڈولا، اس کا ایقان متزلزل نہ ہوا حتیٰ کہ شہادت کو چھولیا۔

انقلابی جدو جہد اور شہادت کارِ طفلاں نہیں۔ انسانیت کی معراج ہے۔ اور اب

نئی رت آگئی ہے
روشنی کی فصل پکنے دو
یہی روشنی ہماری رہنمائی کرے گی

رجعت کے شیاطین اندھیروں سے پکارتے ہیں۔ انہیں نظر انداز کرنے میں ہی ایمان کی سلامتی ہے۔ ڈھنڈورچی تو بس ڈھنڈورچی ہوتے ہیں۔ علم اور انقلاب، سنجیدہ ذہن اور ایمان کی پختگی مانگتے ہیں۔ مسلسل اور طویل جدو جہد۔۔۔شام سے پہلے کیش کروانے کی خواہش، انقلابی جدو جہد نہیں، حکمران طبقات کی دہاڑی داری ہے۔

ہمارے لیے تو جدلیاتی مادیت کا علم، میجر اسحاق محمد کا انقلابی عمل اور حسن ناصر کی استقامت اور شہادت راہ نما ہیں۔

حسن ناصر زندہ باد

OOO

فیضؔ اور عصرِ حاضر

عصرِ حاضر کیا ہے؟ تخلیق کاروں سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ فیضؔ ان سے کیسے عہدہ برآ ہوا۔۔۔ (عصرِ نو، عصرِ حاضر، عصرِ جدید اور عہدِ جدید کو میں نے مترادفات کے طور پر استعمال کیا ہے)

ماؤ کا ایک مصرع ہے:

"عظیم انسان ڈھونڈنے ہوں تو عصرِ حاضر سے لو لگاؤ"

اس کی تفسیر یہ ہے۔

متقدمین کا تمام علم اور تجربہ متاخرین کی دسترس میں ہوتا ہے۔ جس سے وہ مستفید ہوتے ہیں۔ بچہ، باپ کے کندھے پر کھڑا ہو کر باپ سے لمبا ہو جاتا ہے۔ فیضؔ کی عظمت کے اجزائے ترکیبی میں یہ عنصر شامل ہے۔

عصرِ حاضر بیسویں صدی سے عبارت ہے۔ 9 سال اور جمع کر لیں۔ یہی زمانہ ہے سرمایہ داری کے عروج کا سامراج کے قیام کا اور یہی زمانہ ہے سرمایہ داری کی شکست کا۔ عوام نے اپنی خام قوت اور جدید خیالات اور نظریات کے بل بوتے پر ظالمانِ جہاں کو شکست

دی ہے۔

اقبالؔ نے ’کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ‘ کی حسرت کا اظہار کیا۔ فیضؔ کہ سدا کار جائی ہے۔ کہا:

اجنبی ہاتھوں کا بے نام، گراں بار ستم
آج سہنا ہے، ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے

عصرِ حاضر یا عصرِ نو یا عصرِ جدید، ادب میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی روایت کا دور ہے۔ اس روایت کا مغز ہے۔

Subject یعنی موضوع پر زور، راوی کے روایت کرنے کے اسلوب سے احتراز، جنسی تفریق سے حذر کیا نظر آتا ہے کی بجائے، نظر کیسے آتا پر زور مؤخر الذکر کے بطن سے ساختیت اور مابعد ساختیت وجود میں آئیں۔

قدیم یونانیوں کی طرح فلسفیانہ سطح پر دنیا کو سمجھنے کی تڑپ، بنے بنائے گھڑے گھڑائے نظریات سے انکار۔ الغرض یہ ہیں 20ویں صدی کے خیالات بالخصوص مغربی دنیا کے۔ ان میں وکٹورین محاکمات کا انکار ہے۔ آرٹ ایسا ہونا چاہیے، ویسا ہونا چاہیے کا انکار ہے۔ اس چاہیے کو دیس نکالا ملا۔ اس لہر کی ابتدا کے بڑے نام ہیں۔ ورجینیا وولف، جیمز جوائس، ٹی ایس ایلیٹ، عذرا پاؤنڈ، ملارما، کافکا، رلکے۔ یہی لوگ ہمارے ہاں کے ادبی مباحث کا بھی خام مال ہیں۔ دو ہی صورتیں ہیں۔ ان کے نظریات کا اقرار کرو یا ان سے انکار۔ بات انہی سے چل کر انہی پر ختم ہوتی ہے۔

ادب میں عوام کی زبانیں در آئیں۔ Kings English اور اردوئے معلیٰ کی اصطلاحات، باطل ٹھہریں۔ موضوعات بھی بدلے۔ آرٹسٹ بذاتِ خود موضوع بنا۔ خود کلامی، خود شناسی کا چلن آیا۔ ادب کا مواد عام لوگوں کی زندگی ٹھہری۔ جنوں، پریوں، نوابوں، بادشاہوں کے قصے متروک ہوئے۔ برصغیر میں اس کے ساتھ ترقی پسندی اور انقلابی اور

مزاحمتی ادب کا پیوند لگا۔ غرضیکہ عصرِ جدید وہی ہے جس میں ہم آپ سانس لے رہے ہیں، جس میں فیضؔ نے اپنی حیاتِ ارضی بسر کی۔

سماجی طور پر یہ طبقاتی جدوجہد کا دور ہے اس لیے مارکس کا دور ہے۔ وہی مارکس جس کے بارے میں علامہ نے کہا تھا کہ

”پیغمبر تو نہیں مگر اس پر کتاب اتری ہے“

لفظی ترجمے کے شوقین اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ نیست پیغمبر و لیکن در بغل کتاب وارد۔۔۔ اور کتاب تو ہر طالب علم کی بغل میں ہے۔۔۔ ہوتی ہوگی۔ ہم نے تو موبائل فون اور کلاشنکوف والے طالبانِ علم ہی دیکھے ہیں۔

تاریخی طور پر یہ ملکوں اور قوموں کی آزادی کا دور ہے۔ یکے بعد دیگرے، محکوم اقوام آزاد ہوتی چلی گئیں۔ سامراجی اور نوآبادیاتی ممالک معذرت خواہانہ رویہ اپنا رہے ہیں۔ جاپان نے چین سے معافی مانگ لی۔ ایران امریکہ سے معافی منگوانا چاہتا ہے۔ ہر ملک ملکِ ماست کا فخریہ نعرہ متروک ہوا۔

علمی طور پر عصرِ جدید، سائنس کا دور ہے۔ زمین اب گائے کے سینگوں پر ٹکی ہوئی نہیں، قدرتی آفات امیروں کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے غریبوں پر نازل نہیں ہوتیں۔ ان کے کچھ طبعی، قدرتی اسباب ہیں۔ سورج اور ستارے، اب زمین کے گرد چکر نہیں لگاتے، کائنات کا یہ تماشہ حضرتِ انسان کی تفریحِ طبع کے لیے برپا نہیں کیا گیا۔

حیاتیاتی طور پر Natural Selection ہی توضیع ہے۔ لاکھوں اقسام کی نباتاتی اور حیوانی حیات کا تنوع تبھی سمجھ آتا ہے جب نظریۂ ارتقا پر مغز ماری کی جائے۔ عصرِ جدید ڈارون کا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی پر اب ہنسی بھی نہیں آتی۔ اب شاعر کا مقام اور ہے۔

طبعِ شاعر ہے جنگاہِ عدل و ستم
منصفِ خیر و شر حق و باطل ہیں ہم

شخصی طور پر یہ دور ہے Humanism کا۔ انسان ہی انسانی اعمال کا متروک ہے اور ذمہ دار بھی، کوئی غیر انسانی چیز نہیں۔ انسان کے بطور انسان کے حقوق ہیں۔ جنسی اور نسلی اعتبار سے کوئی برتری نہیں۔

انسانی حوالے سے یہ آزادی کا دور ہے۔ یوں نہیں کہ آزادی سب کو مل گئی ہے۔ گو سب کو بہم بادہ و ساغر تو نہیں ہیں، مگر آزادی سب کے ایجنڈے میں شامل ہے اور ایجنڈے میں وہی بات شامل ہوتی ہے جو ممکنات میں ہوتی ہے۔ اب بادشاہ ظلِّ الٰہی نہیں ہیں یہ سایۂ ناپید ہو چکا ہے۔ یہ تصور ہی مضحکہ خیز ہے اور مضحکہ خیز نظریات اور ادارے آج نہیں تو کل معدوم ہو جاتے ہیں۔

انسانی تعلقات کا رُخ بھی بدل گیا ہے۔ یہ بات ہر کہ و مہ کی سمجھ میں آ گئی کہ پیار و محبت صرف برابری کی سطح پر ہو سکتا ہے۔ ایک لونڈی اور ’کدموں کی کھاک‘ اپنے آقا کی چاکری تو کر سکتی ہے، پیار نہیں۔ نوکر تو مالک سے صرف نفرت کر سکتا ہے۔۔۔ رہا قدموں کی خاک چاٹنے والا آقا۔۔۔ غلام دار تو ہو سکتا ہے۔ عاشق زار نہیں۔

عصرِ جدید، انسانی نفسیات کی گتھیاں سلجھانے کا دور بھی ہے۔ فرائیڈ کی کتاب ’خوابوں کی تعبیر‘ 1900ء میں چھپی اور خوابوں کو انسانی نفسیات کا حصہ بنا گئی۔ خواب الوہی وائرلیس نہیں خوابوں کی بنیاد پر قائم مفروضے باطل ہوئے۔

قدرتی سائنسوں میں عصرِ جدید آئن سٹائن کا ہے۔ جس نے بقول علامہ ذرے کا جگر چیرا۔

یہ تھا مختصراً عصرِ حاضر کا بیان، جس کا ایک مغنّی ہے فیض احمد فیض۔۔۔ کھرج میں، دھیمے سروں میں انقلاب کی للکار۔

فیض اپنے عہدے سے کیسے عہدہ برآ ہوا۔ نوجوانی میں اسے احساس ہوا کہ

ے موت اپنی نہ عمل اپنا نہ جینا اپنا
کھو گیا شورشِ گیتی میں قرینہ اپنا

مگر اس کا احساس بیدار تھا ہمت بلند تھی۔ سوچا انسان کے بس میں اتنا تو ہے۔

ع گرم رکھ آتشِ پیکار سے سینہ اپنا۔۔۔

فیض کہ تمام عصری علوم کا شناور تھا، تمام ترادبی روایت کا شناسا تھا۔ اپنے اردگرد پر گہری نظر رکھتا تھا اور حالات نے اسے سمجھایا کہ

ے ہو چکا ختم رحمتوں کا نزول
بند ہے مدتوں سے بابِ قبول

بے نیاز دعا ہے ربِّ کریم۔ انسان اگر انسان ہے تو اپنے حالات سے، اردگرد کے حالات و واقعات سے سیکھتا ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ فیض نے کیا سیکھا کیا سمجھا۔

ے عاجزی سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی
زیردستوں کے مسائل کو سمجھنا سیکھا

اور ان زیردستوں کے بارے میں یہ سیکھا۔

ے یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنالیں
یہ آقاؤں کی ہڈیاں تک چبالیں

مگر خواب تو نرے پرے خواب ہیں۔ عملاں باجھوں گلاں کوڑیاں۔

ے دیکھ کہ آہن گر کی دکان میں
تند ہیں شعلے، سرخ ہے آہن
کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

ایک لوہار بھی اپنے عمل سے اپنی قوم کو آزادی دلا سکتا ہے۔ ایران کا لوہار۔۔۔ آہن گر۔۔۔ کاوہ غلاموں کی زنجیریں کاٹ دیتا تھا کہ انہیں آمر ضحاک سے نجات ملے۔ ضحاک جو اپنے باپ کا قاتل تھا۔ اس عملِ نیک کے اجر کے طور پر شیطان نے اس کے کاندھوں

پر بوسہ دیا اور اس جگہ سے سانپ اگے۔شیطان نے مشورہ دیا کہ سانپوں کو نوجوانوں کا خون پلاؤ۔دنیا بھر کے آمر آج تک، ضحاک کی اس حدیث پر عمل پیرا ہیں اور کاوہ آہن گر کے پیرو عوام کو نجات دلانے میں مصروف اور

ان دونوں میں رن پڑتا ہے
نت بستی بستی نگر نگر

کاوہ نے اپنی چمڑے کی جیکٹ سے جھنڈا بنالیا۔جسے درفش کاویانی کہتے ہیں۔
بعد میں آنے والے بادشاہوں نے اس جھنڈے کو اپنالیا۔اس پر ہیرے ٹانکنے لگے۔

حکمران ہمیشہ سے یہی کرتے آئے ہیں۔انقلابیوں کا ڈنک نکال کر انہیں اپنالو۔
ان کے مزاروں پر قوالیاں کراؤ۔اشفاق احمد کہ 'خلطِ مبحث' کا بادشاہ ہے (King of Confusion) انقلابی فیض کو 'ملامتی صوفی' کہتا ہے کیونکہ انقلابی کی بجائے صوفی حکمرانوں کو قبول ہیں۔ان کے مزاروں پر ننگے پاؤں جاتے ہیں۔صوفی ازم کے فروغ کے لیے بورڈ بناتے ہیں۔

آپ پوچھیں گے درفش کاویانی کا انجام کیا ہوا؟ عرب فاتحین نے کہ غیر جذباتی اور عملی لوگ تھے، وہ جھنڈا جلا دیا۔جلانے سے پہلے احتیاطاً ہیرے اتار لیے۔

ایران کا ایک اور سوشلسٹ پیغمبر مزدک تھا۔اسے بھی عوام کی جانب داری کے سنگین جرم پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔۔۔

اس تمام روایت پر فیض کی گہری نظر ہے۔اس نے دورِ جدید کے فلسفہ۔۔۔دنیا کو بدلنے کا فلسفہ۔۔۔کا علم بھی سبقاً سبقاً فضل الٰہی قربان کے سٹڈی سرکل میں پڑھا۔

پنجابی، اردو، انگریزی، فارسی ادب کو اچھی طرح کھنگالا۔اگر وہ حافظ اور سعدی اور مغرب کے دانش کے سوتوں سے فیض یاب ہوا تو میر اور غالب اور دوسرے اساتذہ سے بھی مستفیض ہوا۔(غالب اور میر البتہ بدقسمت ہیں کہ اقبال اور فیض کو نہ پڑھ سکے)

جدید اور قدیم علوم میں شناوری کر کے اس نے عالم پیر کی کہاوت کی ثنا خوانی نہیں کی۔آس میں، زندگی بھرنے کی جہد کی جیسا کہ حافظ نے کہا ہے۔

ع عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد

یا خواجہ فرید کا ارشاد ہے۔

ع جھوکاں تھسین آباد ول

وہ عمل کا آدمی تھا اور ن۔م راشد کی طرح سوچتا تھا۔

میں نہ جاؤں گا تو دشمن کو شکست
آسمانوں سے بھلا آئے گی

یہ سوچنے والے انسان کا مجموعۂ خیال، اک عملِ پیہم ہے۔اس کا ذہن سوال کرتا ہے۔

کیا تیرے اذن سے کابیل کی خو قائم ہے
کیا یہ خو تا ابد میرا مقدر ہو گی

(ضیا جالندھری)

راشد کہتا ہے۔

خدا سے بھی علاجِ دردِ انساں ہو نہیں سکتا

اور پنجاب کا ان پڑھ کسان بھی کہتا ہے۔

بندہ ای بندے دا دارو ہندا اے

اگر انسانوں نے ہی انسانوں کے مسئلے حل کرنے ہیں تو Humanism بھی سمجھ میں آتا ہے، مارکسزم بھی، فیض احمد فیض میں

اٹھو سب خالی ہاتھوں کو
اس رن سے بلاوے آتے ہیں

جب اس کا ذہن صاف ہو گیا تو پھر اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔گومگو کا شکار نہیں

ہوا۔ اس کا ذہن صاف تھا، اس کا مقصد واضح تھا، روشن تھا۔ کہتے ہیں اندھیرا تو برا ہے ہی، جھٹ پٹا اندھیرے سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ ہمیں آہستہ آہستہ اندھیرے کا عادی کر دیتا ہے۔ یہی سرکاری ادیبوں کا فرض منصبی یا Nature of Job ہے۔ معاملات کو دھندلا دینا، الجھا دینا۔ کسی میراثی سے کسی نے کربلا کے معرکہ حق و باطل کی نسبت سوال کیا تو اس نے جواب دیا۔

''اساں شوہدے میراثی، سانوں کی حسیناں پاکاں نال یاں
یزیداں پاکاں نال''

عصرِ جدید کے ساتھ ساتھ لوگ روحِ عصر یا Zietgeist کی بات بھی کرتے ہیں۔
میں رُوح پر زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس ایک کہانی سنانی مطلوب ہے۔

ایک تھے پروفیسر قیوم نظر۔ مل ملا کر کسی وفد کے ساتھ پیرس پہنچ گئے۔ دوستوں کی ہدایت کے مطابق ایفل ٹاور اور نائیٹ کلب تو ایک ہی دن میں بھگتا دیے اور پھر سفارت خانے کے پیچھے پڑ گئے کہ سارتر سے ملاقات کراؤ، اچھا C.V بن جائے گا۔ ان لوگوں نے بصد مشکل پندرہ منٹ کی ملاقات کرا دی۔ پروفیسر صاحب کو عزت سے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ سارتر سے اردو کے قاری ناواقف نہیں۔

وجودیت کے فلسفے کا ایک بڑا نام ہے۔ الجزائر کی جنگِ آزادی کی بہت شدّ و مدّ سے حمایت کی۔ فرانس کے عمّالِ حکومت اسے قید کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جنرل ڈیگال سے اجازت طلب کی کہ وہ اس وقت فرانس کا صدر تھا اس نے منع کر دیا اور وہ تاریخی جملہ کہا:

''میں فرانس کو کیسے قید کر سکتا ہوں؟ سارتر فرانس ہے۔''

سارتر، پروفیسر صاحب سے ملنے اندر آیا، ہاتھ ملایا، خیریت دریافت کی اور کہا:

''پروفیسر صاحب، جنگِ ویت نام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

جواب ملا: ''ہم ادیب لوگ ہیں، ہمیں ویت نام سے کیا لینا دینا۔''

سارتر نے احتراماً کھڑے ہو کر پروفیسر صاحب سے ہاتھ ملایا۔ خدا حافظ کہا، Sorry یہ میٹنگ جاری نہیں رہ سکتی۔

سارتر واپس اندر چلا گیا۔ لاہور پہنچ کر پروفیسر صاحب بہت کلپے۔ فرانسیسیوں، بالخصوص سارتر کی بدتمیزی کا ذکر ہر ملنے والے سے کرتے رہے تا آنکہ دوستوں نے سمجھایا کہ حضت اس میں تنقیص آپ کی ہوتی ہے۔ چپکے ہو رہے دل ہی دل میں مغرب کو گالیاں دیتے رہے۔

مشہور ادیب، براڈ کاسٹر حمید نسیم نے ذکر کیا ہے کہ میں نے فیض صاحب کو ایک شعر سنایا:

؎ وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی نفرت خود سے
اک نظر تم مرا قیوم نظر دیکھ تو لو

فیض صاحب ہلکا سا مسکرائے۔ فرمایا کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔ جدیدیت کا ایک جزو Playfullness بھی ہے۔ اس لیے یہ قصہ آپ کے گوش گذار کر دیا۔۔۔ روحِ عصر کی بات بھی اس میں آ گئی ہے۔

ہر سوچنے سمجھنے والے انسان کا یہ حق ہے کہ پرانے ادب اور تاریخی واقعات کو، آج کی نظر سے، آج کی بصیرت سے پرکھے۔۔۔ میر جب کہتا ہے:

ع مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

تو کیا یہ وہی رویہ نہیں جو سارتر نے اپنایا۔ شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپانا، ادب کا منصب نہیں۔ اپنی نئی بصیرت سے شاعر۔۔۔ مروجہ Form میں نئے رنگ نئے آہنگ بھرتا ہے۔ فیض کی نعت کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

؎ باید کہ ظالمان جہاں را صدا کند
روزے بسوئے عدل و عنایت تو

اسی حوالے سے فیضؔ کا 'مرثیہ امام' غور طلب ہے:

اک گوشے میں ان سوختہ سامانوں کے سالار
ان خاک بسر، خانماں ویرانوں کے سردار
تشنہ لب و درماندہ و مجبور و دل افگار
اس شان سے بیٹھے تھے شہِ لشکرِ احرار
مسند تھی نہ خلعت تھی نہ خدام کھڑے تھے

جیش باطل آئی۔

پر باندھے ہوئے حملے کو آئی صفِ اعداء
تھا سامنے اک بندۂ حق یکہ و تنہا

ان حالات میں خطبہ کیا ارشادِ امامِ شہدا نے توجہ طلب:

فرمایا کہ کیوں در پئے آزار ہو لوگو
حق والوں سے کیوں برسرِ پیکار ہو لوگو
واللہ کہ مجرم ہو گنہ گار ہو لوگو
معلوم ہے کچھ کس کے طرف دار ہو لوگو

کیوں آپ کے آقاؤں میں اور ہم میں ٹھنی ہے
معلوم ہے کس واسطے اس جاں پہ بنی ہے

طالب ہیں اگر ہم تو فقط حق کے طلبگار
باطل کے مقابل میں صداقت کے طلبگار

انصاف کے، نیکی کے، مروّت کے طلبگار
ظالم کے مخالف ہیں تو بے کس کے مددگار

جو ظلم پہ لعنت نہ کرے آپ لعیں ہے
جو جبر کا منکر نہیں، منکرِ دیں ہے

یہی وہ سوال ہے جو تاریخ ہر شاعر سے، ہر ادیب سے، ہر انسان سے پوچھتی رہتی ہے۔۔۔اے اہلِ قلم تم کس کے ساتھ ہو؟

ع معلوم ہے کچھ کس کے طرف دار ہو لوگو

فیضؔ نے اپنی طرف داری اس تقریب میں واضح کی ہے جو اس نے ماسکو میں منعقدہ لینن امن انعام کی تقریب میں بزبانِ اردو کی تھی۔

یوں تو ذہنی طور سے مجنون اور جرائم پیشہ لوگوں کے علاوہ سبھی مانتے ہیں کہ امن اور آزادی بہت حسین اور تابناک چیزیں ہیں اور سبھی تصور کر سکتے ہیں کہ امن گندم کے کھیت ہیں اور سفیدے کے درخت دلہن کا آنچل ہے اور بچوں کے ہنستے ہوئے ہاتھ، شاعر کا قلم اور مصور کا موئے قلم اور آزادی ان صفات کی ضامن اور غلامی ان سب خوبیوں کی قاتل ہے جو انسان اور حیوان میں تمیز کرتی ہیں۔

اس لیے بظاہر امن اور آزادی کے حصول اور تکمیل کے متعلق، ہوش مند انسانوں میں اختلاف کی گنجائش نہ ہونا چاہیے۔۔۔لیکن بدقسمتی سے یوں نہیں ہے۔

انسانیت کی ابتدا سے اب تک، ہر عہد اور ہر دور میں متضاد عوامل اور قوتیں برسرِ عمل اور برسرِ پیکار رہی ہیں۔ یہ قوتیں ہیں تخریب وتعمیر، ترقی اور زوال، روشنی اور تیرگی، انصاف دوستی اور انصاف دشمنی کی قوتیں یہی صورت آج بھی ہے اور اسی نوعیت کی کش مکش آج بھی جاری ہے۔

دورِ حاضر میں جنگ سے دو قبیلوں کا باہمی خون خرابہ مراد نہیں ہے۔ آج کل جنگ اور امن کے معنی ہیں امنِ آدم کی بقا اور فنا۔

اب سے پہلے آپس میں چھین جھپٹ اور لوٹ مار کا کچھ نہ کچھ جواز موجود تھا۔۔۔

اب انسانی عقل، سائنس اور معذرت کی بدولت۔۔۔ سب تن بخوبی پل سکتے ہیں اور سبھی جھولیاں بھر سکتی ہیں۔۔۔ بشرطیکہ قدرت کے بے بہا ذخائر۔۔۔ جملہ انسانوں کی بہبود کے لیے کام میں لائے جائیں۔

ایک طرف سامراجی قوتیں ہیں۔۔۔ دوسری طرف وہ طاقتیں ہیں جنہیں۔۔۔ انسانوں کی جان زیادہ عزیز ہے۔

غرض کئی محاذوں پر، کئی صورتوں میں تعمیر اور تخریب، انسان دوستی اور انسان دشمنی کی یہ چپقلش جاری ہے۔۔۔

''مجھے یقین ہے کہ انسانیت، جس نے اپنے دشمنوں سے آج تک کبھی مار نہیں کھائی ہے، اب بھی فتح یاب ہو کر رہے گی۔''

یہ ہے فیضؔ کا مقصدِ حیات، اسی دھن میں عمر گزار دی۔

شاعر کا کام کیا ہے؟ یہ بھی فیضؔ کی زبانی سن لیجیے۔

''غالبؔ نے لکھا تھا جو آنکھ قطرے میں دجلہ نہیں دیکھ سکتی، دیدۂ بینا نہیں ہے، بچوں کا کھیل ہے۔'' (مگر) شاعر کا کام محض مشاہدہ ہی نہیں، مجاہدہ بھی اس پر فرض ہے۔ شاعر یا ادیب کو دجلہ دیکھنا ہی نہیں دکھانا بھی ہوتا ہے۔

ادیب خود بھی اسی دجلہ کا ایک قطرہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے ان گنت قطروں سے مل کر اس دریا کے رخ، اس کے بہاؤ، اس کی ہیئت اور اس کی منزل کے تعین کی ذمہ داری بھی ادیب کے سر آن پڑی ہے۔

فیضؔ تمام عمر اسی فلسفے پر عمل پیرا رہا، آخری سانس تک ریلوے یونین، پوسٹ مین یونین، پرورش لوح و قلم، پاکستان کے بہترین اخبارات۔۔۔ پاکستان ٹائمز امروز، لیل و نہار کی چیف ایڈیٹری، نام نہاد راولپنڈی سازش کیس، قید و بند، تنہائی، بازار میں پابجولاں، دنیا بھر کے غم اپنانے کا عزم، ایرانی طلبہ کا نوحہ، روزن برگ جوڑے کا مرثیہ، انسانی بھائی چارہ،

سانحہ انقلاب، فلسطینی پرچے کی ادارت اور اس دور میں بھی خیال سوئے وطن رواں، سمندروں کی ایال تھامے، افریقی جدوجہد کی دھمال نے اس کے لہجے کو گھن گرج دی۔ میجر اسحاق کی یاد میں بھی وطن کے لیے تڑپ۔۔۔ ہر خارِ رہِ دشتِ وطن کا ہے سوالی۔۔۔ کب دیکھیے آتا ہے کوئی آبلہ پا اور۔

فیضؔ نے کہا تھا:

ع کیوں نہ جہاں کا غم اپنا لیں

جہاں نے بھی فیضؔ کو اپنا لیا۔ ملکوں ملکوں فیضؔ کا نام زندہ ہے۔ تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ لینن پیس پرائز کا حق دار ٹھہرا۔ یاسر عرفات نے لکھا

''سلام انقلابی کے بعد۔۔۔

فلسطینی عوام نے آپ کی ذات میں ایک ترقی پسند اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والا شاعر پایا ہے۔ آپ ایک عوام دوست انسان ہیں۔

آپ کی مخلصانہ اور صداقت پر مبنی شاعری جس میں فلسطینی عوام کا ذکر ہے اور خاص طور پر ان کے بچوں اور انقلابیوں کا تذکرہ ہے۔ عدم آباد تک ایک ایسا نمونہ پیش کرتی رہے گی جس سے برادرانہ صداقت اور مخلصانہ محبت اُجاگر ہوتی ہے۔

بہترین تمناؤں اور احترام کے ساتھ اور اس نعرے کے ساتھ

''انقلاب فتح تک''۔۔۔ آپ کا مخلص یاسر عرفات۔

جس راہ پر فیض چلا، وہی دیس دیس کے انقلابیوں کی راہ ہے۔ اس کی زبان ہی سب کی زبان ہے۔

؎ یہی قصہ ملکوں ملکوں دہرایا جاتا ہے
ہر زباں با چنگ و نے بر سرِ بازار دگر

فیضؔ نے وطن سے ٹوٹ کر پیار کیا۔

ے چاہا ہے اسی رنگ میں لیلائے وطن کو
تڑپا ہے اسی طور سے دل اس کی لگن میں

اس نے حُبِ وطن کے سبھی تقاضے پورے کیے۔

ے واپس نہیں پھرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی

اور ایک اچھی اور بھرپور زندگی گزارنے کے بعد وہ اطمینان سے کہہ سکتا ہے۔

ع ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت

OOO

فیضؔ کا فلسفۂ انقلاب

بعض اوقات جرنیل بھی عقل کی بات کر جاتے ہیں۔ ڈی۔ گال فلاسفر نہ تھا۔ عمل کا آدمی تھا۔ اس نے کہا ہے:

"غور و خوض بہت سے لوگ مل کر کرتے ہیں۔ عمل فردِ واحد کرتا ہے۔ ہم میں سے اکثر اس انتظار میں عمل نہیں کرتے کہ پہلے اپنا فلسفہ تشکیل دے لیں پھر دیکھیں گے یا اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اب کی بار من و سلویٰ آسمان سے گرے تو ساتھ فلسفے کی ایک کتاب بھی ہو۔۔۔ خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔

فردِ واحد فلسفے کی تخلیق نہیں کرتا۔ مارکس نے اپنے سے پہلے آنے والے ہر بڑے فلسفی کو پڑھا۔ سبقاً سبقاً۔۔۔ طالب علم کی طرح۔ پھر اپنے اردگرد کے مشاہدات اور اپنے زمانے کے عمل کی تلخیص، موجود فلسفے میں شامل کی۔ نتیجتاً جو ملغوبہ سامنے آیا۔ مارکس کا فلسفہ کہلایا جو رایا دونافسکا یا کے بقول ہیگل کی جدلیات کی مادیت ہے۔

اب جو فیضؔ کے فلسفے کی ڈھنڈیا پڑی ہے تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ اردو کے عظیم ترین شاعر اقبالؔ کو بھی ہم نے فلسفی اور علامہ بنا دیا ہے۔ اقبالؔ نثر لکھنا بھی جانتا تھا، فلسفی

بننے کا شوق ہوتا تو نثر میں طبع آزمائی کرتا، وہ تو شاعر تھا اور اس طرح کے خوبصورت شعر کہتا تھا:

ے نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں مجھ سے وہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟

کہ طبع شاعر کا وطن اس کے سوا اور نہیں۔ اقبال کی غزلیں پڑھیے، اگر اللہ توفیق دے۔ ہم نے اسے پہاڑوں کی چٹانوں سے باندھ دیا ہے۔ کیا فیض کا حشر بھی اقبال جیسا ہونے والا ہے کہ ہر مقرر اور مُلّا کے ہاتھ چڑھ جائے۔

کیا فیض نے الگ سے کوئی اپنا فلسفہ گھڑ لیا ہے۔ ویسے تو ہر شخص فلسفی ہے۔ ان پڑھ ساس، نئی بیاہی دلہن سے کہتی ہے 'اے کڑیے، تو کیوں روز منہ دھونے بیٹھ جاتی ہے، ہمارے ہاں یہ رواج نہیں' یہ اس خاتون کا فلسفۂ حیات ہے۔ جس طرح عورتوں کو زندہ دفن کرنا اور کتوں سے پھڑوانا، ہمارے وفاقی وزراء کا فلسفۂ حیات ہے۔۔۔ مگر ہم شاید زیادہ انسانی سطح پر گفتگو کر رہے ہیں؟

فلسفہ تو زندگی کے مجموعی ادراک کا نام ہے۔ نسل در نسل، انسانی تجربات، انسان کے شعور میں داخل ہوتے جاتے ہیں تا آنکہ کوئی نابغہ اس تجربے کو پہلے سے موجود عقل کے بھنڈار میں شامل کر دیتا ہے اور ایک نئی تشکیل کو اپنی سوچ کا حصہ بنا کر آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ نئے تجربات نئی تشکیل کے طالب ہوں۔

فیض تو جوانی سے ہی، ہر ایمان دار نوجوان کی طرح اپنے عہد کے فلسفے سے۔۔۔ جو تھا بھی انقلاب کا فلسفہ۔۔۔ متاثر تھا۔ اس نے اس کو سیکھا، اس کی تعلیم حاصل کی، کہ کوئی علم سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور فلسفہ تو سب سے اعلیٰ علم ہے۔ اس کی تعلیم ان مدرسوں میں ہوئی جو Study Circle کہلاتے تھے۔ اس کے استاد فضل الٰہی قربان اور دوسرے انقلابی لوگ تھے۔ اسی تعلیم کو اس نے حرزِ جاں بنایا اور تمام عمر اس پر عمل کیا تا کہ انقلاب کی منزل قریب آ جائے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جس سے 20ویں صدی عبارت ہے۔

فیض کا فلسفہ یا وہ فلسفہ جس پر فیض عمل پیرا رہا، اس کی شاعری اور اس کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہے۔ وہ فلسطینی مجاہدوں کا پرچہ بھی ایڈٹ کرتا ہے اور پوسٹ مین یونین اور ریلوے مزدوروں کی یونین میں بھی کام کرتا ہے۔ فیض کا فلسفہ، فیض کی زندگی اور فیض کی شاعری میں ڈھونڈنا پڑے گا۔۔۔ خوش قسمتی سے فیض کا کلام، زمانی ترتیب سے نسخہ ہائے وفا میں ملتا ہے۔ تو آیئے فیض کا جائزہ لیں۔۔۔ وہ جسے اختیاری زبان میں کہتے ہیں۔۔۔ مہ و سال کے آئینے میں۔

اوائل جوانی میں، کچھ الجھی ہوئی باتیں، کچھ بہکے ہوئے نغمے۔۔۔ اور جب کٹھور دنیا کا ادراک ہوا تو پتہ چلا کہ

ے موت اپنی نہ عمل اپنا نہ جینا اپنا
کھو گیا شورشِ گیتی میں قرینہ اپنا

لیکن جوانی کا جوش قائم تھا۔۔۔

ع گرم رکھ آتشِ پیکار سے سینہ اپنا

پھر راستے کی مشکلات اور مایوسی، جس میں سے ہر سالک گزرتا ہے۔

ے ہو چکا ختم رحمتوں کا نزول
بند ہے مدتوں سے بابِ قبول
بے نیازِ دعا ہے ربِّ کریم

یہ ہے فلسفے کا پہلا سین کہ انسان ہی انسان کا راہ نما ہے۔ یہ دنیا کیوں ہے؟ کیا ہے؟ اس میں اتنے بہت سے دکھ کیوں ہیں؟ یہ سوالات اور دل و نظر کی وہ پاکیزگی جو دنیا داری میں الجھنے سے پہلے ہر نوجوان دل میں ہوتی ہے۔ مل کر اس جذبے کو جنم دیتے ہیں۔

ے کیوں نہ جہاں کا غم اپنا لیں
بعد میں سب تدبیریں سوچیں

اور پھر وہ سبق فلسفے کا، جو پڑھا تھا اپنے استادوں سے

ے بے فکرے دھن دولت والے
یہ آخر کیوں خوش رہتے ہیں
ان کا سکھ آپس میں بانٹیں

پھر اپنی دھرتی سے عشق ہوا۔ اپنی دھرتی کے باسیوں کی طرف نظر لوٹی۔
عاجزی سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی۔ جب وطن کی درگاہ میں حاضری دی تو پتا چلا کہ کیسے فردِ واحد کو اجتماع کے سامنے سیس نوانا ہے، ذات کی نفی ہوئی۔

ے سیکھی یہیں مرے دلِ کافر نے بندگی
ربِ کریم ہے تو تری راہ گزر میں ہے

ساتھ ساتھ انقلابی رجائیت، جو اسے اس فلسفے نے عطا کی جس کا وہ تلمیذ تھا۔

ع چند روز اور مری جان، فقط چند ہی روز

دنیا پر نظر ڈالی، ہر ملک میں، ہر براعظم میں عظیم جدوجہد میں جاری تھیں، دیکھا تو حوصلہ بڑھا۔ وسیع تر انسانیت پر نظر ڈالی تو جابروں کا خوف ختم ہوا۔

ے کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

اور پھر فیض۔۔۔ فیض بن گیا اور اب فیض نے بولنا شروع کیا تو انگریزی محاورے کے مطابق The rest is history

ع بول کہ سچ زندہ ہے اب تک

جدوجہد میں شریک ہوا تو سفر کی مشکلات کا ادراک ہوا۔

ع پھر نورِ سحر، دست و گریباں ہے سحر سے

فیض نے کہا: ''شاعر کا کام محض مشاہدہ ہی نہیں، مجاہدہ بھی اس پر فرض ہے۔''

''ادیب خود بھی اسی دجلہ کا ایک قطرہ ہے، اس کے معنی یہ ہے کہ دوسرے ان گنت قطروں سے مل کر اس دریا کے رخ، اس کے بہاؤ، اس کی ہیئت اور اس کی منزل کے تعین کی ذمہ داری بھی ادیب کے سر آن پڑی ہے۔''

یہ ہے Humanism کا نعرہ جو Maxxism سے پہلے کا فلسفہ ہے۔ انسان ہی انسانی دکھوں کا مداوا ہے کوئی غیر انسانی چیز نہیں۔

اور پھر ع خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
کی سٹیج آ گئی۔

وقت گذرا۔۔۔ پاکستان بن گیا۔۔۔ آج کا موضوع مطالبہ کرتا ہے کہ فیض کے فلسفۂ انقلاب کو پاکستان کے ساتھ جوڑا جائے، فیض کا آدرش اور فیض کے سپنے وہی تھے جو غیر ملکی غلامی میں تڑپنے والے انسان کے تھے۔ ایک بہتر زندگی کے خواب، ایک بہتر مستقبل کے خواب، مگر اس کے خواب چرا لیے گئے۔ ہر حساس انسان کی طرح اس نے بھی دیکھا کہ پاکستان جو کروڑوں مظلوموں کی حسرتوں اور تمناؤں اور خوابوں کی تعبیر تھا، زرداروں اور زرداریوں کی شکار گاہ بن گیا۔

ع یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر

یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر چلے تھے۔۔۔ اور یہ کہ ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی۔

چلو، چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی۔۔۔ اور پھر چلا چل ایک جاندار فلسفہ تو اس کے پاس موجود تھا، اسی کے مطابق عملِ پیہم کرتا رہا آخری سانس تک۔۔۔ ریلوے یونین، پوسٹ مین یونین، پرورشِ لوح و قلم، پاکستان کے بہترین اخبارات کی چیف ایڈیٹری، جھوٹا راولپنڈی سازش کیس، قید و بند، تنہائی، پابجولاں بازار میں، دنیا بھر کا غم اپنانے کا عزم، ایرانی طلبہ کا نوحہ، روزن برگ جوڑے کا مرثیہ، انسانی بھائی چارہ سانجھا انقلاب، فلسطینی پرچے کی ادارت،

جلاوطنی میں بھی قیامِ بیروت میں بھی، خیال سوئے وطن رواں تھا، سمندروں کی ایال تھامے۔۔۔ دوست دشمن کی پہچان ہوئی کہ مارکسزم کا مغز ہے۔ لینن امن انعام۔۔۔ افریقی جدوجہد کی دھمال نے اس کے لہجے کو گھن گرج دی۔

انہی چند پہلوؤں میں فیض کا فلسفۂ انقلاب پاکستان کے حوالے سے، پوشیدہ ہے۔ جدوجہد کا عزم ہے۔۔۔ یہ ہاتھ سلامت ہیں جب تک۔۔۔ قربانی کا جذبہ ہے۔ بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے۔ فروغِ گلشن وصوتِ ہزار کا موسم اور یہ کہ ہمیں سے سنّتِ منصور وقیس زندہ ہے۔

اور۔۔۔ اور۔۔۔ حوصلہ

ہم بھی دیکھیں گے

یہ حوصلہ، وہ حوصلہ ہے جو نظریاتی ساتھ سے اور فلسفے کی سانجھ سے ملتا ہے۔۔۔ اور عمل سے۔ جس کسی نے مزدوروں کا بپھرا ہوا جلوس نہیں دیکھا یا اس میں شامل نہیں ہوا وہ اس جذبے کو نہیں سمجھ سکتا۔

ع ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے۔۔۔ بشرطیکہ وہ طبقاتی دوست ہو، دشمن نہ ہو، یہ امتیاز، یہ تقسیم ہر جدوجہد کا بنیادی عنصر ہے۔

؎ جان جائیں گے جاننے والے
فیض فرہاد و جم کی بات کرو

فیض نے وہ diction ایجاد کی جو اسی کا حصہ ہے اور پھر عشقِ مجازی سے گزر کر عشقِ حقیقی کا کشف۔۔۔ ذات سے بڑھ کر وہ معاشرہ ہے، وہ وطن ہے جس کے آپ باسی ہیں۔

؎ چاہا ہے اسی رنگ میں لیلائے وطن کو
تڑپا ہے اسی طور سے دل اس کی لگن میں

اور پھر

؎ اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں، کبھی رسوا سرِ بازار

مگر اس کا بدلہ معصوم جانوں سے نہیں لیا۔ اپنی جان پر ہونے والے ظلم کے بدلے میں بچیوں کے سکول نہیں جلائے۔ اس لیے وہ کہہ سکتا ہے۔

ع ہر داغ ہے اس دل میں، بجز داغِ ندامت

انقلابی رجائیت کبھی بھی، کسی موڑ پر بھی فیض کا دامن نہیں چھوڑتی۔

؎ یہی کنارِ فلک کا سیہ تریں گوشہ
یہیں ہے مطلعِ ماہِ تمام کہتے ہیں

روز روز کے بے وردی اور باوردی فرعونوں کے باوجود

ع نثار میں تری گلیوں کے

ایملکار کرال کے بقول آپ چاول بغیر دیگچی کے نہیں پکا سکتے، انقلاب کرنا ہے تو انقلاب کے لیے ایک وطن بھی چاہیے اور شدید حبِ وطن، جس کے لیے کسی منافق سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔ ہر زماں، انسان دوستوں اور انسان دشمنوں میں رن پڑتا ہے۔۔۔ نت بستی بستی، نگر نگر۔ اپنے طبقاتی دوست اور دشمن پہچانو اور مظلوموں کی نجات کے لیے جان لگادو۔

یہ ہے فیض کا فلسفۂ انقلاب، پاکستان کے لیے۔

ooo

دہشت کی سیاست

دہشت گرد آسمان سے نہیں ٹپکتے۔ نہ ہی ان کے لیے ہدایات آسمان سے برستی ہیں، مگر ہدایات بہر حال آتی ہیں۔ خود سے تو کوئی گھر سے خودکش جیکٹ پہن کر نہیں نکلتا۔

کسی نہ کسی نے اسے اپنی جان کے ضیاع پر آمادہ کیا ہے، دوسروں کی جان کو بے قیمت سمجھنے کی تعلیم دی ہے۔ خودکش حملے کے تکنیکی مراحل سکھلائے ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دے کر ان میں گھس جانے کے طریقے پڑھائے ہیں۔

ان کے انسٹرکٹروں اور اُستادوں کو کون نوکری دیتا ہے؟ کون ان کے لیے فنڈ اکٹھے کرتا ہے؟ کون ان کے لیے، معاشرے کے پڑھے لکھے اَن پڑھوں کے دِل میں نرم گوشہ پیدا کرتا ہے۔ کون عام لوگوں کو یہ اُمید دِلاتا ہے کہ اسلام کے نام پر بدمعاشی اور جرم کرنے سے اسلام کا بول بالا ہوگا اور اسلام دُنیا پر چھا جائے گا؟ کون انھیں بے تحاشہ بچے پیدا کرنے پر اُکساتا ہے کہ اس طرح غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ مکھیوں اور مچھروں کی طرح؟

اس سارے عمل میں کن لوگوں کا، کس طبقے کا مفاد ہے؟ ان کے شکار طبقات کون سے ہیں؟ ان کے ہمدرد اور پشت پناہ کون ہیں، ہمارے اپنے معاشرے میں دُنیا میں؟

پاکستان میں امن و امان خراب کر کے، خوف کی فضا پیدا کرنے میں، عورتوں کی تعلیم اور ان کے حقوق کے خلاف، جہاد میں کیا مصلحت ہے، کس کا مفاد ہے؟ مذہبی، سیاسی جماعتوں کا اور دہشت گرد تنظیموں کا مفاد ایک کیوں ہے؟ ایجنڈا ایک کیوں ہے؟ ہمارے بکروں کی کھالوں کا پیسہ، ہماری کھالیں اُتارنے کے لیے تو استعمال نہیں ہو رہا؟

؎ زید کا کام خوب چلتا ہے
اے خدا تیرا نام چلتا ہے

؎ ہر مُلک ، ملکِ ماست
کہ مُلکِ خدائے ماست

سے اقبالؔ نے اِبتدا کی، اس سے بہتر الفاظ میں مُلک گیری کا فلسفہ آج تک کسی نے بیان نہیں کیا۔

''ہر مُلک خدا کا مُلک ہے۔ خدا ہمارا ہے، اِس لیے سبھی مُلک ہمارے ہیں۔''

جب اس فلسفیانہ خیال کو، عام لوگوں، اَن پڑھ لوگوں کی سطح پر سمجھنے کی کوشش کی جائے۔۔۔ اور مسلمانوں کی اکثریت اَن پڑھ ہے۔۔۔ تو خدا کی خدائی اور ہوسِ مُلک گیری میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔۔۔ یہ ہوس تو وہ کرے جس کے پلّے دام ہو، جس کو مال و دولت میں، اسلحے میں، علم میں، سائنس میں برتری حاصل ہو۔ جو قوم ہمہ وقت، اپنی غربت اور مظلومیت کا رونا روتی ہو وہ کس برتے پر، دُنیا فتح کرنے نکلی ہے۔ ذاتی سطح پر تو بدمعاشی، بعض اوقات، منفعت بخش ہوتی ہے۔ معاشرتی سطح پر، ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر بدمعاشی اتنی آسان نہیں۔ ہٹلر کی نہ چل سکی حالانکہ وہ اپنے زمانے کی مہلک ترین جنگی مشین کا مالک تھا۔

غریب ممالک کی ایجنسیوں کی خیرات سے تو سلطنتیں وجود میں نہیں آتیں۔ ہاں اس شوق میں اپنے ہاتھ جل جاتے ہیں۔ اپنی قوم، اپنے مُلک کا ستیاناس ضرور ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک بدمعاش گالی دے کر، بڑھک لگا کر خود کو بہت طاقتور سمجھتا ہے مگر پولیس کے

ایک سپاہی کے سامنے اس کا پیشاب خطا ہو جاتا ہے اور وہ محکمہ پولیس میں ہی اپنا کوئی سرپرست ڈھونڈ لیتا ہے۔ اسی طرح دہشت گرد بھی۔ ناجائز حکمرانوں کی جھولی میں جا گرتے ہیں اور محنتی اور غریب لوگوں کی جان عذاب میں ڈالتے ہیں۔

دہشت گرد گروہ دراصل کمزور ہوتے ہیں اور طاقت کے زُعم میں حماقتوں پر حماقتیں کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مارکس اور لینن نے کہا:

"یہ اَن پڑھ، جاہل غریب لوگوں کا جذبہ برتری (کہ جذبہ کمتری کی بڑھی ہوئی شکل ہے) ہے۔ سارے زمانے کے جوتے کھاتے ہیں، اپنی مرضی کا کپڑا پہن نہیں سکتے، کتاب پڑھ نہیں سکتے، لوگوں کے کہنے پر اپنی ماؤں بہنوں کو قید کرتے ہیں، امیروں کے حرم بھرنے کو اپنی شان سمجھتے ہیں اور خود کو فاتحِ عالم تصور کرتے ہیں۔"

پاکستان میں ان کے سرپرست کون ہیں:

i- مذہبی جماعتیں۔

ii- خفیہ ایجنسیاں، جو اپنے غیر قانونی کام، ان 'پرائیوٹ' جتھوں سے نکلواتے ہیں۔

iii- ہمسایہ دُشمن ممالک۔۔۔ وہ بھی اپنے غیر قانونی کام انھی پرائیویٹ جتھوں سے نکلواتے ہیں۔

iv- نااہل حکومتیں، جو اپنے عوام کو تحفظ فراہم کرنے سے قاصر ہیں اور ان نااہلوں سے غماز کرتے ہیں اور بہانہ مذہب کی پاسداری کا بناتے ہیں۔

v- بھٹکے ہوئے بائیں بازو کے لوگ۔

جو اس غریب کشی میں طبقاتی جدوجہد ڈھونڈتے ہیں، جو حکومتِ وقت کی مخالفت میں شیطان سے متحدہ محاذ بنانے کے فلسفے کے پیروکار ہیں۔

vi- بزدل دانشور۔ جو دہشت گردوں کی مخالفت کی ہمت نہ پا کر ان کی موجودگی کا جواز ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ مثلاً فلسطین میں ظلم، بارش کی کمی، لوڈشیڈنگ کی زیادتی وغیرہ۔

The Birth of a Nation

کوئی چوتھائی صدی پرانی بات ہے۔ چین کے وزیرِاعظم نے البانیہ کا دورہ کیا۔ دونوں کمیونسٹ ممالک تھے۔ آپس میں گہری دوستی تھی، انور خواجہ نے چو این لائی سے اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے اور چینی البانوی بھائی بھائی کے جذبے کے اظہار کے لیے جو نعرے لکھوائے وہ بہت دلچسپ تھے۔ ان میں سے ایک تھا "ہم اور چینی 70 کروڑ ہیں" یاد رہے کہ البانیہ کی آبادی لاکھوں میں تھی۔

اندازِ بیان میں تھوڑا غلو انسانی کمزوری ہے، عاشق اور معشوق، تیری میری اک جندڑی اور یک جان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، فارسی محاورے میں البتہ یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ یک جان کے ساتھ دو قالب کا ذکر ہے۔ ویسے پنجابی محاورے میں بھی اپنے مخصوص انداز میں یہ اضافہ ہے "تینوں تاپ چڑھے، میں ہونگاں۔" یعنی بخار تجھے چڑھے، کراہوں میں! جیسے شہر کے مشہور ڈینٹسٹ ڈاکٹر سلیم دانت نکالتے ہوئے کہتے ہیں "اگر تکلیف محسوس ہو تو انگلی کھڑی کر دینا، چیخ میں ماروں گا۔"

یک جان ہونا اور دو قالب ہونا دونوں ہی زندگی کی حقیقتیں ہیں علیحدگی اور ادغام۔ دن اور رات، دونوں ہیں تو وقت ہے۔ روشنی اور اندھیرا دونوں ہیں تو اشکال ہیں، نیکی اور

بدی دونوں ہیں تو اخلاق کا تصور ہے، غیر ملکی فاتح اور ملکی جاں نثار ہیں تو حبِ وطن کا تصور ہے، انسان کی الگ ذات اور اجتماع (قبیلہ، قوم وغیرہ) ہے تو معاشرتی زندگی ہے۔

یہ بات ہے اجتماع کی، معاشرے کی، قوم کی۔۔۔ مگر ایسے معاشرے بھی گزرے ہیں جن کے سر پر کوئی فرعون، کوئی شہنشاہ، کوئی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بیٹھا تھا۔ ایسے معاشرے میں رہنے والے انسان، انسان سے کچھ کم تھے۔ پاکستانیوں سے بہتر کون جانتا ہے کہ فوجی آمریتوں کی وجہ سے قوم کی کیا حالت ہوتی ہے، افراد کی کیا حالت ہوتی ہے، اخلاق کس قدر گر جاتے ہیں، ایمان داری اور سچ غائب ہو جاتا ہے، منافقت پرورش پاتی ہے، مجرم اخلاقی درس دیتے ہیں، قاتل وعظ نصیحت کرتے ہیں، رشوت خور ایمان داری کے فوائد بتاتے ہیں غرضیکہ انسانی مواد (Human Stuff) دو نمبر ہو جاتا ہے۔ 'وجہ وہی' Individual (کوئی ڈھنگ کی اردو اصطلاح بھی اسی لیے اس لفظ کے لیے نہیں ہے کہ صدیوں کی غلامی رہی، آزادی ملی تو جاہ پرستوں نے چھین لی۔ ''شخص'' کو اس معنی میں استعمال کریں تو بات اس طرح بنتی ہے) ''شخص'' اجتماع میں گم ہو گیا، بے نشاں ہو گیا، بے وقار ہو گیا، کسی نے انسان کی ذات کی تعمیر پر زور نہ دیا تعمیر تو بڑا لفظ ہے یہاں تو بنیادی تعلیم تک نہ دی گئی۔ (یہاں ذات کا لفظ چوہڑے، فقیر، سید، ارائیں، راجپوت اور جاٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے ہماری عقل نے ''اتنی ترقی کی ہے'') جزو بہتر ہو گا تو کل بہتر ہو گا، گلی سڑی سبزیوں سے دنیا کا سب سے اعلیٰ باورچی بھی اچھا سالن نہیں بنا سکتا۔

''قطرے کا اعزاز بڑا ہے''

اے قطرے طوفان نہ ہونا

ہمیں اجتماع میں غرق ہونے کا اتنا (شوق) ہے کہ کبھی اپنے آپ کو آریائی بتاتے ہیں، کبھی عظیم ہندوستانی تہذیب کے گن گاتے ہیں، کپڑے کے ٹکڑوں سے بنی رضائی (رلی) کی طرح ہمارے درسی کتابوں کے ہیرو بالترتیب عرب، بھارت، افغانستان، عراق، ترکی،

ایران، سوڈان وغیرہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنا ہے ایٹمی دھماکے کے بعد ہم عالمِ اسلام کے لیڈر بن گئے ہیں۔ عالمِ اسلام کو پوچھے بغیر۔ ''مان نہ مان، میں تیرا رہبر''۔ خوشی کی بات ہے کہ اس طرح کی احمقانہ باتیں صرف دو چار لوگوں نے کی ہیں۔ ننانوے فی صد لوگ اس ایٹم بم کو نواز شریف کی طرح پاکستانی بم تصور کرتے ہیں، جو پاکستانی سائنس دانوں، ماہرین اور فوجیوں کی شب و روز محنت کا نتیجہ ہے۔ جس میں مسلسل کئی حکومتوں کا ملکی دفاع کے بارے میں مثبت رویہ شامل ہے۔ جس میں پوری قوم کی محنت کی کمائی شامل ہے اور جو ہماری قوم، ہمارے ملک کے دفاع کے لیے بنایا گیا ہے، جس کی مخالفت معدودے چند لوگوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے کی ہے، منطق سے نہیں، ملکی فائدے کے لیے نہیں، مستقبل کی نسلوں کے لیے نہیں (اچھے برے مل کر ہی اکائی بناتے ہیں۔) سوائے خرچے کے کسی نے کوئی ڈھنگ کا اعتراض نہیں کیا۔

دنیا کی کوئی بھی ایسی چیز جو اس قابل ہے کہ اس کے حصول کے لیے کوشش کی جائے اپنی ایک قیمت رکھتی ہے، اس کا ایک مول ہے، یوں نہیں ہوتا کہ انگریزی محاورے کے مطابق کیک کھا بھی لو اور بچا بھی لو۔

پاکستان کے لیے پاکستانی قوم کے لیے، عزت کے لیے، وقار کے لیے، شان کے لیے، مستقبل کے لیے، بچوں کے لیے۔۔۔ کوئی بھی قیمت زیادہ قیمت نہیں، اس قیمت کو روپوں اور ڈالروں میں نہیں، اپنی جانوں سے چکانا ہوگا۔ ملک بچے گا تو قوم بچے گی۔ قوم ہوگی تو ملک کو بچائے گی۔ یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں اور یہ حقیقت اسی ایٹمی شعلے نے روزِ روشن کی طرح عیاں کر دی ہے، جو پاکستان کے سب سے بڑے صوبے بلوچستان میں 28 مئی 98ء کو بھڑکا۔

اگر ملک نہ ہو تو کوئی قوم نہیں ہوتی، آپ چاولوں کی بوری کاندھے پر اٹھا کر پھرتے رہیں، چاول کسی پتیلی میں ہی پکیں گے۔

کوئی فرد کوئی اہمیت نہیں رکھتا جب تک اس کا کوئی حوالہ نہ ہو۔ اس کی کوئی قوم نہ ہو، اس کا کوئی ملک نہ ہو۔

جنگل کی آگ تباہی پھیلاتی ہے مگر وہ آگ چولہے میں جلے تو سو طرح کے مفید کام کرتی ہے۔

جنگ بری ہے، تباہی پھیلاتی ہے۔ ایٹم بم بہت زیادہ تباہی پھیلاتا ہے (کیا سنی ہیں پہلے کسی نے اتنی عقل کی باتیں؟) مگر جب بقا خطرے میں ہوں، بچوں کی زندگی اور مستقبل خطرے میں ہوں تو جنگ سے بڑی خیر و خوبی کوئی نہیں اور آج کے پاکستان میں، پاکستانی ایٹم بم ریڈ انڈین محاورے کے بموجب ''اچھی دوائی'' ہے۔

تاریخ کی زبان اور محاورہ روزمرہ سے مختلف ہوتا ہے۔ ہم صنعتی انقلاب کی بات کرتے ہیں جیسے یہ واقعہ ایک دن یا ایک سال میں ہو گیا، ایسا نہیں ہے۔ صنعتی انقلاب تین چار صدیوں پر محیط ہے۔ پاکستانی قوم ان افراد پر مشتمل ہے جو 14 اگست 1947ء کو تخلیق پانے والے ملک 'پاکستان' کی جغرافیائی حدوں کے اندر رہتے ہیں۔ آدھے 1971ء میں چھوڑ کر چلے گئے، باقی حیران و پریشان رہے۔

دنیا بھر کی زندہ چیزوں کی سب سے مضبوط جبلت اپنی جان کی حفاظت ہے۔ جب بھارت کے ایٹمی دھماکے نے پاکستانی قوم کو اپنے سر پر منڈلاتے خطرے سے آگاہ کر دیا۔ کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہ رہا، تو اس قوم کے بھی افراد، ایک فرد واحد کی طرح، ایک قوم کی طرح بیدار ہوئے، اپنی جان کی حفاظت کے لیے، اپنی بقا کے لیے، اپنے مستقبل کے لیے، ایک زندہ توانا قوم 28 مئی 1998ء کو تولد ہوئی، ہر پاکستانی کو احساس ہو گیا ہے کہ وہ پاکستان کا باشندہ ہے کوئی ٹوٹا ہوا تارہ نہیں۔

گا رہے ہیں چمن میں پرندے
تان تو بھی خوشی کی اُڑا چل

ooo

درزی، نائی، قصائی

ہنرمند لوگ ہیں۔ جاگیردارانہ سماج میں عزت، مربعوں، ایکڑوں، کنالوں میں ماپی جاتی ہے۔ جتنی زیادہ کسی کی زمین ہے اتنا ہی وہ معتبر ہے خاندانی ہے۔ ہنرمند لوگوں کو کمیں کہتے تھے، اور اس بات پر پختہ ایمان رکھتے تھے کہ یہ کم تر ذات کے لوگ ہیں۔

زمانہ بدلا، زمینداروں کی زمینیں تقسیم ہونا شروع ہوئیں۔ پچاس سال میں کوئی لائق گھوڑ سوار نہ آیا جو نئے پانچ ہزاری دس ہزاری جنتا۔ بیراجوں کی زمینیں ہتھیا کر پاکستان کی حکمران جماعتوں نے اپنی ملکیتیں بڑھائیں، مگر الاٹمنٹوں سے تو کوئی نواب اور وڈیرہ نہیں بنتا۔ چند سرکاری حکام کو ان زمینوں کے ذریعے خریدا گیا مگر اس سے جاگیردار طبقہ مضبوط نہ ہو سکا۔

نیا زمانہ ہنرمندوں کا زمانہ ہے۔ جاگیردارانہ دور میں پڑھے لکھے لوگ چند ٹکے کے ''منشی'' تھے۔ اور ہنرمند زمین پر بیٹھنے والی کمتر مخلوق۔ نئے دور نے پڑھے لکھوں کے لیے ہنرمندوں کے لیے نئی نئی راہیں کھول دیں۔ یورپ، امریکہ، مڈل ایسٹ۔

دیہاتی سماج بدلنا شروع ہوا، چوہدری صاحبان ''راجے'' کی بیٹھک میں رنگین ٹی وی دیکھنے کے لیے آنے لگے، کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے ''میں نے کہا بچوں کا پتہ کرلوں۔''

ان بچوں کا پچھلے دو ہزار سال کسی نے پتہ نہ کیا تھا۔

اب ہنرمندوں کے گھروں میں ٹی وی، وی سی آر، فرج آ گئے۔ ان کی کوٹھی میں دانے آنے سے ان کے کملے سیانے ہو گئے۔ کوئٹے کے قصائی اور سانگلے کے نائی ملک کے نظریاتی رہنما بن گئے۔ غلط اور صحیح کے حکم لگانے لگے۔ فلاں نظریہ درست، فلاں غلط، فلاں آدمی اور لیڈر ہمارے موافق اور فلاں، چوں کہ ہمارا دُشمن ہے، اس لیے بلکہ اسی لیے مُلک دُشمن ہے۔

گھٹنوں سے نیچا کرتا پہننے والا بدمعاش ہے، سمارٹ کپڑے پہننے والی خاتون اخلاق باختہ ہے۔ ڈیڑھ تھان کپڑے اپنے اردگرد لپیٹنے والا عالم اور رُوحانی رہنما ہے۔ سوٹ پہننے والا مغرب زدہ ہے۔ یو پی کا لباس پہننے والا محبِّ وطن پاکستانی ہے۔ سب کو یہی تلقین کرتا ہے اگر پاکستانی ہو تو میرے جیسی اچکن پہنو۔ واسکٹ پہننے والا سی ایس پی ہے شرط یہ ہے کہ سیاہ ہو اور چمکیلی ہو۔ جینز پہن کر ذہن میں سنجیدہ خیالات نہیں آ سکتے اور نیکر تو ویسے ہی غیر پاکستانی ہے، یہ تو خوب صورت جسم والوں کا لباس ہے۔ یہ سب فتوے درزی کے دارالفتاوہ سے جاری ہوتے ہیں۔ لباس کے سلسلے میں ایک دلچسپ مشاہدہ آپ کے غور کے لیے۔ جتنا کپڑا ایک پاکستانی خاتون کو ڈھانپنے میں لگتا ہے اتنے کپڑے سے سنگاپور، کوالالمپور، بناک کی ایک محلے کی لڑکیاں اپنا اپنا کام کا لباس Working Dress بنا لیتی ہیں اور دفتروں، دُکانوں اور کارخانوں میں کام کرتی ہیں اور سَر اُٹھا کر چلتی ہیں۔ برابری، شاید، مانگنے سے نہیں ملتی۔

درزی کے بعد نائی کا بیان۔ یہ بھی آپ کے اخلاق کا رکھوالا ہے بلکہ وہ ریفری ہے جو آپ کے مذہب، مذہبی رجحانات اور فرقے کے مسائل طے کرتا ہے۔

اوپری ہونٹ نہ منڈانے والا بدمعاش یا مرد ہوتا ہے پورا چہرہ منڈانے والا مغرب زدہ کمزور انسان ہے۔ چہرے یا بغل یا سر کے بال منڈانے سے یا نہ منڈانے سے

انسان کے مذہب کا پتہ چلتا ہے، داڑھی کے سٹائل سے فرقے کا تعین ہوتا ہے۔ مسلمان اور یہودی بنانے کا کام اب نائیوں کی بجائے ڈاکٹروں نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ درزی کی طرح قصائی بھی انسانوں کے درمیان فرق کرنے والی کسوٹی ہے جو سور نہ کھائے وہ مسلمان یا یہودی ہے۔ جو گائے نہ کھائے وہ سکھ ہے اور جو بالکل ہی گوشت نہ کھائے وہ تو پکا پکا ہندو ہے۔

نائیوں، قصائیوں اور درزیوں نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے یہ فرق بالکل واضح کر دیئے ہیں۔

OOO

دھماکے کے بعد

۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کے بعد پاکستانی قوم نے اپنے پاؤں مضبوطی سے پاکستان کی دھرتی پر جمانے شروع کر دیے ہیں۔ چودہ کروڑ لوگ ہیں۔ کچھ نے یہ تبدیلی فوری طور پر محسوس کر لی، کچھ آہستہ آہستہ کر رہے ہیں۔ ازلی طور پر وہی جن کو اپنے آبا پر بھی رشک رہتا ہے۔ اپنے وطن کے بارے میں تشکیک کا شکار ہیں۔ اتنا البتہ ضرور ہوا ہے کہ وہ پیران فرتوت بھی جو نظریے کے اونٹ سے اترتے ہی نہ تھے اور خیالی جادوئی قالینوں پر اڑے پھرتے تھے۔ اپنی زبان پر بصد اکراہ جغرافیے کا غیر اسلامی لفظ لے آئے ہیں اور اب پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی بات کرتے ہیں۔

اس تبدیلی نے اقلیتی پاکستانیوں کو بھی اپنے وطن پر اعتماد کی دولت بخشی ہے۔ پارلیمان میں ایک اقلیتی رکن نے ایک مسلمان ایم این اے کو بھارت اور ہندو بنیے کا فرق بتایا۔ اگر ہماری قوم ۸۰ فی صد ان پڑھ نہ ہوتی تو یہ بنیادی باتیں سکولوں میں پڑھا دی جاتیں کہ پاکستان اور بھارت دو ملک ہیں۔ ہندومت اور اسلام دو مذاہب ہیں جن کے پیروکار دونوں ملکوں میں ہیں۔ بنیا اور ملا اسی طرح اسمائے صفت ہیں جس طرح پڑھا لکھا اور جاہل

اور یہ بھی دونوں ملکوں میں موجود ہیں۔

تاریخ ساز واقعات انہیں کو کہا جاتا ہے جن کے بعد سبھی کو سوچنا پڑتا ہے۔ اپنے نازک دماغ کو تکلیف دینا پڑتی ہے۔ رٹی رٹائی تقریریں اور گھسے پٹے نعرے بے کار ہو جاتے ہیں۔ وہی اشخاص اور قومیں اس امتحان میں پاس ہوتی ہیں جو بے رحمی سے اور ایمانداری سے اپنے عمل کا حساب کرتی ہیں۔ اپنی غلطیوں اور حماقتوں کو سچا ثابت کرنے کی کوشش ناکام کرنے والے زندگی کی دوڑ میں بھی ناکام ہوتے ہیں۔ زندگی کی نئی حقیقتیں اپنے ادراک کے لیے نئے علم کا تقاضا کرتی ہیں۔ شتربان اور ''کھوتے واہ'' ایٹمی دور کے عالم نہیں ہو سکتے، جہلا میں شمار ہوتے ہیں۔ صرف زمانے کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

؎ صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

مالی طور پر فقیر اور ذہنی طور پر پیدل لوگ ہی حساب کتاب سے کتراتے ہیں یا پھر چور اور بے ایمان۔ کرپٹ سیاست دان البتہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ احتساب سے بچ جائیں اس کے لیے چاہے حکومت ختم کرنی پڑے، چاہے ملک۔۔۔ مائی جی! شیخ سعدی نے کہا ہے۔

آن را کہ حساب پاک است
از محاسبہ چہ باک
جس نے گھپلا نہیں کیا وہ آڈٹ سے کیوں ڈرے؟

قومی حساب کسی تاجر کے حساب سے مختلف ہے۔ اس میں صرف روپیہ پیسہ نہیں ہوتا۔ ملک کا مستقبل، قوم کے مقاصد اور نئی نسلوں کی بہبود۔۔۔ اس طرح کے مسائل ہوتے ہیں کہتے ہیں فیصل آباد کا ایک تاجر کراچی سے بذریعہ جہاز آتے ہوئے پانچ سو روپے میں پچاس لاکھ کا بیمہ کروا بیٹھا اور لٹکے ہوئے منہ سے گھر آیا۔

''کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پانچ سو ضائع گیا۔''

پاکستان کے دوست ہمیں اس خرچے سے ڈرا رہے ہیں جو بم پر ہو گیا ہے اور جس کی وجہ سے ہمارے ائر کنڈیشنڈ کئی سال بند رہیں گے۔ شکر ہے اللہ کہ میرے اور اشفاق بخاری کے ایسے ہمدرد نہیں ہیں ورنہ وہ ہمیں سمجھاتے کہ دوستوں اور بہنوں سے پیسہ لے کر بائی پاس تو کروا لیا ہے بچو جی! اب یہ قرضہ واپس کرو گے تو پتہ چلے گا! (مر جاتے تو بہتر تھا؟)

ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق گھر میں ڈنڈا، کلہاڑی، پستول، بندوق رکھتا ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو اندر گھستے ہوئے ڈر اور جھجک محسوس ہو۔ کوئی بھی اس طرح حساب نہیں لگاتا کہ ۲۰ ہزار روپیہ بندوق پر خرچ دیا، ابھی تک کوئی چور ڈاکو تو آیا نہیں۔

ملک بھی اپنی حیثیت کے مطابق اور اکثر اوقات اپنی حیثیت سے بڑھ کر، اپنی حفاظت کے لیے اسلحے اور فوجوں کو تیار رکھتے ہیں تا کہ کسی ہوس ملک گیری میں مبتلا ملک کو یا ہیرو بننے اور فاتح کہلوانے کے شوقین شخص کو جارحیت کی جرات نہ ہو اور کوئی بدبخت یا پنجابی محاورے میں ''نیت سے ہارا ہوا'' شخص ہی یہ تجویز لائے گا کہ ایٹم بم کی جگہ چاکلیٹ خرید لو۔ خان صاحبان مائی جی اور کامریڈو۔ دفاع کمزور ہو تو کون بچوں کو چاکلیٹ کھانے دیتا ہے۔ امن بقول فیض احمد فیض بچوں کی ہنسی ہے مگر یتیم بے بس لاچار محکوم اور مفتوح بچے ہنستے ہی نہیں خواہ فاتح دنیا کا تازہ ترین نظریہ اور مذہب لے کر آئے۔۔۔ امن کے لیے جنگ کو روکنا پڑتا ہے۔ جنگ کا راستہ بند کرنا پڑتا ہے۔ جنگ کے امکان کو ختم کرنا پڑتا ہے۔

دنیا کی چھٹی اور ساتویں ایٹمی طاقت میں جنگ کا امکان معدوم ہو گیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چوتھی جنگ بعید از قیاس ہے۔ البتہ پرانا غصہ اترتے وقت لگے گا۔ جس طرح ذاتی لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ 'ڈانگ سوٹے کے بعد گالیاں' پھر گھر گھر بڑبڑ۔ پھر زخموں پر ٹکور۔ تب کہیں شرماتے شرماتے صلح کی بات چیت۔ اسی طرح جذبات ٹھنڈے ہوتے وقت لگے گا۔ کچھ لوگ لڑائی فساد کے نام پر لیے ہوئے چندے کو حلال کرنے کے لیے کچھ عرصہ نعرے بازی کرتے رہیں گے پھر کوئی ڈھنگ کا کام ڈھونڈ لیں گے۔

لاہور اور دِلّی (پاکستان اور بھارت) کی دشمنی صدیوں پرانی ہے۔ دلا بھٹی کہتا تھا:

میں ڈھاواں دلی دے کنگرے
دیاں شکر وانگوں بھور

یعنی میں دِلّی کے قلعے اور تخت دیسی شکر کی طرح ریزہ ریزہ کر دوں گا اور ساتھ ساتھ پنجابی پھکڑ پن بھی ہے کہ میں مغلانیوں کی سیج پر۔۔۔

یہ دلی نفرت دِلّی سے جاتے جاتے جائے گی۔ فوری طور پر یہ ہو گا کہ

۱۔ دلی کی تاریخی، سیاسی، ذہنی، نفسیاتی اور ''تہذیبی'' برتری کا خاتمہ اور پھر اس کے نتیجے میں
۲۔ بھارتی دھونس کا خاتمہ
۳۔ پاکستانیوں کے اپنے آپ پر، اپنے ملک پر اعتماد اور فخر میں اضافہ
۴۔ علاقائی امن کی صورتِ حال میں بہتری کے بعد، معاشی بہتری، تعلیم اور صحت کے شعبے میں بہتری
۵۔ ملک کے اندر نعرے بازوں اور چندہ خوروں کا خاتمہ اور نتیجتاً ملا گردی کا خاتمہ

یعنی ایک بہتر کل، ایک مہذب قوم، ایک روشن پاکستان

ooo

ایمان ہے کہ سبحان اللہ

کہانی ہے حسن ناصر کی، سنی سنائی نہیں حسن ناصر کے ایک دوست، ساتھی، کامریڈ، میجر اسحاق محمد کی زبانی— سرکاری فائیلوں کی زبانی، عدالتی کارروائی کی زبانی۔

آج تو عوامی مجمعے سے خطاب کرنے والا ہر مقرر حسن ناصر کا یار ہے۔ سرکاری، درباری لوگ حسن ناصر کا دن مناتے ہیں۔ حکومت میں آکر بھی کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس ظلم عظیم کی صحیح تحقیقات ہی کروالیتا، اپنی گردن میں پھندا نہ بھی ڈالتا، سچ تو نکھر کر سامنے آجاتا۔

کم از کم حکمرانی کے انداز ہر کہ دمہ کی سمجھ میں آجاتے، ریاست کیا ہوتی ہے؟ کس کے مفادات کی نگہ بان ہوتی ہے؟ اس کے کل پرزے، اپنی نمازوں، پرہیز گاریوں اور 'عزت سادات' کے ساتھ کس قدر چھوٹے، بزدل اور منافق ہوتے ہیں کہ یہ کل پرزے جس مشین کے ہیں اس مشین کو ایسے ہی پرزے درکار ہیں۔ ایسے نہ ہوں تو ٹوٹ جائیں یا مشین کو بے کار کردیں۔

حکمران طبقوں کی سیاسی جماعتوں کے رہنما اور اکثر کارکن کس طرح اپنے ذاتی

اور طبقاتی مفاد کی خاطر عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ کبھی مذہب اور فرقے کے نام پر، کبھی علاقے اور وطن کے نام پر، کبھی نسل اور برادری کے نام پر۔ صرف ایک بات عوام سے چھپاتے ہیں اور وہ ہے طبقاتی تقسیم، طبقاتی مفادات، طبقاتی منافرت اور طبقاتی جدوجہد۔۔۔ اس ایک جدوجہد سے عوام کو روکنے کے لیے کیا کیا کھلونا جدوجہدیں عوام کی جھولی میں ڈالی جاتی ہیں۔ اسلام اور کفر کی جدوجہد شیعہ سنی کی لڑائی، ہندو اور ہندوستان کی دشمنی، مرزائیت کے خلاف جدوجہد نہیں بلکہ جہاد۔۔۔ جہاد عورت کے خلاف، جہاد علم کے خلاف، جہاد تہذیب کے خلاف، کیا کیا جھوٹ نہیں تراشے جاتے۔ سولہ کروڑ پاکستانیوں میں ایک بھی یہودی نہیں، مگر پاکستانی پولیس، عدالت، تجارت سیاست کی سبھی خرابیاں یہودی سازش ہے۔۔۔ وڈیرے جاگیردار اور ملا جو کچھ کررہے ہیں وہ عین حب الوطنی اور اسلام ہے۔

جب سے طبقات وجود میں آئے ہیں۔ غریب ہمیشہ کثیر اکثریت میں رہے ہیں۔ کبھی یہ نہ ہوا کہ غریب اپنی اکثریت کے نتیجے میں، کسی آسمانی فرمان کے نتیجے میں زمین کے وارث بن جاتے۔

پیرس کمیون کے چند ایمان افروز دنوں کو چھوڑ کر، روس کا عظیم اکتوبر انقلاب، انسانی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے۔ جب محنت کشوں نے زار جیسے 'عظیم' حکمران کو شکست دے کر اپنی حکومت، اپنی ریاست قائم کی۔ یہ کیوں کر ممکن ہوا؟

انسان نے پہلی بار انسانی سوچ سے رہنمائی حاصل کرکے جدوجہد کی۔ مارکس نے، اپنے وقت تک کی تمام انسانی سوچ کو کھنگالا۔ فلسفہ٬ معاشیات، سوشلزم کی کسک اور مارکسی فلسفہ اور سائنس وجود میں آئے۔ مادی جدلیات اور تاریخی مادیت، اس علم کے دو نام ٹھہرے۔

محنت کش، اپنی محنت کے دفاع کے لیے ہمیشہ سے جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے بہت عظیم الشان قربانیاں دیں، جانیں لٹائیں، مگر فتح سے ہمکنار کبھی نہ ہوئے۔ تاریخ نے یہی سبق دیا ہے کہ مارکسی فلسفے یا پرولتاری نظریے کی رہنمائی کے بغیر تمام جدوجہد

کیکر کے درخت پر انگور کی بیل چڑھانے یا ریت میں 'چنیا' بونے کے مترادف ہے۔

یہ صحیح ہے کسی کتاب نے کبھی کوئی قلعہ فتح نہیں کیا، اور یہ بھی سچ ہے کہ صحیح نظریے کی رہنمائی کے بغیر، بڑی سے بڑی تحریک انقلاب پر منتج نہیں ہوتی۔

میجر اسحاق محمد کی کتاب 'حسن ناصر کی شہادت' کا پہلا حصہ ایک سائنسی دستاویز ہے جس کی موجودگی میں ڈھیٹ سے ڈھیٹ انسان بھی یہ دعوے کرتے ہوئے شرما جائے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں پولیس، امن وامان قائم کرنے کے لیے ہے۔ یا عدالتیں انصاف کے لیے ہیں یا حکمران عوام کی خدمت کا تصور بھی کر سکتے ہیں۔

محنت کش عوام کی جدوجہد تبھی کامیاب ہو سکتی ہے جب وہ اپنے نظریے سے پولیس، اپنی پارٹی کی قیادت میں جدوجہد کریں۔ یہ نظریہ کیا ہے؟ کتاب کا دوسرا حصہ اسی سوال کا جواب ہے۔ بالخصوص تیسرا باب 'شہید کی نظریاتی پرورش'

مارکسی فلسفے پر سینکڑوں کتابیں دستیاب ہیں مگر پاکستانی محنت کش کے لیے ان چند صفحات میں رہنمائی بے مثل ہے۔ مارکسی نظریہ انسانی جدوجہد اور انسانی سوچ کی تلخیص ہے۔
جب تک انسان کرۂ ارض پر موجود ہے، زندہ سلامت ہے، اس کی جدوجہد بھی جاری ہے۔
اس کی سوچ کا ارتقا بھی جاری ہے۔ اس کے نظریے میں بہتری اور بڑھوتی بھی جاری ہے۔
انسانی نظریہ کبھی جامد نہیں ہوتا۔ اسی لیے مارکسی نظریہ بھی حرفِ آخر نہیں ہے۔ ہاں آج تک کی انسانی سوچ کی معراج ہے۔۔۔ جمود صرف مردوں کے حصے میں آتا ہے۔ جمود اور حرفِ آخر۔۔۔ اس سے گریز ہر محنت کش اور انقلابی پر لازم ہے۔

زندگی کے ہر موڑ پر طبقاتی سوچ سے رہنمائی حاصل کرنا چاہیے۔ دشمن طبقات، بطور طبقہ، کس طرح انسان کو جل دیتے ہیں۔ کون سی جنت کے خواب دکھاتے ہیں۔ کس طرح ان کے مذہب، علاقے، نسل کو برتر کہہ کر دوسرے مذاہب، علاقوں اور نسلوں سے نفرت سکھاتے ہیں اور سماج کی طبقاتی تقسیم پر پردہ ڈالتے ہیں اور ہم بھی درمیانے طبقے کے نیم

خواندہ لوگوں کی طرح ان کی شخصی برائیاں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ فلاں نے اتنی رشوت لی، فلاں نے فلاں نوکری اور پلاٹ لیا۔ ہاں یہ باتیں اگر تحریری طور پر اکٹھی کی جائیں تو یہ انقلابی کام ہے۔ سائنسی کام ہے کہ سائنس کی بنیاد اعداد وشمار پر ہے۔ مزدور کتنی قدر پیدا کرتا ہے۔ اس کو کتنی اجرت ملتی ہے۔ قدرِ زاید کون لے جاتا ہے۔ سرمایہ دار، وڈیرے، سردار اور بادشاہ اپنی دولت کس کے استحصال سے حاصل کرتے ہیں۔ کیا 'مظلوم سردار' اور 'روشن خیال جاگیردار' بھی ہوتے ہیں یا یہ محض ایک لطیفہ ہے۔

حکمران طبقات، خود تو مکمل طور پر طبقاتی شعور سے لیس ہوتے ہیں۔ محکوموں کو نسلی اور مذہبی خواب دکھاتے ہیں۔ چھوٹی عمر سے دماغوں میں کوڑا بھرنا شروع کرتے ہیں۔ جنوں، پریوں اور معجزوں کی داستانیں سناتے ہیں اور اسے علم کہتے ہیں۔ یہی جھوٹ سکولوں میں پڑھاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے پھیلاتے ہیں، تاکہ محنت کشوں کو گمراہ کیا جائے اور ان کا استحصال جاری رکھا جائے۔ سائنسی علم سے محروم عوام بھی یہ دھوکا کھاتے ہیں۔ بقول شاہ حسین:

؎ سچ گل سنیوے کیوں کر
کچّی ہڈاں وچ رچی

اس کچّی کا علاج گپ شپ نہیں۔ طبقاتی نظریاتی علم ہے۔ بقول ماؤ:

کثرتِ شکوہ سے دل آزردہ کرنے سے بچیں
دور بینی سے ہمیشہ جائزہ اشیا کا لیں

اور اس دور بینی کے لیے ضرورت ہے مارکسی نظریے کی جس کو مسلسل عمل اور جدوجہد سے، حقائق سے صداقت کی تلاش کرتے ہوئے، آج کی سطح پر اُٹھایا گیا ہو۔ آج کے علم سے، اگر اس میں مسلسل اضافہ نہ کیا جائے تو کل کی جہالت بن جائے گی۔

محنت کشوں کا اعتراض ہوتا ہے کہ ان کے اوقات کار اور معمولات زندگی، اس

طرح کے ہیں کہ وہ 'دانش وری' نہیں بھگار سکتے۔ مگر سادہ سے سادہ مسافر بھی یہ تو گھر سے طے کر کے نکلتا ہے کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اگر مقصد مزدور کی بہتری، مزدور کی حکمرانی اور انقلاب ہے۔ تو انقلابی نظریے کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ ہر مزدور جب تک بلا استثناء، اس نظریے سے لیس نہیں ہوتا کم از کم اتنا نظریہ، جتنا دوسرے حصے کے تیسرے باب میں ہے تو انقلاب ایک خواب سے زیادہ نہ ہوگا۔ اتنا سا نظریہ سمجھنے کی ہر انقلابی کو ضرورت ہے۔ اسے پختہ کرنے کے لیے، اسے بار بار پڑھنے کی یا پڑھوا کر سننے کی ضرورت ہے۔ اس عمل سے حاصل کردہ سمجھ کو اس نظریے میں شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ دانش وری یہی ہے۔ کوئی ٹونا ٹوٹکا، جادو یا دور، وظیفہ نہیں ہے۔

ملتان کے ساتھی مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے اتنی اہم کتاب کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔

OOO

جاگیرداری کے بعد؟

کیا سماج کے جاگیرداری سے سرمایہ داری میں عبور کے دور میں ہمیں اس تبدیلی کے حق میں زور لگانا چاہیے یا جاگیرداری کو مضبوط کرنے کا چارہ کرنا چاہیے۔۔۔

یہ انتہائی اہم سوال ہے۔

کلاسیکی مارکسزم کے نظریہ تاریخی مادیت کے مطابق، انسانی سماج کی تبدیلی کی پانچ منزلیں بیان کی گئی ہیں۔

غلام دارانہ سماج

جاگیرداری سماج

سرمایہ داری سماج

سوشلزم

کمیونزم

یہ تاریخ کا عمومی رجحان ہے اور ایسا نہیں ہے کہ یہ تبدیلیاں، خود بخود ایک مقررہ وقت پر ہو جاتی ہیں۔ تبدیلی کی رفتار کو، ایک خاص معاشرے کے اندر موجود قوتیں متعین کرتی

ہیں، جن طبقات کے حق میں یہ تبدیلی ہوتی ہے، وہ اسے تیز تر کرنے کے لیے زور لگاتے ہیں اور جن طبقات کے خلاف یہ تبدیلی ہو رہی ہوتی ہے وہ اس تبدیلی کو روکنے یا اس کی رفتار کم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ تاریخ کے پہیئے سے لٹک کر اس کی رفتار کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کام کے لیے اپنے باپ دادا کا واسطہ دیتے ہیں۔ رسم و رواج کو مقدس ٹھہراتے ہیں۔ اپنے خداؤں کو اپنی مدد کے لیے پکارتے ہیں۔

تبدیلی کی قوتوں کو کمزور کرنے کے لیے، دنیا کا ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تبدیلی کی خواہش ہی غیر اخلاقی ہے، غیر قانونی ہے، کفر ہے وغیرہ وغیرہ۔

تعلیم اور ابلاغ کے سبھی ذرائع چونکہ حکمرانوں کے پاس ہوتے ہیں اس لیے بہت دیر تک یہی حربہ کامیاب رہتا ہے۔ جب بات ہاتھ سے نکلتی نظر آئے تو تبدیلی کی طاقتوں (انقلابی قوتوں) میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو خریدتے ہیں۔ کچھ اپنے لوگوں کو ان میں شامل کر کے نظریاتی دھندلاہٹ پیدا کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ قوتیں حکمران سے لڑنے کی بجائے، آپس میں سر پھٹول کریں۔ ان کو غلط راستوں پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں ایسے خوبصورت اور سنہرے خیالات داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو ناقابلِ عمل ہوں۔ (مثلاً آج کے پاکستان میں یہ مطالبہ کہ عدلیہ کی بحالی، پارلیمنٹ کی بجائے براہِ راست کی جائے یعنی مشرف کے خلاف نعرے لگانے سے، مشرف صاحب عدلیہ بحال فرما دیں گے!)

OOO

شیطان کے چیلے

شیطان کا فخر یہ ہے کہ

''میں جو جانتا ہوں وہی کافی ہے''

شیطان اس بات پر راندہ گیا کہ اس نے سیکھنے سے انکار کر دیا۔

شیطان کے چیلے حیران ہیں۔ معاشرے میں آنے والی تبدیلی، ان کی سمجھ سے باہر ہے۔ وہ پُرانے دھڑے کو دائمی سمجھتے ہیں۔

نامعلوم کے بارے میں تحقیق و تجسس، انسانی صفت ہے۔ جس نے اس سے انکار کیا، وہ شیطان کا چیلا بن گیا اور اگر اس کی صلاحیت اور طاقت فراواں ہو تو مجسم شیطان کا روپ دھارن کر لیتا ہے۔ اس کا غضب، اس کا غصہ اس کے بس میں نہیں رہتا۔۔۔ وہ دہشت گرد بنتا ہے۔ عورتوں، بچوں اور نہتے غریب مردوں کا بے رحمانہ اور بہیمانہ قتل کرتا ہے اور اس 'بہادری' پر فخر کرتا ہے۔

مکمل طور پر اپنے آپ کو اجتماع میں غرق کر دینے کے خطرات شدید ہیں۔ بیمار ذہنیت، اسی لیے فروغ پاتی ہے کہ عقل و دانش کی بڑھوتی رک جاتی ہے۔ اجتماع سے انحراف

گناہِ عظیم نظر آتا ہے۔

اس کا توڑ خودی ہے۔ خود آگاہی ہے۔ حتیٰ کہ خود غرضی بھی غلامانہ تقلید سے برتر رویہ ہے۔ جو نئی سوچ کو جنم دیتا ہے۔

ذاتی مفاد کی غلامی، ایک شخص کو اس اساطیری ہیرو سے جوڑتی ہے۔ جو جن کی قید میں، زنجیروں میں جکڑی ہوئی، عقل وخرد کی شہزادی کو چھڑاتا ہے۔ اس پرومیتھیس سے جوڑتی ہے، جو خداؤں سے بغاوت کر کے انسان کے لیے 'آگ' کا تحفہ لاتا ہے۔ جو کہ دانش بھی ہے، دانائی بھی اور توانائی بھی۔ اگرچہ اپنا جگر چیل کوؤں کو کھلاتا ہے۔ خداؤں کا اور اجتماع کا انتقام، خوف ناک ہوتا ہے۔ ہر معاشرہ، اپنے مسیح کو، اپنے بھٹو کو، اپنی بے نظیر کو مصلوب کرتا ہے۔

اس ہیرو کا ہیروازم، اس بات میں ہے کہ وہ معاشرے سے بغاوت کرتے ہوئے، معاشرے کو مضبوطی کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

ooo

مغرب زدہ

'مغرب زدہ' کی اصطلاح سن سن کر کان پک گئے ہیں۔ مغرب سے استفادہ کس نے کیا ہے؟ سفارت خانوں کے مفت رسالوں سے چند مضامین پڑھ کر، ایک سے بڑھ کر ایک 'ماہر' وجود میں آ چکا ہے۔

سعدی نے گلستان، بوستان لکھی ہیں۔ عمدہ کتابیں ہیں مگر ان کو صدیاں بیت گئیں، کسی نے ڈھنگ کا ترجمہ تک نہیں کیا۔ گلی گلی میں شارحین موجود ہیں۔ متن (Text) غائب ہے۔۔۔ فیصل آباد میں قصائی، بکرے کی سری دو طرح سے بیچتے ہیں۔ ایک تو مکمل اور دوسری وہ جس میں سے مغز نکال کر الگ بیچ دیتے ہیں اسے 'جرنیلی' سری کہتے ہیں۔

یہاں تو سبھی جرنیلی سریاں لیے پھر رہے ہیں۔ سنی سنائی خبر بتا کر بیان کرنے والے۔۔۔

مغرب کا انہوں نے پڑھا کیا ہے کہ 'مغرب زدہ' بھی ہو گئے۔ نہ اس اصطلاح کے موجد نے اور نہ ہی اس کے شکار نے، کبھی مغربی تحریریں پڑھی ہیں۔ چند ایک ادیبوں اور ناقدوں کے نام رٹ لیے ہیں اور اللہ اللہ خیر صلا۔ شرح کی شرح لکھنے والا عالم کہلاتا ہے اور

دو چار مغربی ادیبوں، نقادوں کے نام جاننے والا ادیب اور نقاد ہے۔ پروفیسر صاحب ہے۔

میرے محترم دانشورو! آپ نے مغرب کا کیا پڑھا ہے۔ کسی ایک کتاب کا نام، کسی ادبی رسالے کا نام بتا دیجیے!

'نمونہ مشتے از خروارے' کے طور پر ہی، چند تحریریں حاضر ہیں، خدا لگتی کہیے کبھی پڑھی ہیں؟

یہاں تو ایسے ایسے سپیشلسٹ موجود ہیں جو کمیونزم پر تنقید کے ماہر ہیں مگر آٹھ صفحے کا کمیونسٹ 'مینی فسٹو' نہیں پڑھا۔ فرائڈ کے بارے میں فتویٰ ہے کہ اب Irrelevant ہو گیا ہے۔ فرائڈ کی کسی ایک تحریر کا نام لیں، جو آنجناب نے پڑھ رکھی ہو۔

انقلاب کو دماغ کے علاوہ، دل میں بھی جگہ دیجیے۔ امیروں سے نفرت تو سبھی کرتے ہیں، غریبوں سے پیار کون کرتا ہے۔ غریبوں کی خدمت کرنے والے ہمیں برے لگتے ہیں۔۔۔ سامراج کے ایجنٹ ہیں اگر غریبوں کو کوئی سکھ کا سانس مل گیا، اگر ملاؤں کی عمل داری میں کسی نے جان پر کھیل کر بچیوں کو پڑھا دیا تو اس نے ہمارے انقلاب کو کھوٹا کر دیا کہ ہمیں تو ایڑیاں رگڑتے ہوئے عوام چاہئیں۔ انہیں منہ دھونے کی تلقین کرنے والا بھی ہمارا دشمن ہے۔ غریب کیوں پڑھیں؟ پارٹی کے لیڈر، کمپیوٹر کا علم کیوں سیکھیں؟ یعنی انقلاب لانے کے بعد، مارکس اینگلز کو پڑھیں گے۔۔۔ کس لیے؟

OOO

ظالم بچّی

عمر تو اس کی تین سال تھی مگر قدرت نے اس کو وہ محبت، وہ انرجی، وہ رنگ روپ دیا تھا کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا اور جب اپنی توتلی زبان میں پیاری پیاری باتیں کرتی تو کوئی اس کے سحر میں گرفتار ہوئے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔ جب کھیلتی تو بھرپور کھیلتی اور جب اسے نیند آتی تو ایک پل میں گہری نیند سو جاتی اور جب گہری نیند سے بیدار ہوتی تو تروتازہ اور چاک وچوبند۔۔۔ آدھے منٹ کے اندر اندر بستر سے نیچے۔۔۔ اگر رات کو کوئی کھلونا، بستر کے قریب پڑا ملتا تو فوراً کھیلنا شروع کر دیتی۔ یا پھر اپنے ننھے ننھے پاؤں میں ننھے ننھے سلیپر چڑھا کر بالکونی میں آ کر کھڑی ہو جاتی۔ خواہ باقی گھر بھرا بھی سو رہا ہو یا اپنے کاموں میں مصروف ہو۔ آج بھی وہ بالکونی میں کھڑی آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ فروری کے لاہور کی صبح تھی۔۔۔ بسنت رُت، کہ ایسا سہانا موسم دنیا بھر میں کہیں نہیں ہوتا۔ کوئی دلچسپ کردار نظر آتا تو زبان نکال کر اسے چڑاتی۔ سڑک پر جانے والے کو پتا بھی نہ چلتا کہ اوپر بالکونی میں کھڑی ایک ننھی سی بچی اسے احمق سمجھتی ہے۔

کسی بھی احمق کو یہ احساس نہیں ہوتا!

سامنے ایک بڑی سی عمارت تھی جس میں صبح سویرے سے ہی بہت سی گاڑیاں آنے لگتیں۔ چوکیدار انہیں روک کر ان سے کچھ بات کرتا۔ کسی کو سلام کرتا منّی کو یہ چوکیدار بہت اچھے لگتے۔ پیاری پیاری وردی میں کھٹ کھٹ کرتے۔

اچانک مُنّی نے وہ تماشہ دیکھا جو اس نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ ایک ٹرک پوری رفتار سے سیدھا بڑے گیٹ کی طرف بڑھا اور اس کے دوست چوکیدار کو کچلتا ہوا اندر گھس گیا۔ ابھی اس کی حیرانی دور نہ ہوئی تھی کہ جاسوسوں کے اڈے میں ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔۔۔لوگ کہتے ہیں خوفناک تھا۔ منّی کو تو پتا بھی نہ چلا۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ اس کا سانس باہر نکلا تو اندر آنا بھول گیا۔

''منّی اپنی تین سالہ طویل عمر گزار کر اللہ میاں سے ملنے چلی گئی۔''

یوں تو یہ اچھا ہی ہوا۔ عدل بھی کسی چیز کا نام ہے۔

''منّی نے کیوں عراق پر حملہ کیا تھا؟''

OOO

ادویاتی اشیا کا غیر طبی استعمال اور ان پر انحصار قابلِ علاج مرض ہے

(Drug Dependence is a Curable Disease)

Drug ڈرگ کا لفظی معنی تو دوا ہے مگر جب یہ نشہ آور دوا کے لیے استعمال ہونے لگا تو امریکیوں نے اس کی جگہ Substance کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اردو معنی شے ہے جو بہت ہی عمومی معنی رکھتا ہے۔ امریکی تو اس کے ساتھ کبھی Abuse یا غلط استعمال اور کبھی Use استعمال کا لفظ برتتے ہیں۔ میں نے بہتر تفہیم یا ابلاغ کے لیے طبی اشیا یا ادویاتی اشیا کا لفظ استعمال کیا ہے۔

انحصار (Dependence)

W.H.O کی سفارش کے مطابق نشے اور عادت دونوں کی جگہ لفظ انحصار ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ انحصار جسمانی بھی ہوتا ہے اور نفسیاتی بھی۔

نارسائی اگر اپنی تقدیر تھی
تیری اُلفت تو اپنی ہی تدبیر تھی

کس کو شکوہ ہے گر شوق کے سلسلے
ہجر کی قتل گاہوں سے سب جا ملے

عادت تو نہانے کی بھی ہوتی ہے اور نہ نہانے کی بھی۔ عادت تو شاعری کرنا بھی ہے اور شاعری پڑھنا بھی۔ اس سے بڑی عادت جو نشہ کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اخبار بینی ہے۔ اخبار نویسی تو پیشہ ہے، اخبار پڑھنا پیشہ نہیں ہے، عادت ہے نشہ ہے۔

اخبار کا نشہ وہ نشہ نہیں ہے جس کا ذکر ہم آج کرنے جا رہے ہیں، اخبار پڑھنا ایک ضرورت ہے اور اس حوالے سے پڑھے لکھوں کی عادت ہے اور جب یہ عادت پختہ ہو جائے تو ہم اندازِ بیاں کے طور پر اسے نشہ کہہ دیتے ہیں۔

ہم لوگ جن کا تعلق انسانی ذہن، سوچ، جذبات اور ان کی صحت یا بیماری سے ہے یعنی نفسیات دان اور نفسیاتی بیماریوں کے معالج یا Psychologist اور Psychiatrist نشہ یا Addiction کا لفظ استعمال نہیں کرتے کہ یہ لفظ سوئے استعمال سے حرفِ تشخص نہیں گالی بن گیا ہے اور ہم طبیب لوگ اگرچہ اسی معاشرے کے افراد ہیں، جس میں گالی بکنا قابلِ فخر کام اور بڑائی کی نشانی ہے اپنے گاہکوں کے احترام میں اس لفظ سے اجتناب کرتے ہیں۔

لفظ نشہ کے بہت سے مشتق ہیں، نشئی، پوستی، شرابا، جہاز، پینگھ وغیرہ وغیرہ۔ چنگیز خان کے کسی چمچے نے مشہور کر رکھا ہے کہ وہ بہت رحم دل اور ہمدرد تھا اور مثال اس رحم دلی کی یوں ہے: ''چنگیز خان کی شاہی سواری جا رہی تھی اور عوام اپنے آمر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے دو رویہ کھڑے تھے کہ عوام کالانعام (لفظی معانی: عوام مثلِ ڈھور ڈنگر) کو آمر بہت اچھے اور نیک لگتے ہیں ایک تماشائی بی بی کا بچہ ہجوم میں گر گیا اور ڈر تھا کہ ڈھور ڈنگر کے پاؤں تلے کچلا جاتا کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر چنگیز خان کے دِل میں درد کی اِک موج اُٹھی اس نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بچہ اپنے نیزے کی نوک میں اُڑس کر ماں کے حوالے کر دیا۔۔۔ تالیاں حضرات تالیاں۔۔۔ اب بھی کچھ کچھ مغرب زدہ جمہوریت کی راگنی الاپتے اور ڈفلی

بجاتے رہتے ہیں۔

چنگیز سمان کچھ نیک دِل لوگوں کو نشئیوں پر لادا گیا ہے انھوں نے بعد از صرفِ زرِ کثیر چوک چوک اور گلی گلی بورڈ لگوا دیئے ہیں کہ نشہ لعنت ہے اللہ اللہ خیر صلا۔۔۔ بیمار کو گالی دے دی ٹھیک تو ہو ہی جائے گا۔''

میں نے آج تک کسی اخبار میں کسی مضمون میں، کسی بورڈ پر، کسی تقریر میں یہ نہیں پڑھا یہ نہیں سنا کہ منشیات فروشی ایک لعنت ہے۔ ہم کسی وعظ، کسی اداریے میں نشہ آور چیزوں کی تیاری اور فروخت کو لعنت نہیں کہتے، جرم نہیں کہتے وہ۔۔۔ کس لیے، کہ ہم بڑی بڑی مونچھوں اور خوفناک داڑھیوں والے کلاشنکوف بردار سواروں سے ڈرتے ہیں۔

ہم آج مجرموں کی نہیں انسانوں کی بات کریں گے، اُن مجبور اور بیمار انسانوں کی جو ادویاتی اشیا کے غیر طبی استعمال کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ یہی فسانہ مبتلا آج کا موضوعِ سخن ہے۔ آیئے تھوڑی دیر کو اس بات پر غور کریں کہ لوگ آخر کیوں ایسی اشیا استعمال کرتے ہیں اور کیوں کر ان کے عادی ہو جاتے ہیں۔ برٹن رُوشے اپنی کتاب ''الکحل'' میں لکھتا ہے:

''نسل انسانی کی بنیادی ضرورتیں خوراک، لباس اور سر چھپانے کی جگہ ہیں۔ اس بنیادی تثلیث میں دو اور برابر کی اہم چیزوں کا اضافہ کرتے ہیں، تحفظ اور پیار۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی ضروریات ہیں جو اتنی اہم تو نہیں مگر ان سے انکار بھی آسان نہیں۔ ان میں سے ایک جو شاید سب سے زیادہ اپنی تشفی کے لیے اصرار کرتی ہے، حقیقت کے ناقابلِ برداشت پنجے سے کبھی کبھار رہائی ہے معلوم تاریخ کے سبھی انسان ذہن اور یادداشت کے اس جبر سے شناسا ہیں اور سب نے تلاش کی ہے کسی ایسے قابلِ اعتبار ذریعے کی جو کچھ دیر کے لیے ہی سہی اس بندھن کو ڈھیلا کر دے، اسی بات کو علامہ اقبال نے انتہائی خوبصورت طریقے سے یوں بیان کیا ہے:

؎ او بیک دانۂ گندم بزمیم انداخت
تو بیک جرعہ، آب آنسوئے افلاک انداز

یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ایک گندم کا دانہ دے کر زمین پر پھینک دیا کہ جا فکرِ معاش کر۔

اے ساقی تو شراب کے ایک قطرے سے مجھے افلاک کی سیر کرا دے۔ پُرانے وقتوں میں یہ اشیا مذہبی رسومات میں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ کیتھولک Mass میں شراب اور صوفیا کے ہاں بھنگ کا استعمال سب کے علم میں ہے۔ اصل مسئلہ ان اشیاء کی موجودگی سے انکار، ان کی ضرورت سے انکار یا اس بات سے انکار نہیں کہ کچھ لوگ ان اشیاء کے ہاتھوں بے بس بھی ہو جاتے ہیں، ان مہذب اقوام نے جو نعرے بازی کی بجائے مسائل کے حل کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں یہ کیا ہے کہ ان ملکوں میں ہلکے پھلکے نشے مثلاً چرس کا سگریٹ اور ہلکی پھلکی شراب مثلاً بیئر اگر قانونی اور سماجی طور پر مباح نہیں تو کم از کم غیر قانونی بھی نہیں۔ رُوشے کی بیان کردہ وجہ کے علاوہ دو اہم وجوہات بھی ہیں: اولاً سماجی میل جول میں تفریحی استعمال یا---Recreative use جو ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگ کرتے ہیں۔ اسی ذیل میں افیون اور ہیروئن کا بہتر اور طویل تر جنسی کارکردگی کے لیے استعمال شامل کیا جا سکتا ہے۔ (جسے حکما مسک کہتے ہیں)

ثانیاً تجرباتی استعمال یا Experimental Use جو Teenagers یا چڑھتی جوانی کے لوگ کرتے ہیں جن کی نفسیاتی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو بالغ اور مرد ظاہر کریں---ان میں سے اکثر چند بار کے تجربے کے بعد توبہ کر لیتے ہیں۔ البتہ ضرورت سے زیادہ ردِعمل ہو تو چرس اور بیئر کی بجائے ہیروئن جیسا خفیہ نشہ شروع کر لیتے ہیں جس کا نہ ابا کو پتہ چلتا ہے نہ دادا کو، جب تک کہ عادت پختہ نہ ہو جائے۔ ان لوگوں کی ایک واضح اکثریت چند بار کے تجربے کے بعد زندگی کی مصروفیات میں کھو کر ان تجرباتی نشوں کو چھوڑ دیتی ہے۔ ماسوائے ان بدقسمتوں کے جنھوں نے یہ تجربہ ہیروئن سے کیا ہو، آپ جانتے ہی ہیں کہ ہیروئن سے چھیڑ چھاڑ کتنی خطرناک ہو سکتی ہے۔ میں نے شروع میں فیض صاحب کے اشعار اسی صورتِ حال کی طرف توجہ دلانے کے لیے کہے تھے۔

تیری اُلفت تو اپنی ہی تدبیر تھی

اب چند الفاظ اس مسئلے کے حل کے ضمن میں۔ مذہبی لوگ چلّے اور وظائف بتائیں گے۔ دوزخ سے ڈرائیں گے۔ قانونی لوگ کوڑوں اور قید و بند کی بات کریں گے۔ جیل والوں کے نزدیک جیل ہی ہر مرض کا علاج ہے۔ یادش بخیر ایک D.I.G جیل خانہ جات ہوتے تھے۔ حافظ قاسم یا ایسا ہی بھلا سا نام تھا وہ مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے لوگوں کو فی سبیل اللہ جیل میں بند کر دیتے تھے اور سلاخوں میں سے خوراک پہنچاتے تھے اور سارا دِن تلاوت سناتے تھے۔ یہ مریض جیل سے فارغ ہوتے ہی ہیروئن کی تلاش میں نکل پڑتے تھے۔ شفیق الرحمان نے رسالے کے اس فوجی کا ذکر کیا ہے جو پہلی جنگ میں تھا اڑیل گھوڑے کا علاج کان مروڑ کر کر لیتا تھا اور چاہتا تھا کہ بگڑی موٹر کا علاج بھی کان مروڑ کر ہی کرے۔ ہمارے حافظ صاحب بھی مریض اور مجرم کا فرق نہ جانتے تھے۔ لٹھ مار نشئیو کو دُرّے لگانے کا مشورہ دیں گے۔ ڈاکٹر اور حکیم اور ہومیو پیتھ علاج بالدوا تجویز کریں گے کچھ لوگ سوئیاں چبھوتے ہیں مثلاً بھائی، بھابھیاں اور Acupuncture والے، غرضیکہ جگر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ شادی بھی علاج کے طور پر تجویز کی گئی ہے تا کہ ایک کی بجائے دو گھر اُجڑیں تو مرگ انبوہ جشنے دارد کا سماں بن جائے۔

سائکاٹرسٹ چونکہ وکھری ٹائپ کے ڈاکٹر ہوتے ہیں جو دواؤں کے علاوہ انسانوں کی نفسیاتی ضرورتیں اور جذباتی اُلجھنیں بھی ذہن میں رکھتے ہیں اور انسانوں کے سماجی اور معاشرتی ساخت پر بھی غور کرتے ہیں اس لیے ان کا پختہ یقین ہے کہ انسانوں کی ضروریات جانوروں کے برعکس محض جسمانی نہیں---انسان ذہنی اُلجھنوں سے پناہ مانگتے ہیں---حاسدوں سے پناہ مانگتے ہیں انسان لمحاتی سکون چاہتے ہیں۔ انسان اپنے مسائل کے مستقل حل کے علاوہ وقتی سہارے بھی کھوجتے ہیں---غرضیکہ انسانی مسائل کا حل بھی انسانی ہونا چاہیے، حیوانی یا قانونی یا مذہبی نہیں---

اس صدی کے شروع سالوں میں امریکیوں نے شراب کو غیر قانونی قرار دینے کا تجربہ کیا تھا۔ اب امریکی سامراج مردہ باد اپنی جگہ، یہ بات تو آپ مانیں گے کہ وہ ہم سے زیادہ Efficient اور کم بے ایمان ہیں۔ آیئے دیکھیں ان کا یہ تجربہ کیسا رہا۔ اس پابندی کے نتیجے میں شراب کسی نے چھوڑی نہیں البتہ جگہ جگہ مجرموں کے طاقتور گروہ یا مافیے قائم ہو گئے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں ہے۔ ان مافیوسائی نے ان کی پولیس کو کرپٹ کر دیا۔ ان کی عدلیہ کو کرپٹ کر دیا۔ ان کے سیاست دانوں کو کرپٹ کر دیا جیسا کہ۔۔۔ کہہ دوں؟۔۔۔ جیسا کہ ہمارے ہاں ہوا ہے۔ وہ لوگ عملیت پسند ہیں اپنے اعمال کا تجزیہ کرنے کی جرأت رکھتے ہیں انھوں نے بندش شراب سے توبہ کر لی کہ یہ قدم عوامی فلاح کے لیے تھا، ثواب کی لیے نہ تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ بت شکنی اچھی چیز ہے اگر بت شکنی کو ہی بت نہ بنا لیا جائے۔

اس کے بعد بھی مہذب قوموں کا ایک صدی کا تجربہ موجود ہے۔ علاجِ منشیات کا اخلاقی ماڈل، جرم وسزا والا ماڈل اور امتناع والا ماڈل کامیاب نہیں ہو سکے۔ میڈیکل ماڈل کو کچھ کامیابی ملی ہے مگر اس میں Relapse Rate یعنی بیماری کے عود کرنے کی شرح بہت زیادہ ہے۔ البتہ ادویاتی علاج کو نفسیاتی علاج سے ملانے سے بہتر نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان معاشروں نے ہلکی پھلکی Drugs یعنی ایسی ادویاتی اشیاء جو وقتی طور پر سوچوں کے تلاطم میں سکون پیدا کر سکیں اور بھرے ہوئے ناقابلِ برداشت جذبات کو سہارا دے سکیں مثلاً بیئر یا چرس، قانونی راہوں سے دستیاب کر دی ہیں تا کہ لوگ، سادہ لوح لوگ، محنتی، نیک، ایماندار مگر دُکھی لوگ زیادہ طاقتور نشوں مثلاً تیز شراب اور ہیروئن سے، اور ان کو غیر قانونی طور پر مہیا کرنے والے مجرموں سے اور چوکوں میں منہ سونگھنے والوں سے بچ سکیں۔ اس طریقۂ کار کے نتیجے میں تجرباتی استعمال سے عادی مریض بننے والے نوجوانوں کے تناسب میں ڈرامائی کمی ہوئی ہے۔

OOO

حالانکہ ڈاکٹر حسن امام شیعہ بھی نہیں تھا

ایک انگریزی محاورے کے مطابق ''دیوتا جس قوم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں پہلے اسے پاگل بنا دیتے ہیں۔'' میں جب اس محاورے کا اطلاق آج کے پاکستان پر کرتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں۔ پاکستان کے 80 فیصد لوگ ان پڑھ ہیں پاگلوں کی فیصد کیا ہے؟ ڈاکٹر حسن امام جعفری سوشل سکیورٹی ہسپتال میں میڈیکل آفیسر تھے۔ گذشتہ ہفتے شام کے وقت ڈیوٹی اوقات کے بعد چند دوست ڈاکٹروں سے گپ شپ لگا رہے تھے۔ باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، سرما کی بارش جس کا شدید سردی کے باوجود ایک اپنا حسن ہوتا ہے۔ ایک حسین اداسی ہر شے پر چھا جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا چند قدم پر میرا کلینک ہے ذرا ہو آؤں شاید کوئی مریض ہو۔ دو دفعہ تو دوستوں نے ٹھہرا لیا تیسری دفعہ اصرار کر کے چلے گئے۔ ''یار کوئی سو پچاس کما لینے دو'' ۔۔۔ یہ ہے الٹی چھری والے ڈاکٹروں کی اوقات اس لکھ پتیوں کے شہر میں!

کلینک پر ایک مریض تھا اسے دیکھ کر نسخہ ڈسپنسر کے حوالے کیا تم دوا بناؤ میں بڑی D تک ہو آؤں والدہ نے کہا تھا آج مچھلی لے کر آنا۔ کلینک سے باہر آ کر موٹر سائیکل کو چابی

لگا رہے تھے کہ دو اشخاص ٹہلتے ہوئے تشریف لائے ایک نے ڈاکٹر صاحب کی کنپٹی پر پستول رکھ کر چار فائر کیے اور وہ دونوں معززین ایک ڈاکٹر کو 'کیفر کردار' تک پہنچا کر ٹہلتے ہوئے تشریف لے گئے۔ فیصل آباد شہر میں آج کل عمر شریف ڈرامہ ''ڈاکٹر، ڈاکو اور ڈانسر'' چل رہا ہے۔ ڈاکوؤں کا پھیلایا ہوا یہ فکری مغالطہ عام ہے کہ ڈاکٹر بھی ڈاکو ہوتے ہیں۔ بہرحال ڈاکٹر ہو یا ڈاکو جس کا جی چاہے مکھی کی طرح مسل دے۔ کیا ڈاکو بھی ڈاکٹروں کی طرح غیر مسلح ہوتے ہیں، شام کو دروازے کھول کر کلینک میں بیٹھتے ہیں، موٹر سائیکلوں پر آتے جاتے ہیں، آدھی رات کو گھنٹی بجنے پر دروازہ کھول دیتے ہیں؟ پجیرو میں چار گارڈوں کے ہمراہ سفر کرنے والے گھر پر دو دو مسلح گارڈز رکھنے والے وہ تو نہ ڈاکٹر ہوتے ہیں نہ ڈاکو شریف لوگ ہوتے ہیں، رہنما ہوتے ہیں، علماء ہوتے ہیں۔ اسی لیے کلاشنکوف والے محافظ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

ڈاکٹر تو ایک پستول بھی نہیں رکھ سکتا۔ کلاشنکوف بردار کا خرچہ کہاں سے لائے گا اور کون سا ڈپٹی کمشنر یہ سند دے گا کہ فلاں ڈاکٹر پاکستان کا شریف اور معزز شہری ہے اسلحہ رکھنے کے قابل ہے اور ڈاکٹر کلاشنکوف برداری اور کلاشنکوف برداری کی صفات کہاں سے لائے۔۔۔ کہ قلم اٹھانے والے ہاتھ اوزار اٹھانے والے ہاتھ محنتی ہاتھ کلاشنکوف نہیں اٹھا سکتے، گالیاں بک نہیں سکتے، بڑھکیں لگا نہیں سکتے، ٹانگیں توڑ دیں گے سر پھوڑ دیں گے۔ یہ بیچارے تو چھوٹے چھوٹے زخموں کو بھی سینے بیٹھ جاتے ہیں، نامرد کہیں کے۔ کیا ڈاکٹر حسن شیعہ تھے؟ یہ سوال مجھ سے ایک بہت بڑے اخبار کے بیورو آفس انچارج نے پوچھا۔ بہت ملائمت سے، بہت عزت سے، جی نہیں، وہ تو عطاء اللہ شاہ بخاری کے عزیز تھے۔ ایک ساتھی نے جواب دیا انچارج صاحب نے ہمارے سامنے اپنے نائب کو سرزنش کی نگاہ سے دیکھا! اب اچھی طرح وضاحت کر دینا! اور ہمیں مخاطب کر کے ہمیں پرسہ دیا دیکھو جی کتنا بڑا ظلم ہو گیا۔ ڈاکٹر سید حسن امام جعفری شیعہ بھی نہ تھا۔

یہی سوال ایک آدھ لفظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مجھ سے کم و بیش پچاس لوگوں نے پوچھا ہے۔ ان میں صحیح العقیدہ لوگ تو تھے ہی بعض سلیم العقل لوگوں نے بھی اسی انداز سے سوال کیا۔ اسی انداز سے حیرانگی کا اظہار اور اسی پیار سے ڈاکٹر صاحب کے قتل پر اظہارِ افسوس کیا۔ یعنی اگر ڈاکٹر حسن امام شیعہ تھا تو اس کا قتل جائز تھا، صحیح جہاد تھا؟

''دیوتا جب کسی قوم کو۔۔۔ یہ سوچ یہ نظریہ ''نفاذ بذریعہ بدمعاشی'' کا نظریہ ہے۔ نظریے کا غلبہ دنیا پر چھا جانے کا شوق، قتل و خون اور ظلم و تعدی کے ذریعے۔ بھولے بادشاہ ہو! ایسے غلبے کون ہونے دیتا ہے؟

بہت سے فرعون اسی خواہش میں مر گئے اب یار لوگ لٹھ برداری سے گن برادری تک آ گئے ہیں۔ مگر ظلم و جہالت کا غلبہ نہ کبھی ہوا نہ ہو گا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ کیا ڈاکٹر صاحب شہید ہو گئے؟ یہ سوال ایسے ملک میں اُٹھایا گیا جہاں قتل کے جرم میں پھانسی لگنے والا بھی شہید ہے اور زندہ آگ میں جلنے والا بھی۔ ڈاکٹر صاحب کے قتل کے خلاف احتجاجی جلسے میں سبھی نے ڈاکٹر صاحب کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا، قتل بے جا پر غم و غصہ کا اظہار کیا، قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا اور غصے میں بدلے کی بات بھی کی۔ شہادت تو ہماری قوم کے نصیبوں میں لکھی ہے۔ ہزاروں سالوں سے حملہ آور دھاڑوی گھوڑ سوار اس بدنصیب دھرتی کو روندتے رہے ہیں۔ سندھ میں تو ہر دکھ تکلیف کے موقع پر ''گھوڑ ورے گھوڑو'' کہتے ہیں۔ جس طرح حسین عورت کا حسن اس کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مادر وطن کی زرخیزی صحرائی اور نیم صحرائی علاقے کے بھوکوں کی ہوس ناک نظروں کی تاک میں رہی ہے۔ ہماری کوئی نسل ایسی نہیں جس نے اپنے حصے کے شہید نہیں دیے۔ غرضیکہ شہیدوں کی ایک لمبی لڑی ہے، ایک لمبا سلسلہ ہے۔ کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ نیست۔۔۔ جو شہید نہ ہوا وہ ہمارے قبیلے کا نہ تھا۔

یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک چلا اس کے بعد بیرونی حملہ آوروں کی جگہ اور فاتحین نے

لے لی جنہوں نے باری باری اپنی ہی قوم کو فتح کیا۔ اس سلسلے میں ایک بڑا ظلم یہ ہوا کہ ہماری قوم کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی بائیں بازو والوں کو بائیں کے نعرے لگانے والے حکمرانوں کے ظلم اور بے ایمانیاں نظر آنی بند ہو گئیں۔ اور دائیں بازو والوں کو اسلام کی پسندیدگی کا دعویٰ کرنے والے حکمرانوں کی بے ایمانیاں اور ظلم نظر آنا بند ہو گئے بلکہ بھینگی آنکھوں میں ہیما مالنی کی آنکھوں کا حسن نظر آنے لگا اور بعض کو تو اپنی کانی آنکھ سے حسن سیرت بھی نظر آ گیا تھا۔

گو کسی کام کا ہوتا نہیں بھینگا معشوق
کانے عاشق کو ملے مفت تو مہنگا کیا ہے

ڈاکٹر حسن امام کا قتل ایک سفاکانہ اقدام تھا، غیر انسانی اقدام تھا، ظلم تھا۔ سبھی قتل غلط ہوتے ہیں، صحیح قتل کوئی نہیں ہوتا۔ کسی انسان کو دوسرے انسان کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ماسوائے معروف قانونی طریقے سے کسی انتہائی شدید جرم کی سزا کے طور پر بعض اشخاص جنہوں نے خود ہی اپنے آپ کو قاضی، منصف اور جلاد کا مقام دے لیا ہے۔ مجرم سے قانون کے مطابق نپٹنا حکومت کا کام ہے، پورے معاشرے کا کام ہے۔ مقتولوں کا بدلہ لینا معاشرے کا کام ہے کسی ایک شخص کا نہیں ڈاکوؤں اور قاتلوں کے مسلح گروہوں سے نپٹنا معاشرے اور حکومت کا کام ہے۔ مسلح جتھوں کی موجودگی سیاسی مسئلہ ہے اور سیاسی حل کا طالب ہے۔ مرنے والے کے قریبی لوگ ظاہر ہے قتل پر مشتعل ہوتے ہیں خواہ وہ خون کے رشتے سے قریب ہوں یا نظریے کے رشتے سے مگر اس قتل کے بدلے کا حق معاشرے اور حکومت سے لے کر اشخاص کو نہیں دیا جا سکتا ان عزیزوں کے جذبات اپنی جگہ معاشرے کا چلن اپنی جگہ۔

لوگ ظلم کے بدلے کی بات کرتے ہیں۔ 'الف' کے ظلم کا بدلہ 'ب' سے لینا یعنی اگر الف قتل کرتا ہے تو اس کا بدلہ اس کے بھائی سے لینا، اس کے بچوں سے لینا، اس کی خواتین کی

بے حرمتی کرنا، اس کے گاؤں کو جلا دینا، یہ ظلم کا بدلہ نہیں ظلم در ظلم ہے۔ یہ وہ قتل ہے جو قتلوں کے سلسلے کو جائز قرار دیتا ہے۔ الف کے ظلم پر ب کو مارنا فرقہ پرستی، نسل پرستی یا سیدھی سادھی قبائلیت اور جہالت تو ہو سکتی ہے، انصاف نہیں اور جب تک سول آبادی کے ہاتھوں میں اسلحہ رہے گا۔ ایسی قبائلیت چلتی رہے گی۔ ہماری بہادر مسلح افواج اور مستعد پولیس کی موجودگی میں عام شہریوں کے ہاتھ میں اسلحہ کا کیا جواز ہے؟ لائسنس کا سوال نہیں لائسنسی بندوق بھی اسی آسانی سے قتل کر سکتی ہے جتنی آسانی سے ناجائز اسلحہ اور سر راہے۔ ناجائز اسلحہ وہ ہوتا ہے جس کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو۔

قتل کا بدلہ قتل ہرگز نہیں ہے، ظلم کا بدلہ ظلم نہیں ہے۔ یہ مطالبہ عام ہوتا ہے سر عام پھانسی دو کس لیے؟ یہ ضیاء الحق سوچ اس لیے ہے کہ نئی نسل کے اندر اگر کچھ پاکیزہ جذبات باقی ہیں تو وہ بھی پھانسی کا ڈرامہ دیکھ کر ختم ہو جائیں اور وحشیوں کی ایک نئی نسل تیار ہو جائے۔ اسے نفسیات کی زبان میں "Brutalisation" یا حس لطیف کو جانوروں اور وحشیوں کی سطح پر لانا کہتے ہیں۔ جو کبھی آمروں اور تنگ نظر رہنماؤں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ ظلم کا بدلہ یہ ہے کہ ظلم اور ظلم کا امکان ختم ہو کلاشنکوف لہرانے والے ہاتھوں سے گن چھین کر قلم، اوزار پکڑایا جائے ظلم کا بدلہ ظلم کو مٹانا ہے ظلم کے چلن کو مٹانا ہے۔ پس نوشت ڈاکٹر حسن امام کے قتل کے ایک ہفتہ بعد صوبے کے انتظامی سربراہ فیصل آباد تشریف لائے ایک ڈسپنسری کے ڈاکٹر کو معطل کر دیا (تالیاں) تھیٹر والے ڈاکٹر کو ڈاکو سے مماثلت دے کر تالیاں کماتے ہیں۔

ڈاکٹر حسن امام کے قتل پر اس کے گھر جا کر یا ہسپتال جا کر تعزیت کرنے کا وقت وزیر اعلیٰ کے پاس نہ تھا وہاں تو گلے شکوے ہوتے، تالیاں کون بجاتا۔ بچہ لوگ تالی بجاؤ!

○○○

تعویذ گنڈے کے بارے میں

کس زبان مرا نمی فہمد
بہ عزیزاں چہ التماس کم

چونتیس (۳۴) طویل سال گزر گئے ڈاکٹری کرتے کرتے، اپنے مریضوں کو گنڈے تعویذ سے نہیں ہٹا سکا بلکہ اب تو یہ کوشش بھی ترک کر دی ہے جب سے میں نے ''با قاعدہ'' ڈاکٹروں (ایم بی بی ایس پلس +) کو یہ کسب کرتے دیکھا ہے۔ ان میں سے ظاہر ہے ایک بڑی فیصد تنظیموں کی پرچیوں پر پاس ہونے والوں کی ہے۔

؎ دیکھ کر رقص جنوں کو عدم
عقلِ ناکردہ کار رقصاں ہے

ڈاکٹری سائنس کی ایک شاخ ہے یا ہونی چاہیے۔ بغیر سائنسی رویے کے کسی سچائی کو سمجھنا مشکل ہے۔ دنیا کو سمجھنا مشکل تر ہے اور دنیا کو بدلنا ناممکن ہے۔ کوئی بھی سائنس آخری سچائی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی یہ تو ایک طریقۂ کار ہے دنیا کو سمجھنے کا، حقائق کو اکٹھا کرنے کا، ان سے ایک نتیجہ، ایک سوچ، ایک نظریہ نکالنے کا، ان نتائج کو عمل کی کٹھالی میں پرکھنے کا، اس عمل کے نتیجے میں ہونے والے تجربات کو اکٹھے کرنے کا، اس سے اپنے

خیالات میں ترمیم کر کے نئی سوچ، نیا نظریہ بنانے کا، اس نظریے کو پھر سے عمل کی کسوٹی پر پرکھنے کا۔۔۔وعلی ھذالقیاس

یہ عمل غیر مربوط طریقے سے ہزاروں لاکھوں سالوں سے جاری ہے۔ اس پر عمل کو مربوط طریقے سے خاص حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے کرنے کا نام ہی سائنس ہے۔ زندگی کے بارے میں آپ کی سوچ اور رویہ یا تو مصالحت کی سوچ، سائنس کے ساتھ بھی مصالحت، جہالت کے ساتھ بھی مصالحت ''ہم ٹھہرے میراثی، ہم حسینوں پاکوں اور یزیدوں پاکوں میں فرق نہیں کرتے۔''

ویسے سائنس دشمنی بھی زندگی کرنے کا ایک اسلوب ہے جو لوگ صمیم قلب اور یکسوئی سے غیر سائنسی سوچ اپنا لیتے ہیں۔ دنیاوی طور پر خاصے کامیاب رہتے ہیں۔ تعویذ لکھتے لکھتے پیر بن جاتے ہیں اور پھر پیر سے ایم این اے، ایم این اے سے وزیر یا گورنر۔

سولہویں (۱۶) صدی کے فرانس کے ایک ''فلاسفر'' نے تو با قاعدہ طور پر عقل اور سائنس کی ہجو لکھی ہے۔ نام اس کی کتاب کا ہے۔ ''سائنس کی بے یقینی اور غرور'' یہ حضرت انری کارنیلیس اگرپا، کولون میں پیدا ہوئے۔ بعد میں اپنے نظریات کی ترویج کے لیے پیرس تشریف لے گئے۔ ان کے اقوال زریں میں سے چند ایک یوں ہیں۔۔۔

وہ حروف ابجد کی بے ترتیبی پر تنقید کرتا ہے۔ گرائمر پر ہنستا ہے، جس میں استثناء قواعد سے زیادہ ہیں۔ شاعروں کو پاگل کہتا ہے۔ تاریخ کو داستان طرازی قرار دیتا ہے۔ تقریر کا فن، اس کے کہنے کے مطابق، خطابت کے زور پر غلطی کو منوانے کا فن ہے۔ فلسفہ ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے والی آراء کا مجموعہ ہے۔ اخلاقیات جگہ اور وقت کے ساتھ بدلتی ہے۔ یہاں کچھ، وہاں کچھ، یہاں کیا، وہاں کیا۔ تجارت دھوکہ ہے، تمام خازن خائن ہوتے ہیں۔ جنگ ایک اقلیت کے کھیل تماشے کے لیے اکثریت کے قتل کا نام ہے اور۔۔۔اور۔۔۔
(اب جگر تھام کے بیٹھو کہ ہماری باری آئی)۔۔۔ ''ڈاکٹر اور دوا سے بیماری کی نسبت زیادہ

خطرہ ہے۔"

اس کی خوش قسمتی خاصی سست رفتار رہی۔ سولہویں صدی کے فرانس میں تو اسے پیروکار نہ ملے۔ آج کے پاکستان میں اس کے لاکھوں مرید ہیں جو باقاعدگی سے، ایمانداری سے اور محنت سے عقل وخرد کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔

آخری سچائی تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔ ہم سب تاریکی کے ذرے ہیں جو روشنی کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ یہ الگ بات کہ کچھ لوگوں نے تھک ہار کر نیم تاریکی یا اتھاہ تاریکی کو ہی روز روشن گرداننا شروع کر دیا ہے۔ میں نے بھی ایک پروفیشنل ہونے کے حوالے سے ایک ڈاکٹر ہونے کے حوالے سے اپنے مریضوں کی جہالت کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ (ساتھ ساتھ اپنی بھی) اس میں ناکامی کو آج اپنے ہم پیشہ ساتھیوں سے Share کر رہا ہوں۔

سائنس کا چلن پاکستانی معاشرے میں بڑھنے کی بجائے کم ہوا ہے۔ ایک وجہ تو ظاہر ہے تعلیم کی کمی ہے۔ ہمارے سکولوں، مدارس اور مکاتب کا حال سب پر عیاں ہے۔ ایک ہی ملک میں تعلیم کے دوہرے، تہرے معیار ہیں۔ (یا "غیر معیار" ہیں)

ہماری ایک نمبر تعلیم بھی ایک نمبر نہیں۔ دو نمبر کی تو بات ہی چھوڑیے۔ جہالت کی فیکٹریاں ہیں جو دن رات چل رہی ہیں۔ ہمارے فارغ التحصیل تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کولمبیا کون سے براعظم میں ہے اور یہ کہ براعظم کیا ہوتا ہے۔ جغرافیہ کیوں پڑھنا چاہیے، غیر اسلامی تاریخ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟

بعض کو یہ علم نہیں کہ وہ دور جاہلیت ختم ہو چکا ہے جس سے وہ جنگ کر رہے ہیں۔ ہماری جنگ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ، ہم سے زیادہ پڑھے لکھے، ہم سے زیادہ محنتی، ہم سے زیادہ ایماندار لوگوں سے ہے۔ بغیر علم اور سائنس کے ان پر چھانا اور غلبہ پانا کچھ مشکل سا لگتا ہے۔

لوگ ہیں کہ درختوں کی شاخوں سے چیتھڑے باندھ کر، یا بازو پر تعویذ باندھ کر یا

گلے میں گنڈا ڈال کر علاج چاہتے ہیں۔ کس زبان مرا۔۔۔

"کوئی میری زبان سمجھتا نہیں
عزیزوں سے التماس کیا میں کروں"

گنڈا ایک رسی کو گانٹھیں دے کر اور گانٹھوں پر پھونکیں مار کر تیار کیا جاتا ہے۔ اس رسی کو مریض کے گلے میں باندھا جاتا ہے۔ تعویذ تیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ کر ان میں بے ترتیب حروف یا کوئی سے الفاظ لکھ دیتے ہیں۔ الفاظ کسی غیر زبان کے ہوں تو تعویذ زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ استعمال یہ ہے کہ اس کاغذ کو چمڑے (ریکسین نہیں) یا چاندی کی ڈبیا میں بند کر کے، اس میں ایک کالا دھاگا ڈال کر گلے میں حمائل کر دیا جاتا ہے، بعض ماہرین کے نزدیک اس تعویذ کی سیاہی کو پانی میں حل کرنے سے اور مریض کو پلانے سے یہ سریع الاثر ہو جاتا ہے اور وریدی ٹیکے جیسا اثر رکھتا ہے۔

ایک پرانی کہانی ایک عوامی ہیرو کے بارے میں ہے۔ بادشاہ نے اسے گرفتار کر کے ایک پتھریلے تہہ خانے میں قید کر دیا۔ خونخوار پاسبان اس پر مقرر کر دیے جو کلاشنکوفوں (یا شاید تلواروں) سے مسلح تھے۔ اب یہ ہیرو چونکہ ہیرو تھا اس لیے گھبراہٹ اس کے نزدیک نہ پھٹکی۔ اس نے ایک کوئلہ فرش سے اُٹھایا۔ دیوار پر ایک ندی کی تصویر بنائی پھر ایک ناؤ کی۔

ہیرو ناؤ میں سوار ہوا، چپو ہاتھ میں پکڑا، خدا حافظ زندان، خدا حافظ محافظو، ہمارا ہیرو مسکرایا (بلکہ طنز آمیز ہنسی بھی ہنسا) کیونکہ وہ اب آزاد تھا۔

امید ہے آپ کو یہ کہانی پسند آئی ہو گی مگر افسانہ افسانہ ہے اور حقیقت حقیقت، دیوار پر کھینچی ہوئی لکیروں کی ناؤ نے آج تک کسی کو آزاد نہیں کیا۔ نہ ہی رسیوں میں دی ہوئی گانٹھیں یا کاغذ پر آڑے ترچھے الفاظ اور لکیریں کسی مرض کا علاج ہیں۔

○○○

تمام قاتل باغیرت ہیں

سبھی والدین اپنے بچوں کو سچ بولنے کا درس دیتے ہیں، سبھی سے میرا مطلب تقریباً ننانوے فیصد لوگ ہیں، باقی ایک فیصد میں وطن فروش، مذہب فروش، ہیروئن فروش وغیرہ آجاتے ہیں۔ جو خود بھی جھوٹ کی کمائی کھاتے ہیں اور اپنی لاڈلی اولاد کو بھی یہی پٹی پڑھاتے ہیں۔ اس لیے وہ ملتانی محاورہ کہ دو طرح کے انسانوں کا کوئی علاج نہیں، ایک وہ جو دریا پار جا کر گالی دے اور دوسرا وہ جو منہ پر جھوٹ بولے۔

جو رشوت خور دفتر میں بیٹھ کر ایمانداری پر لیکچر دے، جو سیاسی یا مذہبی لیڈر پاکستانیوں کو پاکستانیوں سے لڑائے اور قومی اتحاد کی بات کرے، جو نظریہ دان انسانی حقوق کی بات کرے مگر اہلِ وطن کو ''ایک نمبر'' اور ''دو نمبر'' شہریوں میں تقسیم کرے۔ اکثریت کے حقوق عورتوں کو دینے پر آمادہ نہ ہو، ان سب اقسام کے لوگوں کا کیا علاج ہے۔ ان لوگوں کا اپنا ایمان تو خراب ہونا ہی ہے دوسرے لوگوں کا دماغ خراب کرتے ہیں۔ عام آدمی کنفیوژ ہو جاتا ہے جب اس کا واسطہ کسی شعوری طور پر جھوٹ بولنے والے سے پڑتا ہے۔

ایک بچپن کی پہیلی یاد آئی ہے۔ تین مکھیاں ایک قطار میں دیوار پر بیٹھی تھیں۔

ا۔۔۔ب۔۔۔ج۔ درمیان میں بیٹھی مکھی ''ب'' کہتی ہے، دو مکھیاں میرے آگے ہیں، دو مکھیاں پیچھے ہیں۔۔۔ آپ بتائیں یہ کس طرح ممکن ہے جب آپ اپنے ذہن کا پورا زور لگا لیتے ہیں تو ہار مان لیتے ہیں۔ اچھا بھئی میں ہارا، تم صحیح جواب بتاؤ۔۔۔ تو صاحب صحیح جواب یہ ہے کہ مکھی ''ب'' جھوٹی ہے۔۔۔

دنیا میں جھوٹے لوگ بھی ہوتے ہیں، بے ایمان بھی۔۔۔ پاک وطن پاکستان میں جھوٹے بھی ہیں، بے ایمان بھی ہیں، قاتل بھی ہیں، دہشت گرد بھی ہیں، رشوت خور بھی ہیں، ملک دشمن بھی ہیں۔ کب تک اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہیں گے ہم۔

ہمارے اردو پریس نے اور سرکاری ترجمانوں نے دہشت گردوں اور قاتلوں کی وکالت اپنے ذمے لے لی ہے۔ آج کسی جگہ دہشت گردی ہوتی ہے کل کے اخبار میں خبر آتی ہے اور ساتھ ہی یہ صفائی بھی کہ کوئی مسلمان کوئی پاکستانی یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس میں بیرونی ہاتھ ہے۔

خدا کے لیے بچپن سے باہر آؤ۔ ہر معاشرے میں اچھے برے سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ہم مسلمان اور پاکستانی ہونے کے علاوہ (شاید) انسان بھی ہیں اور ہم میں بھی انسانی اور بشری کمزوریاں ہیں۔ اب تک ہم پر جو بیتی ہے وہ ہمارے ہی کرتوت ہیں اگر ملک میں جہالت بڑھی ہے، جھوٹ بڑھا ہے، منافقت بڑھی ہے، رشوت بڑھی ہے، بد معاشی بڑھی ہے، اسلحہ بڑھا ہے، قتل و غارت بڑھی ہے، تو یہ سب ہمارا ہی کیا دھرا ہے۔ ہر آدمی بنیادی طور پر اپنے فعل کا ذمہ دار ہے۔ ہر قوم اپنی کوتاہیوں کی ذمہ دار ہے۔

کس بیرونی ہاتھ نے ''کہا'' ہے کہ اپنی اسّی فیصد قوم کو ان پڑھ رکھو۔ کس بیرونی ہاتھ نے ''حکم دیا'' ہے کہ پاکستانی پاکستانیوں کو قتل کریں اور اپنے قبیح فعل پر نادم ہونے کی بجائے بڑھکیں لگائیں چھرا لہراتے ہوئے دفعان ہو جائیں۔ قتل عمد کو فرض کی تکمیل گردانیں اور اپنے جرم کے معاوضے کے علاوہ ثواب کی امید بھی رکھیں ان قاتلوں کی وکالت کا شوق

اردو پریس کو ہے جو انسانی قتل وخون سے لذت بھی لیتا ہے۔

''بھون ڈالا''

''پھانسی دے ڈالی''

کیفر کردار تک پہنچایا

فریضہ ادا کر کے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔۔۔ یہ ہیں خدا واسطے کے یا پنجابی میں ''دگھانے'' کے وکیل۔۔۔ آیے دیکھیں خود قاتل ان قتلوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ہمسایہ ملکوں کے پیسے سے قتل کرنے والے مکرتے نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم یہ قتل اپنے فرقے یا مذہب یا ثواب کے لیے کرتے ہیں، دنیا پر چھانے کے لیے! یہ قتل زیادہ تر ۱۹۷۷ء کے بعد سے ہوئے ہیں شاید ''بیرونی'' کے علاوہ اندرونی Sponsor بھی مل گئے ہیں۔

کچھ قاتل حکومت پر قبضے کے لیے جمہوریت اور پارلیمان اور آئین کا قتل کرتے ہیں۔ ان کے اخباری اور سیاسی وکیل کہتے ہیں یہ قتل استحکام کے لیے ہیں۔ نصف صدی میں یہ قتال عظیم وکبیر تین بار ہوا۔

اور اب تک انسانی رشتوں کے خون کے، انسانی اعتماد اور پیار محبت کے خون کے یہ قتل پاکستان، بالخصوص پنجاب کے گاؤں میں روز روز ہوتے ہیں۔ یہ قتل عورتوں کے ہیں، ان بدقسمت عورتوں کے جن کو زمین کی وراثت میں سے کچھ حصہ ملنا ہونا ہوتا ہے، یا جو خاوند کی دوسری شادی میں مزاحم ہوتی ہیں۔ کسی دور دراز گاؤں کی کوئی عورت بھائیوں سے حصہ مانگنے پر قتل ہو جاتی ہیں۔ چچا بھتیجی کو قتل کر دیتا ہے، بیوہ ماں جس کے نام زمین ہے شادی کا ارادہ کرتی ہے خبر آتی ہے باغیرت بھائی نے بہن کو قتل کر دیا۔ باغیرت خاوند نے بیوی کو قتل کر دیا۔۔۔ اور۔۔۔ اور باغیرت بیٹے نے ماں کو قتل کر دیا۔ ماں جس کے قدموں تلے جنت ہے اس کا قاتل باغیرت ہے۔ یہ ڈگری اسے اردو پریس کی یونیورسٹی سے عطا ہوئی ہے۔ باغیرت بھائی نے بہن کو قتل کر دیا خبر کے ساتھ ہی یہ ڈگری عطا ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی

پینڈو جج مل گیا تو سزا میں رعایت بھی مل جائے گی۔ مقتولہ کی زمین بھی مل جائے گی، اسی لیے زمین کے لیے کیے گئے عورتوں کے تمام قتل غیرت کے قتل ہیں۔ خدا جانے شہریوں کی غیرت کہاں ہے۔ وہ اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو قتل کیوں نہیں کرتے۔ غرضیکہ میری بدنصیب قوم کے تمام قاتل باغیرت ہیں، اس قوم کے تمام بھائی، خاوند، چاچے اور بیٹے باغیرت ہیں اور مظلوم اور مقتول بہنیں، بیویاں، بھتیجیاں اور مائیں بے غیرت ہیں۔۔۔

لَیتَنی کُنتُ ترابا

اے کاش میں مٹی ہوتا

ooo

شہر جو ماں کے دل جیسا ہو

انسان لاکھوں برس تک غاروں میں رہا۔ غاروں سے باہر جنگل تھا۔ درندے تھے، خوف تھا، موت تھی۔ غار انسان کی اوّلین پناہ گاہ تھی جو اسے دشمنوں سے بچاتی تھی۔ پھاڑ کھانے والے شیروں سے بچاتی تھی۔ آدم خور انسانوں سے بچاتی تھی۔ یہ سبھی جانے انجانے خوف اسے بھوت پریت کی صورت دکھائی دیتے تھے۔ اجتماعی انسانی تحت الشعور سے یہ خوف ابھی تک نہیں گیا۔ یہ نیند میں اسے آلیتا ہے۔ ڈراؤنے خواب اسے حقیقت لگتے ہیں۔

زندگی کے کمزور لمحوں میں یہ خوف اس کے رگ و پے میں سرسراتا ہے۔ یہی اندرونی خوف اور بیرونی سائے اس کے توہمات اور الٰہیات کی تخلیق کرتے ہیں۔ اس خوف پر قابو پانے کے لیے انسان طرح طرح کے نظریے گھڑتا رہتا ہے جیسے عام زندگی میں یا تو ڈرانے والی چیز کے سامنے سربسجود ہو جاؤ یا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو امیر المومنین کہہ دو یا اس خوف کا مقابلہ کرو اس میں جان کا خطرہ ہے، مال کا خطرہ ہے۔ غرض یہ کہ زندگی ہر لمحہ ہر پہلو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ کاش کہ میں اپنی محفوظ غار میں لوٹ سکتا۔ غار کی تاریکی میں عافیت ہے۔ 'چٹے' دن میں خطرہ ہے، ماضی محفوظ پناہ گاہ ہے، حال میں خطرہ ہے۔ مستقبل میں عظیم تر

خطرہ ہے۔ آؤ ماضی میں چلیں، بگٹٹ، دوڑ لگائیں، غار کی نیم تاریکی میں آگ کے پاس بیٹھی ماں خوف زدہ بچے کو تسلی دینے کے لیے بے چین ہے۔ آؤ ماضی میں چلیں، ماں کے پاس۔۔۔

بچہ جب تک رحم مادر میں ہوتا ہے تو وہ جسمانی درجہ حرارت والے پانی میں تیرتا رہتا ہے۔ نہ کھانے کی فکر نہ سانس کی فکر، نہ فردا کی فکر اور نہ کوئی فکر نہ کوئی سوچ۔۔۔ کہ بہت تکلیف دہ عمل ہے۔

اور اس سے زیادہ تکلیف دہ عمل پیدائش کا عمل ہے کہ تخلیق رحم مادر سے کھلی ہوا تک کے سفر کا نام ہے۔ پیدائش تکلیف دہ عمل ہے۔ زندگی اس سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ مصائب کا نام ہے زندگی، کچھ کرنے کا نام زندگی ہے۔ دھرتی کو بنانے کا نام ہے زندگی، معاشرے کو سنوارنے کا نام ہے۔ زندگی مشکل، بہت ہی مشکل۔

اور اس لیے وہ کسک، وہ رحم مادر میں لوٹ جانے کی کسک، اپنی محفوظ غاروں میں جانے کی خواہش۔ اپنے ''شان دار'' ماضی کی طرف رجوع۔ اس کے نتیجے میں دو واضح انسانی رویے۔ آؤ اپنا قبلہ ماضی کی طرح کرلیں یا آؤ زندگی میں شامل ہو جائیں۔ اپنے آج کے لیے محنت کریں تاکہ ہمارا آنے والا کل تابناک (یا بقول شخصے تاں باک) ہو جائے۔ کہ غاروں سے لے کر یہاں تک انسان اپنی ہی شبانہ روز محنت سے آیا ہے۔ انسانی معاشرے کی ترقی کا سفر، بہت تکلیف دہ سفر تھا۔ انسان ایک جان گداز انچ اور تکلیف دہ انچ کر کے آگے بڑھا ہے اس راستے میں پسپائیاں بھی بہت آئی ہیں۔ ایک ہی چنگیز اور ہلاکو معاشرے کو میلوں (اور صدیوں) پیچھے لے گیا اور انسانیت کو طے کیا ہوا اور سفر دوبارہ سہ بارہ کرنا پڑا۔ تکلیف دہ انچ، حوصلوں اور مایوسیوں سے عبارت انچ انچ۔۔۔

آگے جانے والے، آگے لے جانے والے الگ گروہ رحم مادر کی کسک والوں کا الگ گروہ۔۔۔ دن کی سفیدی، رات کی سیاہی۔۔۔ الگ الگ۔۔۔ تار۔ حریر دو رنگ، جس سے بناتی ہے ذات اپنا قبائی صفات۔ دو وقت کبھی اک لمحے میں آپس میں ملے بھی

ہیں صاحب یا صبح کی خواہش مت کیجیے یا شام کی خواہش مت کیجیے۔ برسوں پہلے جب لائل پور کے حلقہ ارباب ذوق میں تقسیم ہوئی تو ایک ذہن بہت صاف تھا۔ وہ عظیم شاعر جو ہمیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ تنویر جیلانی، وہ پیارا انسان جو خیالات پر کبھی Compromise نہ کرتا تھا۔ ڈھیل نہ دیتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر ہفتے حلقے میں بیٹھ کر فتوے لگوانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنا کام کریں۔ انسانی سوچ میں، فکر میں، انسانی جدوجہد میں اپنا سا تھوڑا سا حصہ ڈالیں اور ایک خوبصورت معاشرے کی خوبصورت مستقبل کی تعمیر کریں۔ ماضی کی ڈائنوں اور جنوں بھوتوں سے جان چھڑائیں، آؤ

آؤ ایسا شہر بسائیں
شہر جو ماں کے دل جیسا ہو
بچوں کی آنکھوں میں چمکتی
صبح مستقبل جیسا ہو
جس کو فرشتے دیکھنے آئیں
آؤ ایسا شہر بسائیں (تنویر جیلانی)

ooo

چک جھمرہ کا بکرا

چک جھمرہ لائل پور کے نواح میں ایک قصبہ ہے۔ اب کہ گاؤں قصبے بن گئے ہیں۔ چک جھمرہ جنکشن بھی ایک شہر کا روپ دھارن کر چکا ہے۔ ریلوے لائن کے دونوں جانب کچی بستی اور اس سے آگے آنندی۔

ایسے ہی قصباتی شہروں میں پاکستانی رہتا ہے۔ ایک عام پاکستانی۔ چک جھمرہ میں رہتا ہے احمد دین۔ لوگ شاہ جی کہتے ہیں۔ کلرک ہے دونوں کاف سمیت مگر ایماندار ہے۔ بس سفید پوشی نبھا رہا ہے۔ دو بیٹیاں ہیں۔ حسن بیٹا ہے سب سے چھوٹا۔ پانچ سال کا۔ گھر بھر کی رونق، سب اسے دیکھ کر جیتے ہیں۔ ضد کر بیٹھا کہ قربانی کے لیے بکرا لوں گا۔

اب کہاں ایک عیالدار، ایماندار کلرک اور کہاں قربانی کا بکرا۔ پر حسن کی بات کون ٹالے، لگ گیا گھر بھر بچت پر اور عید سے دو ماہ پہلے ہی حسن کا بکرا آ گیا، پلا پلایا جی دار بکرا۔ مقصد یہ تھا کہ حسن دو ماہ جی بھر کے کھیل لے پھر فریضہ بھی ادا ہو جائے گا۔ گھر بھر کو مصروفیت مل گئی اور حسن کو کھلونا۔

رہا بکرا، تو وہ بھی ذی رُوح ہے، پنجابی محاورے میں آخر انسان ہے۔ اس کی اپنی

سوچ، اپنی خواہشیں، اپنی امنگیں، اپنے جذبات، اپنے نظریات، اپنے خواب۔ چارے کے خواب، چنوں کے خواب، بیسیوں بکریوں کے خواب، دنیا پر چھا جانے کے خواب۔ تھا تو وہ اک بے زبان بکرا مگر گلا کسی ملّا کا تھا۔ رات دن، وقت بے وقت چلاتا تھا۔ طالب علم اور محلے دار تنگ تھے مگر قربانی کے بکروں پر کون انگلی اٹھائے۔ کیا پتا اس بات میں بھی گناہ ہو۔۔۔ گناہ کہاں نہیں!

بکرے کے بولنے میں شدت اس وقت آتی جب ٹرین جھمرہ کی حدود میں داخل ہوتی۔ خیر ٹرین سے تو پورا شہر تنگ تھا۔ ایک تو یہ انگریز کی یاد دلاتی تھی، دوسرے اس کی شکل کانے دجّال سے ملتی تھی۔ تیسری اور بڑی وجہ صبح تین بجے آنے والی ٹرین تھی۔ اب یہ وقت ایسا تھا کہ نہ تو نماز کے لیے اٹھنے کا تھا اور نہ ہی دوبارہ سونے کا۔ جھمرہ کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ بکرے میاں کی ناراضگی کے اسباب اور تھے۔ انجن کو ان کے علاقے، ان کی جوہ میں داخلے کی ہمت کیسے ہوئی۔ کیا وہ نہیں جانتا، میں کون ہوں، کیا وہ نہیں جانتا میں پاگل آں، سیٹیاں بجاتا ہے خنزیر!

گھر والوں نے سمجھایا، راہ چلتے راہیوں نے کہا، بکروں کو انجنوں سے نہیں ٹکرانا چاہیے، پر کون سنتا۔ جتنا جتنا لوگ سمجھاتے اتنا اتنا اس کا جنون بڑھتا، اور بھی زور سے بولتا، کیا بولتا تھا کسی کی سمجھ میں نہ آسکا۔ کوئی الگ سی زبان تھی، پاکستان کے کسی صوبے کی زبان نہ تھی، اردو نہ تھی اور انگریزی تو بالکل نہ تھی۔ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جاتے بچے کوئی لفظ انگریزی کا بول دیتے تو بکرے کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگتے، نچلے جبڑے سے لٹکتے ہوئے چند بال اکڑ جاتے، آواز اور بلند ہو جاتی۔ غرض اس نے نہ سمجھنا تھا نہ سمجھا۔

اب چونکہ وہ اس گھر کا پہلا بکرا تھا اس لیے اس کے گلے کی رسی بھی نئی تھی، ورنہ تو کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جب انجن بکرے سے بلند آواز نکالتا تو جھمرے کے بکرے کا خون کھول جاتا، جی چاہتا ابھی رسّی تڑا کر اس مردود پر خودکش حملہ کر دوں۔ دنیا کو بتا دوں کہ

دہشت گردی کا اصل سبب کیا ہے۔ اصل تعریف کیا ہے دہشت گردی کی مگر ہر دفعہ رسّی کا نیا پن آڑے آجاتا۔

بزرگوں نے کہا ہے سانچ کو آنچ نہیں اور ہمتِ مرداں مددِ خدا اور بھی ایسی ہی اچھی اچھی باتیں۔۔۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ روز روز کی گھس گھس سے رسی گھس گئی۔۔۔

عید سے دو دن پہلے بکرے نے رسی تڑوالی۔

کہتے ہیں شہید کبھی نہیں مرتے

ooo

فتح کشمیر تو معمولی بات ہے

ہم نے تو ایک افغان جرنیل کے نام پر ایک میزائل بھی بنالیا ہے۔ باقی جرنیلوں اور فاتحین کے نام پر مزید میزائل بنانے کا مطالبہ ملک کے مختلف حلقے کر رہے ہیں جن میں چوہدری محمد رفیق تارڑ بھی شامل ہیں۔ بس جمعے کی چھٹی کی دیر ہے۔ یہ کام تو پلک جھپکتے میں ہوجائے گا اور اس سے اگلے جمعے کی چھٹی کے روز کشمیر بھی دیکھ لیں گے۔

کچھ کام البتہ بہت مشکل ہوتے ہیں بالخصوص جب ہم یہ طے کر لیں کہ ہم نے یہ کام خود انحصاری کی بنیاد پر کرنا ہے۔ امریکہ سے رہنمائی لینی ہے تو صرف سیاسی اور مذہبی معاملات میں۔ انسانی حقوق، نکاسی آب، فراہمی آب، تعمیر سڑکات وغیرہ میں ہم امریکی رہنمائی سے بے نیاز ہیں۔ کشکول ہم نے توڑ دیا ہے۔ اس لیے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا بھی یہ کام نہیں۔ اسلامی ملکوں کی کمیٹی کشمیر اور فلسطین سے فارغ ہے۔ ہمارے ہمسایوں بھارت اور افغانستان میں نفاذ دین کا مسئلہ ہے۔ ایران ابھی رشدی سے فارغ نہیں ہوا۔

کون ہے جو اس برے وقت میں ہماری امداد کرے۔

آیئے اب اس مسئلے کی طرف آئیں اس کا تعلق فیصل آباد شہر سے ہے۔ فیصل آباد

ایک ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں ایک کمشنر صاحب بھی ہیں۔ یہ ایک ضلعی صدر مقام ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب ہیں، ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر ہیں، ایس ایس پی صاحب ہیں، ایس پی ٹریفک ہیں۔ فیصل آباد ایک میونسپل کارپوریشن ہے۔ یہاں ایک لارڈ میئر بھی بنے گا یعنی آبائے شہر کا باپ۔ نہ ہو تو ایک بہت سینئر اور ذمہ دار افسر جو حکومت وقت کے موافق ہو ایڈمنسٹریٹر کے فرائض انجام دیتا ہے۔

اس شہر کی نمائندگی کے لیے کم از کم تین ایم این اے ہیں۔ پورے ضلع کے لیے نو ہیں۔ اس سے دگنے ایم پی اے ہیں اتنے بڑے بڑے افسر، اتنے بڑے بڑے رہنما، مذہبی غیر مذہبی، بیسیوں اخبار ہیں، قومی اور غیر قومی، ٹرانسپورٹر ہیں، جن کا اس مسئلے سے براہ راست تعلق ہے، وہ حضرات جو ٹرانسپورٹ سے ایم این اے اور وزیر بنے۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے مالک ومختار بنے۔ یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔

اور پھر عوام ہیں، جن میں سے روزانہ کم از کم ایک لاکھ کا اس مسئلے سے براہ راست واسطہ پڑتا ہے۔ عوام کالانعام۔ بہت سالوں تک میں اس کا مطلب کوئی تعریفی جملہ سمجھتا رہا۔ انعام یافتہ قسم کی چیز۔ تب کسی عربی دان نے بتایا کہ عوام کالانعام ''ڈھور ڈنگر'' جیسے عوام کو کہتے ہیں۔

صوبائی اور مرکزی حکومتوں نے کروڑوں کی گرانٹ دی۔ اس شہر کے لیے پیکج کی خبریں بارہا چھپیں۔ شاہ فیصل نے سنا ہے کہ کروڑوں دیے تھے۔ وہ کہاں گئے؟ احتساب سیل والے جانیں۔

تو آیئے اب مسئلے کی طرف۔

آج سے چھ سات سال پہلے ہمارے ازلی دشمن بھارت نے پرتھوی میزائل کا تجربہ کیا۔ وہ میزائل شومئی تقدیر سے پاکستان کے شہر ثالث، فیصل آباد کے لاری اڈے کی سامنے والی سڑک پر آن گرا۔ ایک کھڈا کہ طول جس کا ڈیڑھ فرلانگ، چوڑائی پچاس فٹ اور گہرائی

تین سے پانچ فٹ ہے، بن گیا۔ اسی کھڈے میں سے سارا دن اور ساری رات فیصل آباد کے معروف لاری اڈے کی ساری ٹریفک گزرتی ہے۔ اب یہ ٹریفک رکے تو وہ کھڈا بھرا جائے۔

یہ تو نہیں ہے کہ تمام رہنما اور افسران اندھے ہیں۔ وہ تو محب وطن اور فرض شناس ہیں۔ دن رات مسلح محافظوں کے جلو میں رزق حلال کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ بس ایک ٹریفک ہے جو رکتی نہیں کہ کھڈا بھرا جائے۔ ہماری قوم نے تو ابھی کشمیر آزاد کرانا ہے، دنیا پر اسلام کا غلبہ قائم کرنا ہے، یہ کام تو معمولی ہے۔

OOO

قُقنس

لفظ ''ققنس'' یونانی لفظ Phonenix کا عربی رُوپ ہے۔ ''ققنس'' دیومالا Mytholohy کا ایک پرندہ ہے جو سنا ہے کہ عربستان کے بیابانوں میں رہتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ کئی صدیاں عمر پاتا ہے اور جب اس کا آخری وقت آتا ہے تو وہ لکڑیاں جوڑ کر ان کے اندر بیٹھ جاتا ہے اور ایک روایت کے بموجب دیپک راگ گانے لگتا ہے جس سے وہ لکڑیاں آگ پکڑ لیتی ہیں۔ ایک روایت ہے کہ وہ اپنے پر اس زور سے پھڑپھڑاتا ہے کہ ان میں سے آگ نکل آتی ہے اور لکڑیاں جل اٹھتی ہیں اور ''ققنس'' ان میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

پھر اس راکھ پر بارش ہوتی ہے ایک انڈہ پیدا ہوتا ہے جس میں سے ایک نیا ''ققنس'' جنم لیتا ہے۔

ققنس ڈوب کر پھر ابھرتے سورج کا
موت کے بعد نئی زندگی کا
نشان ہے
ققنس، اداس شام کے بعد

نئی سحر کا وعدہ ہے
ققنس ٹوٹی ہوئی آسوں سے ابھرتی ہوئی
سدھروں کی لوک لہر کی کوک ہے
پنجاب کی اب تک کی تاریخ میں
ققنسوں کی ایک لڑی چلی آ رہی ہے

(میجر اسحاق کے پنجابی ڈرامہ ققنس سے اقتباس)

پورس، نانک، دلا بھٹی، بھگت سنگھ، حسن ناصر اور میجر اسحاق مزدور کسانی پارٹی کے بانی اور تاحیات صدر، دانشور، فلاسفر، ڈرامہ نگار، انقلابی، جنگ کشمیر کا ہیرو۔ ''جب وہ کشمیر کی جنگ میں بطور رضا کار شامل ہوا تو اسے پتہ نہیں تھا کہ انقلاب کیا ہوتا ہے۔ وہ پاکستان کے ایک ادنیٰ اور فرض شناس سپاہی کی حیثیت سے اس میں شامل ہوا تھا مگر مفاد پرست سیاستدانوں نے کشمیر کو جس طرح اپنی اغراض پر قربان کیا اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس جال کو توڑوں گا۔''

''جنگ کشمیر کے تجربے نے اسے سمجھا دیا کہ دشمن کی کمیں گاہ تو کہیں اور ہے پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ سبھی جنگ کے مورچے ہیں۔ اس کے پاس ہتھیار نہیں تھے مگر اس کے پاس مظلوم انسانوں کی جلتی ہوئی مشعلیں تھیں انہی کو ایک مرکز پر جمع کرنا شروع کر دیا۔'' (احمد بشیر)

''اسحاق کی سیاسی زندگی کا حال سب جانتے ہیں۔ مزدور کسان مسائل میں اور لوگوں نے بھی حصہ لیا لیکن جس خلوص ثابت قدمی، ایثار اور جانثاری سے اسحاق نے سب سکھ آرام تج کر اور درویشی کا چولا اوڑھ کر اس مظلوم طبقے میں اپنی ذات کو جذب کیا اس سے نردا کے الفاظ یاد آتے ہیں۔

''میں تمہاری جھونپڑی کی خاک میں مل کر خاک ہو گیا ہوں۔ میں تمہاری سیاہ

باجرے کی روٹی کا ایک نوالہ اور تمہارے چاک چاک کرتے کی ایک دھجی بن گیا ہوں۔''

(فیض احمد فیض)

میجر اسحاق حقیقی انسان تھے، ایک حقیقی سوشلسٹ۔ جن سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مظلوم طبقات کے کاز کے لیے کلی طور پر وقف کر رکھا تھا۔ وہ انتہائی بے لوث اور آہنی ارادہ رکھنے والے انسان تھے۔ پاکستان کے مقدر میں نہ تھا کہ مستقبل قریب میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا لیکن خدا اس قوم کو معاف نہیں کرتا جو اپنے حقیقی قائدین پہچاننے سے محروم ہو۔ ہم اسحاق کے لیے نہیں روتے ہم تو اپنے لیے روتے ہیں۔

(میجر جنرل احسان الحق)

''ان کا مشن ہمارا مشن ہونا چاہیے۔ وہ انسان کے علاوہ ایک مسلسل جدوجہد کا دور تھے جس نے انہیں لافانی کر دیا ہے جب تک یہ منزل ہم نہیں پا لیتے یہ جدوجہد اسحاق محمد کی جدوجہد کہلائے گی اور جب ہم یہ منزل پا لیں گے تو یہ منزل بھی انہی کی ہو گی۔''

(محمد لطیف رندھاوا)

''میجر صاحب کے بعد یہ مشکل نہیں رہ گئی کہ انقلاب ضرور میری زندگی میں ہی آئے۔ یہ سبق انہوں نے مجھے دیا ہے انقلاب خواہ میری زندگی میں نہ آئے مگر آئے گا ضرور، یہ ان کو بھی پتا تھا یہ مجھے بھی پتہ تھا۔'' (سیّد رضا کاظم)

''اور پھر اچانک ایک دن ان کے بچھڑنے کی خبر ملی اور مجھے یوں لگا کہ جیسے ہم پنجابیوں کے سر سے مسلسل چھاؤں کرنے والا برگد ٹوٹ گیا۔'' (فخر زمان)

''مجھے ان سے ایک اعتراف حقیقت بھی کرنا تھا انہوں نے اپنے اخبار میں ہمارا نام لے کر لکھا تھا کہ ہمیں آگے چل کر معلوم ہو گا کہ سچے اور ثابت قدم دوست کون ہوتے ہیں اور چرب زبان اور منافق دوست کون۔ میں ان سے کہنا چاہتا تھا کہ آپ مجھے جو محسوس کرانا چاہتے تھے وہ وقت اور حالات نے ہمیں محسوس کرا دیا ہے آپ صحیح کہہ رہے تھے لیکن بحث

مباحثے، لڑائی اور اعتراف حقیقت کا موقع دیے بغیر ہی وہ اچانک چل دیے۔ اب ایسے عزیز دوست، بھائی اور ساتھی کے بچھڑنے کے دُکھ کا اظہار کرنے کے لیے الفاظ کوئی کہاں سے لائے؟ اور پھر ایسے دکھوں کے سامنے بیچارے الفاظ کی اوقات ہی کیا؟ ان کے لیے کس طرح روؤں؟ (رسول بخش پلیجو)

''جو لوگ میجر اسحاق محمد کے قریب رہے ہیں ان کے لیے ماننا مشکل ہے کہ وہ باقی نہیں رہا، وہ مرنے والا شخص نہیں تھا۔ اس نے زندگی کے آگے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے، وہ موت سے کیسے ہار مان گیا، کیسے سمجھ لیں کہ وہ چلا گیا ہے۔ پہلے بھی اسی طرح اٹھ کر چلا جاتا تھا اپنے کسانوں کے پاس فصیلوں اور مظلوموں کے پاس سندھ، سرحد، بلوچستان اور پنجاب کی مٹی کو سلام کرتا ہوا پاکستان کی عظمت کے خواب دیکھتا ہوا۔ سوتوں کو جگاتا ہوا اور جاگتوں کو راستہ دکھاتا ہوا وہ ہمیشہ چلتا رہتا تھا مگر پہلے تو وہ لوٹ کر آ بھی جاتا تھا اب۔۔۔ اس کو دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں یا الٰہی وہ کیسی بستیاں ہیں جہاں سے پیارے لوگ واپس نہیں آتے۔''

''وہ آدمی نہیں تھا پیار کا ایک بہتا دریا تھا وہ چٹانیں توڑنے اور راستے بنانے کے لیے آیا تھا تاکہ فصیلوں اور مظلوموں کی منزلیں آسان ہوں۔ وہ چاہتا تھا کہ برفوں میں گلاب اگیں اور صحراؤں میں بلبلیں چہکیں۔ وہ ایک خوش نوا فقیر تھا۔ رانجھے سے اس نے بانسری لی۔ مرزے کا تیر کمان جنڈ سے اُتارا، اور سسی کے جلے ہوئے تلوؤں کے نشانوں پر چلتا ہوا دور کے دیسوں کو نکل گیا۔۔۔ مگر وہ کالے بادلوں میں چھپے چاند کو دیکھ رہا ہے بھنگڑے کی لے پر ناچتے ہوئے محنت کشوں کے ساتھ ناچ رہا ہے اور کہہ رہا ہے زنجیریں توڑ کے آگے بڑھو اور اسی لے پر رقص کرتے ہوئے زندگی کو گریبان سے پکڑ لو وہ ہم میں نہیں اور لگتا ہے کہ اس کے جانے سے چاند بجھ گیا ہے اس گھپ اندھیرے میں کچھ بھی تو نظر نہیں آتا پتہ نہیں وہ میلہ باقی بھی ہے جو اس نے لگایا تھا۔۔۔ مگر وہ جو اسحاق محمد کو جانتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ

سب کچھ اسی طرح ہے۔'' (احمد بشیر)

آج ہم اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ میجر اسحاق کی یاد منائیں جنہوں نے انقلاب کے پرچم کو ہاتھ میں اٹھائے رکھا اور اپنی ساری عمر عوام کے لیے جدوجہد میں وقف کیا۔ میجر اسحاق کی یاد کو منانا خاص طور پر موجودہ صورتِ حال میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ سامراجی اور ان کے کتے کمیونزم اور مارکسزم کی شکست اور موت پر خوشیاں منا رہے ہیں۔''

(نمائندہ افغانستان لبریشن آرگنائزیشن۔ میجر اسحاق کی سولھویں برسی سے خطاب)

''میجر اسحاق جیسے انقلابی کی راہ شکست ناپذیر ہے۔ میجر اسحاق جیسے انسانوں کا قدر خاص طور پر اس میں ہے کہ یہ لوگ اپنے کاموں کی بدولت زندگی کے خاتمے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ آج ہم یہاں اکٹھے ہو کر ان کی یاد منا رہے ہیں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لوگ جو اپنی زندگی اور اپنی جان محنت کش عوام کے لیے نثار کریں وہ امر ہوتے ہیں ان کو عوام کبھی نہیں بھولتے۔''

(افغان خواتین کی انقلابی جمعیت RAWA کی نمائندہ)

ooo



ڈاکٹر مقبول اختر، کالم کار خالد حسن کے دیوانے تھے۔ جب بھی ہم اکٹھے بیٹھتے، ان کا ذِکر ضرور ہوتا۔ میں، خالد حسن کو باقاعدگی سے تو نہیں پڑھتی تھی۔۔۔ گاہے بگاہے۔۔۔ کبھی، بھائی ان کے کسی خاص کالم کی فوٹو کاپی میرے لیے لیتے آتے۔

یہ مضمون، بھائی نے خالد حسن کی وفات کے بعد لکھا، لیکن مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اب ان کے کاغذات میں سے دستیاب ہوا ہے۔ تو میں اسے کتاب میں شامل کر رہی ہوں۔

مصنّفہ

OOO

نمونۂ کلام

(چراغ حسن حسرتؔ کے ایامِ سنگاپور)

—خالد حسن—

(پیشگی معذرت: میں خالد حسن کے سٹائل کو کسی طور بھی ترجمہ نہیں کر سکا۔۔۔ نہیں کر سکتا۔ ترجمہ میں انگریزی پن زیادہ ہے، کوشش یہ ہے کہ خالد حسن کے سٹائل کی جھلک نظر آئے)

''چند ہفتے قبل، بالآخر، کراچی میں ایک کتاب چھپی ہے۔ ناقابلِ تقلید مولانا چراغ حسن حسرتؔ کے بارے میں، جنہوں نے ہلکے پھلکے اخباری کالم کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ اب وہ لازماً اپنی قبر میں بل کھا رہے ہوں گے یہ دیکھ کر کہ یہ شاندار آرٹ اب کن حالات کو پہنچا دیا گیا ہے۔ ان بھاری بھرکم قلم گھسیٹوں نے جو ہر صبح اپنی ثقیل تحریروں سے قاری کو مار دیتے ہیں۔ بوجہ بوریت۔۔۔

کسی وجہ سے یہ ہر فن مولا، حکومت کو یہ بتاتے نہیں تھکتے کہ حکومت کو کیا کرنا چاہیے۔ ان میں سے ایک صاحب جب کابینہ میں جگہ پا گئے تو اپنی وزارت کے سب سے بڑے طرّم خان ثابت ہوئے۔ (Bully کا ترجمہ غنڈہ بھی ہوسکتا ہے)

سبق اس کہانی کا یہ ہے کہ لوگوں کو وہی کرنا چاہیے جس کی ان میں لیاقت ہے، یا اہلیت ہے، یا ان کے لیے ممکن ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ حملہ آور ہوں، ان زمینوں پر، جن کے بارے میں وہ مکمل لاعلم ہیں۔

'فیلڈ مارشل' بعد از موت شائع ہونے والی ڈائریوں میں لکھتا ہے (خالد حسن 'رقم طراز' ہے کبھی نہ لکھتا) کہ ڈان کا ایڈیٹر الطاف حسین، جو سب کو لیکچر دیتا تھا، یہ کرو، وہ نہ کرو، وزیر بننے کے بعد اپنا منہ تک نہ کھولتا تھا۔۔۔ خیر یہ قصہ کسی اور دن کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔

آیئے، مولانا کی بات کریں۔ میرا دل یہی چاہتا ہے۔ قابلِ صد احترام، سدا بہار، مولانا چراغ حسن حسرت، جن کے لیے ہر بندہ مولانا تھا کہ وہ اسی طرح سب کو بلاتے تھے۔ کئی سال ہوئے فوت ہو گئے۔ ان کی یاد دلوں میں تازہ ہے، ان کو جاننے والے لوگ، یا ان کے ساتھ کام کرنے والے، عظیم بت شکن احمد بشیر جیسے لوگ، اب دوسری طرف پہنچ گئے ہیں، فرض کر لیں کوئی دوسری طرف بھی ہے۔۔۔

میرا خیال ہے ۱۹۹۹ء میں لاہور کے ایک ماہ نامہ Sputnik نے چراغ حسن حسرت کی یاد میں ایک مضمون چھاپا، یہ مضمون ضمیر جعفری اور مسعود احمد نے ۱۹۵۵ء میں لکھا تھا جس میں انہوں نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران، سنگاپور میں گزارے ہوئے شب و روز کو یاد کیا ہے۔ یہ تینوں حضرات ساؤتھ ایشیا کمانڈ کے پبلک ریلیشنز کے شعبے میں کام کرتے تھے۔ حسرت یا میجر حسرت، کیونکہ وہ میجر حسرت تھے۔ جیسا کہ فیض، کرنل فیض تھے۔ مولانا اپنے شعبے کے چیف تھے، جعفری اور مسعود ان کے نائبین۔

مولانا کے ماتحتوں میں، ایم۔ ایچ عسکری بھی تھا جسے ہم سب کمانڈر عسکری کہتے تھے۔ حالانکہ اس کا نیوی کا علم اتنا ہی تھا جتنا ہمارے صدرِ مملکت کا ہجوں کا علم، صدر صاحب یقیناً ہجوں کے بین الاقوامی مقابلے کے چیمپئن نہیں بننے والے۔

پیشتر اس کے کہ میں سنگاپور کی طرف لوٹوں اور یہ بتاؤں کہ سنگاپور کی شکست میں مولانا اور ان کے ساتھیوں نے کتنا حصہ ڈالا، یہ شکست جوان لوگوں کے ہاتھوں ہوئی جو بعد ازاں Honda اور Mitsubishis بنانے لگے۔

مولانا کے فرمودات، کرکٹ کے بارے میں پیش ہیں۔ ان یادداشتوں کے ایک ہیرے (Gem) کے لیے ہم ممنون ہیں احمد ندیم قاسمی کے، جو ایک دن مولانا اور دوسرے سٹاف کے ساتھ بیٹھے تھے۔ مولانا اس اخبار 'امروز' کے ایڈیٹر تھے۔ جس کو جتنا بھی روئیں کم ہے۔ یعنی جس کے معیار اور ذوق کو بعد کا کوئی اخبار چھو بھی نہ سکا۔ یہ ایک روزہ گیم نہیں تھی، ٹسٹ میچ تھا۔ مولانا نے پاکستانی فیلڈروں کے بارے میں، جو گیند کے پیچھے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے، کہا:

''مولانا، ہمارا کرکٹ بورڈ، ہمارے کھلاڑیوں پر ترس کیوں نہیں کھاتا؟ یہ بیچارے چھوٹی سی گیند کا پیچھا کر رہے ہیں اور گیند ہے کہ اپنی سپیڈ کم ہی نہیں کرتی۔ ہر پاکستانی کھلاڑی کو ایک بائیسکل دینی چاہیے تاکہ وہ گیند سے آگے نکل سکے۔

بیچارے! دیکھو اس مزدوری سے وہ کتنا تھک گئے ہیں۔''

چند اوورز کے بعد کہا:

''وہ دیکھو وہ جو گیند کا پیچھا کر رہا ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے ن۔م راشد غزل لکھ رہا ہو اور قافیہ ردیف کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔ راشد آزاد شاعری کرتا تھا۔ جس کا مولانا اکثر مذاق اُڑاتے تھے۔ میں سوچتا ہوں وہ کشور ناہید کی نثری شاعری کے بارے میں کیا کہتے؟۔۔۔ ایک دفعہ تو اسے بھی چپ لگ جاتی۔

مولانا کے کلاسیکی امروز کالم کا قلمی نام تھا، سند باد جہازی۔ انہوں نے ایک بار دولتانہ کے بارے میں لکھا، اگر اس کے نام سے دولت نکال لو تو آنہ بچتا ہے۔ پاکستانی کیمونسٹوں کو وہ سنجیدگی سے نہیں لیتے تھے۔ انہیں تین قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ شاہجی،

امرود یے اور چقندر یے۔

اوّل الذکر باہر سے سرخ تھے تو اندر سے سفید۔ دوسری قسم باہر سے سفید اندر سے سرخ، تیسری قسم البتہ اندر باہر سے سرخ تھی۔

لیکن آیئے سنگاپور کی طرف لوٹیں، نوجوان مسعود احمد، کپتان کی وردی میں ملبوس، اپنی لکھی ہوئی چیز مولانا کے سامنے رکھتا ہے۔ مولانا ایک نظر ڈالتے ہیں، بغیر تبصرہ کیے اسے لوٹا دیتے ہیں۔ سگریٹ کے دھوئیں کے کثیف بادل سے ایک آواز آتی ہے۔

''اُف''

دو دن بعد مولانا نے مسعود سے پوچھا۔

''مولانا، اس تحریر کا کیا بنا؟ میں نے چھپی ہوئی نہیں دیکھی۔''

مسعود نے جواب دیا۔

''آپ نے 'اُف' کے ساتھ لوٹا دی تھی، اس لیے میں نے وہ تحریر پھاڑ دی۔''

''مولانا چھپنے دیتے، آخر اتنا کوڑا اخباروں میں چھپتا ہے، تھوڑے اور سے کیا فرق پڑتا۔''

ایک دن تو مولانا نے مسعود کی تقریباً تعریف ہی کر دی۔

''مولانا تم محنت تو بہت کرتے ہو، شاید کسی دن کالم لکھنے لگو۔ تمہیں بڑا فائدہ یہ ہے کہ پڑھا تم نے کچھ نہیں، اس لیے تم دوسروں کی نقل کی بجائے اپنے سادہ الفاظ میں لکھو گے۔''

مسعود احمد اچھا کالم نگار بن گیا اور کوئی دس سال پہلے، اس کی وفات تک اس کا کالم 'بھٹکتی آنکھ' نیشن میں چھپتا رہا۔

مولانا کو سنگاپور سے بہت پیار تھا، کیونکہ اس میں کھانے پینے کو بہت تھا۔ بالخصوص موخر الذکر اور انہیں عورتیں پسند تھیں، جو خوبصورت تھیں اور بہت تھیں۔ کلب تھے، رات کی پناہیں تھیں، سڑکیں چوڑی تھیں اور ساحلِ سمندر ننگے پاؤں کے لیے نرم، لیکن سنگاپور پھر

سنگاپور تھا، لاہور نہیں تھا، جس کی یاد مولانا کو بہت ستاتی تھی۔ وہ مسعود، جو ہر وقت ان کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، سے کہتے:

''مولانا، سنگاپور کی کوئی شخصیت نہیں ہے۔ اس کو اسی طرح سے اٹھالو اور فرانس میں رکھ دو۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب لاہور کو لو۔۔۔۔ وہ ایک دن میں نہیں بن گیا، کسی کے بٹن دبانے سے۔ مولانا لاہور ایک طرزِ زندگی ہے۔ مولانا لاہور، لاہور ہے۔''

ایک دن پیغام ملا کہ ہماری گلی والے احمد علی چین جاتے ہوئے، سنگاپور سے گزریں گے۔ مولانا اور ان کے پیچھے مسعود، دیر سے بندرگاہ پہنچے، جہاز کئی گھنٹے سے کنارے، لگ چکا تھا۔

''آؤ، اسے ڈھونڈیں، میں اسے جانتا ہوں مجھے پتا ہے وہ کہاں ملے گا۔'' مولانا نے اعتماد سے کہا۔ انہوں نے ہر کلب، بار اور شب گاہ کو کھنگالا احمد علی کا کوئی نشان نہ ملا۔ آخر مولانا نے کہا۔

''وہ نہیں ملے گا۔ یہ چینیوں کا شہر ہے۔ اسے یہاں نہیں ڈھونڈ سکتے۔ اگر اسے سامنے سے دیکھو احمد علی ۶۰ فی صد چینی نظر آتا ہے۔ اس بات پر بھی غور کرو۔ ایک چینی، دوسرے چینی جیسا نظر آتا ہے، تو کیا امکان ہے ہم اسے ڈھونڈ ہی لیں۔''

مولانا ہر شام شہر پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جانے سے پہلے کہتے:

''مولانا زندگی کو سامنے سے دیکھنا چاہیے، پیچھے سے دیکھنا چاہیے۔ شمال سے، جنوب سے، المختصر ہر جانب سے۔ مولانا آؤ اس شہر پر حملہ کر دیں۔''

اور وہ چل پڑتے۔

اس سے بھی خوبصورت کالم، ایک بہت خوبصورت اور طویل کالم، نور جہاں پر ہے، مگر کس کس کا ذکر کریں۔ کاش خالد حسن کو کوئی مترجم مل جائے جو اسی پائے کا ترجمہ کر سکے جیسا کہ خالد حسن نے اردو ادب کا انگریزی میں کیا ہے۔ کبھی تجربتاً منٹو کے 'ٹوبہ ٹیک سنگھ'

کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کریں۔ خالد حسن کے ترجمہ کو پڑھ کر کسی نے کہا تھا۔

"لگتا ہے یہ پہلے منٹو نے انگریزی میں لکھا ہے اور بعد میں کسی اور نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔"

نور جہاں پر کالم کا آخری پیرا

مادام نور جہاں، ایک عظیم عورت اور ایک عظیم آرٹسٹ تھی، اب تو خداؤں نے اسے، اس کی موسیقی کی طرح، اسے بھی لاثانی کر دیا ہے۔

جب پاکستان اور ہندوستان ایک ملک تھے تو وہ ہندوستان کی دھڑکن تھی۔

اس نے پاکستان آنا پسند کیا کیونکہ اس کا دل اس دھرتی میں تھا۔ وہ چھوٹا سا قصبہ، قصور جہاں وہ پیدا ہوئی، ہمیشہ اس کے دل کے قریب رہا اور لاہور وہ شہر تھا جس سے اسے محبت تھی، لیکن اس کی قسمت میں یہاں دفن ہونا نہیں تھا۔ کہتے ہیں، اس کی خواہش تھی کہ قصور میں دفن ہو، یہ بھی نہ ہوا۔ موت نے ملکۂ ترنم نور جہاں کا وقار اور بڑھا دیا۔ لاکھوں کروڑوں اس کا سوگ مناتے ہیں اور پیار سے یاد کرتے ہیں۔ اس پر واقعی رحمت تھی کیونکہ جس طرح لوگ اس سے لگاؤ محسوس کرتے ہیں۔ خدا یہ رتبہ صرف گنے چنے لوگوں کو دیتا ہے۔

'آواز دے کہاں ہے'

ایک کالم خالد حسن نے ہمارے پیارے امیر المومنین بننے کے خواہش مند میاں صاحب پر لکھا تھا، وہ تو مجھے اس وقت مل نہیں سکا لیکن اس کی آخری لائن مجھے اب تک یاد ہے

"بنیادی تعلیم کا کوئی نعم البدل نہیں"

"There is no substitiute for basic education"

اس کی شاندار اصطلاحات میں سے ایک CSP حضرات کے بارے میں ہے۔

Civil Serpants of Pakistan

پاکستان کے سِول عفریت

معاصرین کی آراء

آپ کی پسندیدہ شخصیت کے بارے میں دوسرے لوگ پسندیدگی کا اظہار کریں اور وہ ہوں بھی اصحابِ رائے تو اچھا لگتا ہے۔

خوش تر آن باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

بہت سے اچھے اچھے کالم نگاروں نے خالد حسن کے بارے میں کالم لکھے ہیں۔ ان میں سے کچھ اقتباسات آپ کی ضیافتِ طبع کے لیے حاضر ہیں۔

ڈاکٹر منظور اعجاز

درویش، جیہدا ہاسا نکل جاندا سی

خالد صاحب ٹر گئے، بہت کجھ دل دیاں دل وچ لَے کے۔۔۔ تے بہت ساریاں میرے دل وچ۔ ان کہیاں چھڈ کے۔ اونہاں نوں میرے نال دوالا ہے سی، اک تے ایہہ جو میں اونہاں نوں کدی فون نہیں کردا۔۔۔ دوجا میں انہاں دے سارے کالم نہیں پڑھدا۔ ربّ دا کرنا انج ہندا رہیا جو جدوں وی اونہاں نوں فون کروایا مشین جواب دیندی تے یاں اونہاں دی گھر والی۔ اوہ تے ۷۶ سال دی عمر وچ الھڑ ویڑھکیاں وانگ سارا دن واشنگٹن DC گاہندے سن (اب میں کچھ عرض کروں گا کہ اس عمر میں اتنا فعال ہونے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کتنا مشکل کام ہے کہ خود اس عمر کے نزدیک ہوں۔ اس کیفیت کا ذکر آخر میں کروں گا Robert Frost کے حوالے سے)

(اس کے بعد صفحہ پر جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر مقبول اختر اپنے خیالات کا اظہار نہ کر پائے۔ مصنّفہ)

الا ہے دی وچلی گل میں اوہناں نوں دس ہی نہیں سکدا۔ پر ہن اونہاں نال میرا

شاید کجھ چرٹا کرا نہیں ہونا، ایس لئی راز کھولن وچ شرم گھٹ آوے گی۔

میں اونہاں دا کالم کدی کدی ان گولا کر جاندا ساں، اصل وجہ ایہہ سی جو میں جدوں اونہاں دا کالم پڑھدا ساں تے اونہاں دی انگریزی زبان دی پکڑ، تے اوہدیاں لفظاں دیاں گجھیاں رمزاں، لٹکاں لپکاں دی کھیڈ نوں ویکھ کے کنب جاندا ساں۔

اویں ہی جویں، چھوٹے غلام علی خاں کہندے سن جو وڈّے غلام علی دا گا ناسن کے مینوں تاپ چڑھ جاندا سی۔۔۔

یا جیویں، فیض احمد فیضؔ نے اک انٹرویو وچ مینوں دسیا سی جو میں جد وارث شاہ تے بلھے شاہ نوں پڑھدا ساں تے مینوں یقین ہو جاندا سی میں اجیہا کدی نہیں لکھ سکدا اس لئی میں اردو تے محنت کرنی شروع کردتی۔

خالد صاحب ایس اعترافِ جرم نوں پڑھ کے اچّی اچّی ہس رہے ہوون گے کیوں جو اوہناں نوں ایس دا پہلاں ای پتا سی۔ خالد صاحب کول انگریزی دی پکڑ سی۔ اوہ اوہدیاں گجھیاں ماراں، اٹکھیلیاں تے رمزاں دے استاد سن۔[(Henry James) بہت بڑا ناول نگار ہے۔ اس کا ایک کردار امریکہ سے پیسے کما کر انگلستان آجاتا ہے اور ایک جاگیر خرید لیتا ہے۔ وڈیروں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ اس کا بھتیجا امریکہ سے چھٹی پر آتا ہے اور پوچھتا ہے انکل اب تو انگریزوں کی زبان اچھی طرح سمجھ آتی ہوگی۔ انکل نے جواب دیا۔

"یار جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ تو سمجھ میں آجاتا ہے، جو کچھ وہ چھوڑ دیتے ہیں وہ سمجھ نہیں آتا۔"]

اوہ سدا بندے دے اندر، دھڑ اندر لکیاں جذبیاں سدھراں، خوفاں تے سُوداں دی کھیڈ کاری دے کھوجی سن۔

ایہوں کھوج اونہاں نوں نور جہاں کولوں سوال کروا دیندی سی۔۔۔

"بی بی، کنّے کو عشق کیتے ہوون گے؟"

دنیا داری وچ انہاں بہت کھٹیا وٹیا نہیں۔۔۔

میرا خیال اے شکار دے کول جا کے اونہاں دا ہاسا نکل جاندا سی۔

(منو بھائی سے کسی نے سوال کیا کہ کام تو آپ کے دنیا داروں جیسے ہیں۔ آپ پھر امیر کیوں نہیں ہوئے؟ منو بھائی نے اسے باز اور چیل کی کہانی سنائی۔ کسی نے چیل سے کہا کہ تمہاری چونچ اور پر تو باز جیسے ہیں پھر تم مردار پر کیوں اکتفا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا۔

"جب شکار میری زد میں ہوتا ہے تو 'میرا ہاسہ نکل جاندا اے')

A progressive secular vision and acerbic wit, by Beena Sarwar.

Khalid Hassan never suffered fools...

An immensely humanlistic progressive, secular vision, a great love of literature, poetry, art, music a deep knowledge and understanding of history, principle stands and an acerbic sense of humour.

Naval Attack

جب بھارتی فلموں اور TV نے فراخ دلی سے خواتین کی ناف دکھانی شروع کی تو خالد حسن نے اسے Naval attack لکھا۔۔۔ بحری حملہ۔۔۔Naval کا مطلب ناف ہے۔

مسعود منوّر۔۔۔ خالد حسن لئی گلاب دا کفن

تہاڈے کوچ دا نگارا وجیا تے مینوں اک بہشتی بیلی، اختر حسین جعفری دی اک نکّی جیہی کویتا یاد آئی۔

تجھ کو کس پھول کا کفن ہم دیں

تو جدا ایسے موسموں میں ہوا
جب درختوں کے ہاتھ خالی تھے

یار خالد حسن

تسیں اونہاں لوکاں وچوں نئیں جیہڑے قبرستان آباد کر دے نیں۔ توں تے لوکاں دے دلاں وچ وسن والا بندہ ایں۔ میرے اتے تہاڈے پیار دا قرض وی ہے۔۔۔ میں تہانوں اک چٹھی لکھ کے رکھی ہوئی اے۔ اوہ کیہڑے پتے تے گھلاں۔

اکمل علیمی نے لکھا ہے:

اونہاں نے ۱۹ سال دی عمر وچ مرے کالج سیالکوٹ توں ایم۔اے انگریزی کر لیا تے جدوں اسلامیہ کالج لاہور وچ انگریزی پڑھانی شروع کیتی تے اپنے کئی شاگرداں نوں عمر وچ اپنے آپ توں وڈا پایا۔ مگروں اوہ مرے کالج تے لارنس کالج گھوڑا گلی وچ وی انگریزی زبان تے ادب نال جڑے رہے۔ سن ۸۵ء وچ او مقابلے دا امتحان پاس کر کے انکم ٹیکس افسر بن گئے۔ پر اونہاں موجب ''نہ تے مینوں ایس کم توں کوئی سواد سی تے نہ پیسہ کٹھا کرن دا شوق سی۔ ایس لئی چھیتی ای میں نوکری چھڈ دتی۔''

حمید اختر کا کالم ہے: 'زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے'

۔۔۔موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ جانے کا فیصلہ کیا تو بیٹے سے ملنے کے علاوہ، جن لوگوں سے ملاقات کی خواہش دل میں تھی، ان میں خالد حسن بھی شامل تھا۔ افسوس کہ اب یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوگی۔

(پاکستان ٹائمز میں) آئی۔اے۔رحمان، ایلس فیض صفدر میر یا میرے کمرے میں خالد حسن آجاتا تو پروگیسو پیپرز لمیٹڈ کا پورا دفتر قہقہوں سے گونج اٹھتا۔ اس کی تحریر ہی شگفتہ نہیں ہوتی تھی بلکہ گفتگو میں مزاح اور طنز سے بھرپور ہوا کرتی تھی۔ انتہائی اچھی انگریزی لکھنے کے ساتھ ساتھ اردو شعر و ادب کا ذوق بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ زندگی بھر

وہ فیض صاحب کی شاعری کا مداح رہا۔

وہ برسوں سے امریکہ میں مقیم تھا، مگر لاہور کو کبھی نہیں بھولا۔ سال میں ایک دو دفعہ لاہور کا پھیرا ضرور لگاتا اور پھر پرانی محفلیں آباد کرنے اور یادوں کو تازہ کرنے کی کوشش کرتا۔

جب بھٹو صاحب نے پاکستان میں شراب اور جوئے پر پابندی عائد کرنے کا اعلان کیا تو کسی غیر ملکی نے خالد حسن سے سوال کیا کہ اس حکم کے اطلاق کے بعد پاکستان آئندہ کس شکل میں سامنے آئے گا تو خالد نے جواب دیا۔

''پاکستان اب بغیر تیل کے سعودی عرب کا نقشہ پیش کرے گا۔''

Khalid Hasan sets aside his pen.

Anwer Iqbal

بہت سے لوگ عادی ہو گئے تھے، خالد حسن کے مزاحیہ، گہرے اور ایماندارانہ کالم پڑھنے کے، جو لکھے گئے پہلے لاہور میں، پھر لندن، ویانا اور واشنگٹن میں۔ وہ اب اسے نہیں پڑھ سکیں گے۔ وہ شخص جو نصف صدی تک جہاں بھی ہوتا تھا، لکھتا رہا، اس نے اپنا قلم اٹھا کر رکھ دیا ہے۔

اردو کے دوسرے کالم نگار، زمین پر پاؤں رکھیں تو شاید انہیں خالد حسن نظر آجائے۔

اکمل علیمی ۔۔۔خالد حسن، کجھ گلاں، کجھ یاداں

اودھے وچ صحافت دے جراثیم، ڈھوں لاسی۔۔۔ (نور جہاں دے انٹرویو دے بعد کہیا) ملکہ ترنم دے بیان نوں انگریزی وچ کرنا بہت اوکھا ہے۔ میں پچھیا
''مثلاً''

تے اوہ بولیا:

''بی بی کہہ رہی سی، جدوں میں کسی سوہنے جوان نوں ویکھنی آں تے مینوں اوہ

چنگا لگدا اے تے میری ہڈیاں وچ اچووائی ہوون لگدی اے۔"

خالد حسن نے ایس جملے نوں انج لکھیا:

"I have a funny feeling under my bones."

۔۔۔اوہ سیالکوٹ دے کرداراں نال بڑی لگن رکھدے سی تے کئی وار اونہاں دے بیان نقل کردے۔

پاکستان وچ، روایتی طور تے انگریزی دے صحافی مغرور رہے ہن پر میں خالد حسن نوں ہمیش بزرگ صحافیوں دا فین ہی ویکھیا تے انگریزی توں ودھ، صحافت بارے فکر مند رہے۔ ایہو کارن ہے تسی اونہاں دی website تے چراغ حسن حسرت دی اک گل دیکھدے آں جیہدے وچ اوہ پڑھن والیاں نوں تاکید کردے ہن کہ

"صحافیاں دیاں گلاں تے بہتی توجہ ناں دیو کیوں جو سویرے جیہڑے کاغذ تے اوہ لکھدے نیں اوس وچ شامیں مچھی لپیٹ کے ویچی جاندی اے۔

OOO

بشکریہ 'وچار ڈاٹ کام'

ڈاکٹر مقبول اختر 'وچار ڈاٹ کام' پر باقاعدگی سے لکھتے تھے۔ ان کے مضامین کو اکثر ہفتہ بھر کا بہترین مضمون قرار دیا جاتا اور ویب سائٹ والے اس کا سندھی ترجمہ بھی دکھاتے۔

OOO

پنڈ وپنڈ کچہری

ادھی صدی پاکستانیاں وڈیریاں دی خدمت کیتی اے۔ اوہناں دے سوجھوان تے وکیل ایس نوں اسلام دی خدمت اتے پاکستان دی خدمت دسدے رہے۔ لوکاں دا کم ہے خدمت کرنا۔ وڈیریاں دا کم ہے موجاں ماننا۔ اینہاں دیاں آونیاں جانیاں ویکھ کے اُلٹی آوندی ہے۔ کروڑ رپیے دی تاں گڈی لوڑی دی اے۔ چار چار گڈیاں وچ چار چار راکھے۔ آٹو میٹک اسلحے۔ موٹیاں کھلاں بچاون لئی موٹے پربندھ۔

جمناں دے پروہنے آون تے کمیاں دیاں لتاں ٹٹ جاندیاں خدمتاں کر کر کے۔ ہن وڈیریاں دی کُڑمائی ہو گئی ہے نویں رجیاں نال جیہڑے ہن تے گماشتے پراکھواندے ہین سرمائے دار۔ گماشتے ملٹی نیشنل دے۔ کامیاں دیاں پھٹیکاں ودھ گئیاں ہین۔ ملٹی نیشنل ہو گئیاں ہین۔ ہُن خدمت کرو ساری اُمہ دی سارے عربی شہزادیاں دی خدمت کرو۔ عربی گھوڑیاں ہار کھر کھرا کرو، مُٹھی چاپی کرو، سگوں 'ڈومور' بیروت وچ تاں حالات ایجیے ای ہین۔ تمبواں وچ ائر کنڈیشنر لوا کے خدمت گار نال پیش کرو۔ عربیاں دی خدمت کرنا ثواب دا کم ہے۔ کار ثواب ہے۔

پر ہُن اک نویں انھیری جھلی ہے۔ ایہہ بھین۔۔۔ نواں زمانہ، لوکیں کہندے ہین پاکستان دی خدمت سرپر۔ پاکستانیاں لئی وی کجھ ہو جاوے تے کیہ ہرج اے۔ عام پاکستانی دی دکھاں دی ماری جندڑی علیل اے۔

جُثا پیلا کر چھڈیا اے
دُکھ دیاں ظالم دھپاں نے
مینوں چھاں ناں دتی سجنو
ہتھیں لائے رُکھاں نے (ممتاز کنول)

اک اتوں اسمان توں اگ ورھدی پئی ہے۔ چالی توں پنتالی پنجاہ درجے دی گرمی، پکھا چلے ناں، راتیں بتی ناں بلے۔ نھیرا اے تے انھیر اے۔ اندھیر نگری تے چوپٹ راجہ۔ کسے آکھیا اشرف راجہ۔ ایہہ راجہ اشرف لارے لپے دا تے بجلی دا وزیر ہے۔ فارسی وچ آہندے ہن، تنگ آمد، بجنگ آمد۔ ہر بندہ تنگ ہے کیونجو اوس دا بالی بچڑا تنگ۔ جنگ ناں کرے تاں کیہ کرے۔

میں اج کھارے چڑھ کھلوتاں۔۔۔
آپے سہرے گانے بنھساں
سینہ کڈھ ہلدی دے بُٹھے
میں مُڑ کلا ای ویہساں
مُڑ چکاں چوں، مُڑ شہراں چوں
مُڑ جھوکاں چوں
جنج تے جنج چڑھیسی۔۔۔
ہن پنڈ وپنڈی لاوساں اساں آپ کچہری (شارب انصاری)

اک ٹریا، بیہیا ٹریا۔ روس وکھالے بن گئے۔ شہراں وچ، قصبیاں وچ۔ اپنے اج دے دُکھ پٹن لئی، کسے دوجے ملک دے، کسے دوجی صدی دے دکھ نہیں، کسے ماڑے دے

خلاف نہیں، علم، عقل تے عورتاں دے خلاف نہیں۔ اپنی جان دے دکھ، سب دی جان دے دکھ۔

اپنے بچیاں دے آرام لئی
انھے واہ ودھائے بجلی دے بلاں دے خلاف
لوڈشیڈنگ دے خلاف
پٹرول راہیں لُٹ مار دے خلاف
اپنے بچیاں دیاں زندگیاں بچاون لئی
اپنیاں دھیاں بھیناں دی عزت لئی
عورت ذات نوں ذلیل کرن والے وحشی طالبان دے خلاف

گل کیھ پاکستانیاں اپنے گھروں ویکھنا شروع کردتا ہے۔ پاکستان پاکستانیاں لئی۔ پاکستان دیاں دولتاں تے خزانے وی پاکستانیاں لئی۔ جداوہ دیہاڑ آسی۔ کڈا سوہنا ہوسی اوہ پاکستان۔ جھوکاں تھیسن آباد ول۔ آ ورل گاویے سوہلے اوس پاکستان دے۔

Sing about the hidden country
fresh and full of quiet green
sailing over seas uncharted
to a port that none has seen

پہلی دُمچی:

اک ہندستانی فلمی گانا ہے۔ دنیا میں سب چور چور، کوئی چھوٹا چور، کوئی بڑا چور۔ پاکستان وچ وی ہر نمبر تے ہر سائز دے چور ہین۔ ہنے ہنے صوبائی اسمبلی دی ایک ممبر پھڑی گئی ہے۔ کریڈٹ کارڈ چرا کے اوہدے نال گہنے خرید دی۔ چوری دے گہنے پا کے خورے اوہ کڈی سوہنی لگنی سی۔ نال ای اک نواں قانون آ گیا ہے۔ وڈے چورنوں، چوراں دے چورنوں چور کہن دی سزا چوداں سال قید تے پھانسی برابر متھیاں جاندیاں ہن۔ میں تاں

پہلاں ای آکھیا سی، ناں چھیڑتائے نُوں۔۔۔

دوجی دُمچی (ٹیل پیس)

کل میاں چنوں دے اک پنڈ وچ ات وادیاں نے ادھے پنڈ نوں تھیہہ کر چھڈیا ہے۔ ٹیچا اوہناں دا اک گھر سی جتھے اسلام دیاں جڑھاں پٹیاں جا رہیاں سن۔ اک بالڑی پنج تے دس سال دی کچی عمر دے بچیاں اتے بالڑیاں نوں پڑھا رہی سی۔ ہے ناں نھیر۔ ایسے ات وادی پروگرام دا دوجا حصہ سی اوسے تاریخ وچ جماعت اسلامی دے رُچ مینُ یاں امیر دا ایہہ بیان جو پنجاب وچ ات وادیاں دے خلاف اپریشن نہیں ہونا چاہیدا۔ ناں کاہنوں۔۔۔

پچھوں خبر آئی ہے، ایہہ ات وادیاں دی گھروکی لڑائی سی، دوجے لوکیں تاں دھگانے مر گئے۔

OOO

چوراں دی ماں

پنجابی دا اک سیکڑے ورھیاں پرانا اکھان ہے، چوراں نوں ناں مارو، چوراں دی ماں نوں مارو۔ اک اکھیائی ایہدے وچ ایہہ ہے جو ایناں تاں پتہ ہووے چوراں دی ماں ہے کون۔

کل کجھ اتا پتا لگا ہے۔ جرنیل حمید گل مچھاں تے ہتھ پھیر کے آکھیا ہے، ایہہ یاراں دا کم اے۔ طالبان ہمارے بچے ہیں۔ کل نوں جد پاکستانی قوم طالبان دے جرماں دی ایف آئی آر لکھاوے گی تے اوہدے وچ اک جرنیل داناں وی ہوسی۔ پلسیاں دی زبان وچ بڑی بھاری رپٹ ہوسی۔۔۔

وچار وچ ای اک سجن نے چوراں دی نانی دی وی دس پائی ہے۔ جماعت اسلامی کیس اگانہہ ودھ رہیا ہے۔ ہن چھڑا اماں دا پتہ کرنا ہے۔ شنید ہے اوہدا ناں ہے بھلا جیہا، جنسی جینسی کہندے نیں۔ بڑی میل ملاپ والی اے۔ سنیا اے فوج دے وڈے کمانڈراں تائیں تعلقات ہن اس دے۔

OOO

تن پھپھے کٹنیاں

اج توں کوئی ۴۰۵ ورھے پہلوں شیکسپیئر دا ڈرامہ میکبتھ لیکھیا گیا۔ شیکسپیئر بہت وڈا ڈرامہ نگار ہا۔ تے ایہہ اوسدا بہت مشہور ڈرامہ ہے۔

پہلا سین اک ویران جگہ تے ہے۔ بدل گج رہیا ہے بجلی لشکدی پئی ہے۔

(تن پھپھے کٹنیاں) جادوگرنیاں آکھ لو یا چڑیلاں یا بدروحاں (آپو وچی بھیناں نیں، داخل ہوندیاں نیں)

پہلی: مڑ کدوں ملساں اساں
کڑکدے بدل یا لشکدی بجلی یا ورھدے مینہ وچ،

دوجی: جدوں سارا رولا مک جاسی
جدوں جنگاں ہاریاں جتیاں ویسن

تریجی: دینہہ ڈبن توں پہلوں

پہلی: کتھائیں

دوجی: بیلے وچ

تھوڑی ہور گل بات توں بعد رل گا وندیاں نے
سچ کوڑاے تے کوڑ سچ
چل گندی واء تے دھند وچ اڈیے

میں پچھلی راتیں دیر تک نیٹ تے بیٹھا رہیا، کجھ جھٹ اوس سیانے بندے شیکسپیئر نال لنگھایا۔ آہندا اے۔

''جے کرتوں ویلے دے بی ویکھ کے دس دیویں، ایہہ اگسی تے ایہہ ناں اگسی، مڑ میرے نال گل کریں'' سرف کردا کردا نظریے تے اپڑ گیا۔ نظریہ چین، نظریہ جاپان، نظریہ روس، نظریہ امریکہ خورے کتھے کتھے خوار ہوندا رہیا۔ اک تھک کے اردو اخبار چالئی۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل طارق مجید دا بیان پڑھیا۔ ساڈیاں ہتھیار بند فوجاں ہن ملک دی نظریاتی حداں دی راکھی کرسن۔ دل گارڈن گارڈن ہو گیا، اخبار پرانہہ سُٹی، خوشی نال نچن لگ پیا۔ سارا رولا ای نظریاتی سرحداں دا ہے۔ جغرافیائی سرحداں دی حفاظت جراں کیتی نیں اوہ تے تواریخ دا حصہ ہے سوات، بونیر تے شانگلہ اوس دیاں تازہ مثالاں نیں، نچدا نچدا میں تھک پیا، میں سوں گیا۔

رات دے پچھلے پہر اکھ کھل گئی۔ کمرہ نور نال بھریا ہویا سی۔ اسماناں توں مقدس روحاں اُتر رہیاں سن۔ ہولی ہولی، سہجے سہجے، کجھ پچھاتیاں پچھاتیاں لگدیاں سن، شکلاں سہی نہیں ہو رہیاں سن کیونجو اوہ زور زور نال نچ رہیاں سن، زور زور نال نعرے لا رہیاں سن، اپنی نظر تے زور دتا، اوئے ایہہ تے جنرل شیر علی اے، ہتھ وچ لیپ ٹاپ سی، google.com تے ملکاں دا نظریہ لبھ رہیا سی، دوجی روح چھیتی پچھاتی گئی، ایہہ صورتاں کتھے لکیاں رہندیاں نیں۔ اوہیوا پنے جنرل ضیاالحق سن، اپنی ڈنگی مسکان نال، تے تیجی ہستی سی جنرل حمید گل۔ ایہہ جیوندی روح تک کے آپاں تے بے ہوش ہو گئے، تہاڈی ہوش قائم ہووے تے تسیں سناؤ، ہور سناؤ۔۔۔

نونہاں دنداں والے

انسانی وسیب تے رہتل وچ تہذیب دا چلن اودوں ہویا جدوں عورتاں نے بچے تے اجڑ پالدیاں پالدیاں بیں توں بوٹے بندے ویکھے تے کھیتی باڑی دا مڈھ بجھا۔ فیر عورت دوالے گھر تے بعد وچ خاندان بنیا۔ ایس سارے پسارے وچ عورت نینہہ دا پتھر ہائی۔ اوہیو گھر نوں پالدی تے سمبھالدی ہائی۔ اوسے نوں سارے فکر سن تے اوسے دی حاکمی ہائی۔

فیر زمانے دی ادلا بدلی نال تے زراعت دی پیداوار دی وجھوں مل دا ویہار آیا۔ میر تیر شروع ہوئی۔ عورتاں تاں ماواں ٹھنڈیاں چھاواں ہوون کارن کم کاج وچ رُجھیاں رہیاں بندے مل مارن وچ جُٹ گئے۔ کھوہ کھنج ہوئی، جائیداد دا ویہار چالو ہویا۔ ڈنڈاں پٹاں والے ویہلڑاں زمیناں تے قبضہ کرلیا، پانیاں تے، جنگلاں تے۔ فیر اپنی حاکمی جگاون دا فکر ہویا۔ عورت تے قبضہ کرلیا۔ ماڑے کول اک ادھی، زوراوراں کول سینکڑے۔ عورت تے اپنی حاکمی جگاون دی کوشش شروع کردتی۔

پر اوس وی اپنی خود مختاری ناں چھڈی۔ ڈنڈ پٹ، ڈانگ سوٹا، گالھ مندا سبھے کجھ ورتیو نے۔ جتھے بنا کے جانوراں طرحاں عورت دا شکار کھیڈیا۔ اوس نوں ڈرایا، دھمکایا۔ جبر

کیتو نے۔ اکھاں وکھایاں، مچھاں وکھایاں، داڑھی دے واسطے دتے۔ جد اوہ ناں منی تے رب بنا کے وچ پا لیے۔ ایہو کجھ کر دیاں ہزاراں سال لنگھ گئے، عورت نے نہیں منا سی ناں منی۔ کجھ بندیاں عقل کیتی کجھ زمانہ اگے ودھیا۔ آدمی انسان بن گیا۔ ماواں دے جمیاں نے ماواں دی تے ماواں دی جنس دی عزت شروع کر دتی۔ وسیب مہذب ہوندے گئے۔ پر کجھ ایسے ون سن جیہڑے پنجابی اکھان موجب ماواں نہیں سن جمے بوٹیاں تے لگے سن۔ کجھ تے اُکا تھوردے بوٹے تے۔ چھتر تھور جیہیاں شکلاں، تھوراں بھرے ویرانے جیہیاں عقلاں اتے پتھر دل۔

ایہہ اپنے کرودھ وچ بھسے لوکی عورتاں نوں فتح کرن لئی جٹے رہے۔ ہڈوں ایہہ عورتاں توں ڈردے ہن۔ اک وڈی سائکوانالسٹ کرن ہار نے کہندی ہے جو ایہہ عورت دے ساہمنے آون توں ڈردے ہن تے اک دوجے دے پچھے وڑدے ہن۔ ایہو ایہناں دی نفسیاتی بیماری دی جڑھ بنیاد ہے۔

اج ساڈی پھلاں بھری سوہنی وادی سوات وچ اُجاڑ پئی ہے۔ سو سو کوہ تائیں اُجاڑ منگن والے اُلو بولدے پئے ہن۔ جالب دے کہن موجب۔۔۔

پل پل خوف کے گہرے سائے، جیون موت سمان

گلیاں سن مسان ہن پر مرزا یار نہیں۔ سنجیاں گلیاں وچ کتے بھونکدے ہن۔ لوکیں گھر بار چھڈ کے، جاناں بچاون لئی بھج رہے ہن۔ باقی رہ گئے کتے۔

ان کے حق میں اب دعا بھی، بددعا بھی چھوڑ دو۔

فروغ فرخ زاد آکھیا۔۔۔ جیون اک لمی گلی ہے جیس وچ اک عورت ٹوکری پھڑ کے روز لنگھدی ہے۔ ایہہ سوات میرے دی سوہنی وادی کیہو جیہی گلی ہے جتھے عورتاں دا داخلہ منع ہے۔ جیس بندے دے پُتر نے سوات دے اجڑیاں لوکاں دی تصویر اخبار وچ یاں نیٹ تے یاں ٹی وی تے تکی ہے تے اوہ رُنا نہیں، اوہ بندہ نہیں، اوہ طالبان ہے۔

چھوٹے چھوٹے بال نویں کپڑے پا کے کھڑے نے، نہیں پتہ کتھے جا رہے ہن، مڑ ایس دھرتی ماں نوں ویکھسن یا ناں، دہشت نال رووی نہیں رہے۔ بندے خالی اکھاں نال خلا وچ تکدے، گواچے گواچے، اک تمبو برقعے وچ لکی عورت دوالے کھڑے ہن لدے دی اُڈیک وچ، عورت اوہیو نینہہ دا پتھر، جیہڑی اپنے ٹبر نوں بچاون لئی سفر کر رہی ہے، حج دا سفر نہیں جیس اک سفر دی اجازت صوفی دے اسلام وچ ہے، فتوے پرانہہ سٹ کے، پرواہ نہیں ٹھنڈے لاٹ دی، پرواہ نہیں صوفی صافی دی۔ جی انسان دی بچی!

اوہ اک ماں ہے، اوس اپنا بالی بچڑا بچاونا ہے اوہناں شیر دیاں پتراں توں جیہڑے دھنیاں پیاز لین آیاں مانواں نوں سوٹیاں ماردے ہن، جیہڑے دھیاں بھیناں نوں سڑکاں تے لمیاں پا کے کوڑے مارن دا تماشہ وکھاندے ہن۔ ایہہ اوہ ماواں ہن جیہناں دے ہوٹھاں تے لوریاں سوں گئیاں ہن پر جیہناں نوں اپنا عورت پن نہیں بھلا۔ اوہناں نوں ماں دی ممتا یاد ہے۔ کوئی رواج، کوئی فتوا، کوئی پشتون ولی یاد نہیں۔ اوہناں ہزاراں سالاں توں انجے ہنڈھائی ہے اپنی زندگی۔

سیونی اسیں ذات دیاں پھوکیاں
لیپے لگیاں جد وکنیاں جمیاں
پولے پیریں
دھرت سمندر گاہندیاں
نونہاں دنداں والیاں کولوں ڈھڈ لکاوندیاں
سانوں ورھے ہزاراں ہو گئے

(نجم حسین سیّد)

ooo

انھّی دے۔۔۔

کُجھ شیواں تے پیدائشی انھیاں نوں وی لبھدیاں ہین۔ ساڈیاں ویریاں دشمناں نوں کیوں ساڈی 'تاریخی عظمت، ثقافتی رفعت اور تمدنی برتری' نظر نہیں آوندی۔ (ہور اردو بولاں؟) فیر اوہ جیہڑے ساڈے موڈھیاں تے، سگوں تالو تے چڑھے ہوئے ہن اوہ کتنے وڈے ہوسن۔ اللہ اللہ!

اک ہے دنیا دا سب توں امیر صدر، عزتاں والا۔ گل عزتاں دی وی سن لو۔ لہور وچ بھنڈاں دا اک جُٹ ہنداسی۔ بڑا مشہور ہویا۔ پڑ وچ وڑدیاں ای رجز پڑھدے سن۔۔۔ بھانڈا اے پررررر پرررررر۔۔۔ اوہ ہولی ہولی سیاسی جگتاں دے سپیشلسٹ ہو گئے سن۔ ضیاالحق وی رگڑیا گیا۔ پھڑ سدائے۔ اوئے ہیما مالنی دیاں اکھاں والا تسیں سنایا سی، اوہ تے سر جی اساں ہیما نوں بھنڈیا سی۔ اوئے اوہ پنج ڈالراں والی زنانی دی گل۔ نہیں سر جی، کسے دشمن اساڈے تے تہمت لائی ہے۔ اللہ معافی، اوئے حرامیوں، میں ڈیڑھ سو کروڑ مسلماناں دا لیڈر ہاں، میں۔۔۔ ہتھ جوڑے، پیریں پے گئے۔ ساڈی کھل لھوا دو، پھاہے لا دو، ایہہ لطیفہ اساں نہیں بنایا۔۔۔

گل ہو رئی سی عزتاں والے صدر دی۔ اک چھوٹے ملک، چین توں چھوٹے ملک، دے وڈے وزیر نے منہ تے بےعزتی خراب کر دتی۔ ربا، ایہہ دھرتی پاٹ کیوں ناں گئی۔ ہوندا کدھرے ساڈا شہری، دس دیندے کیویں لوکاں دیاں بیزتیاں کری دیاں، آہو۔ چوداں سال تے کدھرے نہیں سی گئے۔

اک ہور عظیم صدر، کیونجو اوہ وی اوس عظیم قوم دا فرد ہے جیس دی تاریخی عظمت۔۔۔ آذربائیجان نے کجھ منڈے پڑھن لئی مغربی ملکاں وچ بھیج چھڈے۔ حالاں لوڑ نہیں سی، اساں تے آپوں ساری دنیا نوں سبق پڑھاونا ہے، جہالت دا۔۔۔ اوہناں خورے کیہ پڑھایا، آوندیاں سار اک وڈیو بنا چھڈی اک منڈے نے، اوہدا بھلا جیہا ناں اے، عمران حاجی زادہ۔ بہت حاجی اے۔ اوس وڈیو وچ اک کھوتا پریس کانفرنس کر رہیا ہے۔ آذربائیجانی بڑے سیانے لوک ہن، فٹ کھوتے دی کھل وچ اپنے صدر نوں پچھان لیا۔ منڈے نوں جیل وچ پا دتا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

دنیا دا سب نالوں سینئر صدر، مصر دا حسنی مبارک۔ انی سو اکاسی وچ آیا سی، حالے وی قائم دائم اے۔ صدر دا صدر اے۔ کیہ لوڑ اے امیر المومنین بنن دی۔ اوس دی رعایا وچوں کسے نے، کدھرے اک کوتا لکھ ماری، اوس کیہ لکھیا ایس دی تے سانوں کوئی سار نہیں، بندہ تن سالاں لئی اندر اے، ہور لکھو، ہن دنیا رولا پاونا۔ ساڈے خلاف جو ہوئے، حالاں ایس کسے دے خلاف نہیں سوائے ہندواں دے، سکھاں دے، عیسائیاں دے، یہودیاں دے، بدھ مت والیاں دے، کمیونسٹاں دے، دہریاں دے، ناستکاں دے۔ کجھ ہور۔۔۔

بڑا عجیب زمانہ آ گیا اے، جہدی پیڑھی تھلّے اگ لاؤ اوہو ای بھڑکدا اے۔

ڈُچی:

مینوں اک ایس ایم ایس ملیا اے، تسیں وی ڈردے ڈردے پڑھ لو۔

Zardari is honest
I Love Zardari

○○○

پنج جولائی

امریکہ وچ جد چار جولائی ہوندا اے، آزادی دیہاڑ۔ اوہیو دیہاڑ پاکستان دا یوم غلامی ہوندا ہے۔ پنج جولائی۔ سچ آکھیا ہے سیانیاں آزادی دا مل ہے ہر ویلے راکھی۔ اساں راکھی ناں کیتی۔ تت کیہہ؟ تریہہ سال پہلوں اُنی سو سنتالی وچ پاکستان آزاد ہویا۔ تریہہ سال پچھوں اُنی سو ستتر وچ پاکستان انگریز دی تھاں پولیٹیکل اسلام دا غلام ہو گیا۔ اُڈ پڈ گئیاں ذاتی آزادیاں، اُڈ پڈ گئے مُڈھلے انسانی حق۔ بولن دا حق، ٹرن پھرن دا حق، اکٹھے ہوون دا حق۔ پاکستان دیاں زنانیاں تے اقلیتاں وی کہندیاں ہونیاں ہن، 'اسیں آزاد آں'۔ بی بی ہولی بولو کدھرے طالبان ناں سن لین۔ امریکہ وچ تاں پرسوٹ آف ہیپی نس، خوشی دی تلاش نوں وی مُڈھلا حق مندے ہین۔ ایتھے اجیہاں ستھاں وی ہن جیہڑیاں سرکار دی چھتر چھاں تھلے ایہہ گل پک کر دیاں رہندیاں ہن جو کوئی، کدھرے خوش تاں نہیں۔

ایس واری پنج جولائی نوں میں ربوں اسلام آباد وچ سی۔ تھاں تھاں تے پیپلز پارٹی دے جھنڈے۔ میرا گیاراں سالاں دا دوہترا میرے نال سی۔ پچھن لگا ایہہ کیس خوشی وچ؟ اہنوں دسیا اج توں بتی روھے پہلوں اک فوجی نے امریکہ نال رلتی ہو کے پاکستان نوں

ملانیاں ہتھ ویچ دتا سی۔ ویلے دی چنی ہوئی پیپلز پارٹی دی حکومت توڑ کے، ہل مارلئی سی۔ پی پی اج روس وکھالے لئی یومِ سیاہ منا رہی ہے۔ پچھیا سیاہ، کالے نوں نہیں کہندے۔ اوہ ویکھ پتر وچوں کالا اے۔ پر اوہ رتا تے ساوا، اوس مڑ پچھیا۔

تھوڑی ڈاکٹری ماری، اوہنوں دسیا کجھ لوکاں نوں رنگ نہیں وسدے۔ کجھ سیاست تے استادی ماری، اوہنوں دسیا، رتا رنگ ہے سوشلزم دا جیس دا ناں لیندیاں ہن پی پی سنگدی اے۔ ساوا رنگ ہے پاکستان دا۔ پاکستان تاں پاکستان ہے، اصل شے ہے حکومت۔ حکومت چلاون لئی کئی چلتر کرنے پیندے ہن۔ فضل الرحمٰن ورگے مولبیاں نال رلنا پیندا، صوبے تروڑن والے، جگا ٹیکس وصولن والے وی یار بناونے پیندے ہین۔ کنجری بنیاں میری عزت ناں گھٹدی۔۔۔ جیوندیاں زنانیاں نوں دبن والیاں دے سر تے ہتھ رکھنا پوندا ہے۔ پنجاب نوں تروڑن بھنن لئی کوئی چارہ کرنا پوندا ہے۔ مجاں نوں ڈبی وچ پونا پیندا ہے، متاں اپنے آپ نوں حاکم میل توں وی وڈا سمجھن لگن۔

موٹروے راہیں مڑدیاں، کلر کہار دو ٹرک الٹے ہوئے تکے۔ روز دا کم اے۔ اترائی بہت اے۔ رفتار دی حد پنجاہ کلومیٹر لکھی ہے۔ کیہڑا منے۔ اک تاں جو سرکار کہندی ہے کوڑا ای ہوونا اے۔ دوجی پٹرول اُتے ڈیزل دی مہنگیائی۔ انجن بند کر کے راساں رب تے چھڈ دتیاں۔

اگے آئے، کھبے پاسیوں اک سوزوکی شوں کر کے لنگھ گئی۔ اگانہہ آ کے نواں رنگ تکیا۔ تناں لیناں وچ ٹرک، رب رب کر کے ٹردے گئے۔ اک ویگن جیہڑی قانون دے حساب صرف کھبی لین وچ ای چل سکدی ہے، ساڈے سجے پاسے توں اوورٹیک کر کے اوہ گئی۔ جھٹ ٹھہر کے دو کاراں وچ لگی ریس نوں تکیا، اپنی بلد موتر نی چال وچ مقابلہ ہو رہیا سی اوس اک سڑک تے جتھے لوکیں عام طور تے قانون مطابق ای چلدے ہن۔ پُلس کدھرے نظر نہیں آ رہی سی۔

ایس واری میری حیرانی احمد نے دور کیتی۔ اج پنج جولائی ہے۔ جیس دہاڑے ہر قسم دے قاعدے قانون تروڑ دتے گئے، اوتھے ٹریفک دے قانون کیس گنتی وچ۔

بے بے، بے بے۔۔۔

بے بے دا ٹوہر جھلیا نہیں سی جاندا۔ جیس ماں دا اک پتر بدمعاش ہووے اوہدا ٹھکا ای نہیں جھلیا جاندا۔ جیہدے خیر نال دس ہوون اوہ تاں بلے بلے۔ وار و واری جوان ہو رہے سن۔ جوانی توں سال پہلاں ای بدمعاشی چ پیر پا دیندے سن۔ اُتلا اک پوڑی ہور چڑھ جاندا۔ چیئرمین بن جاندا، چیئرمین توں ایم پی اے، ایم پی اے توں ایم این اے۔ ابا اوہناں دا ٹڑ گیا سی۔

دس پتراں نوں پالدے پالدے
بڈھا گیا سی ہو
دس پتر پر رل مل کے اک
پال سکے ناں پیو

پیو دے جان نال بے بے، بے بے ہو گئی۔ منڈے انگوٹھا چنگھدے ای جوان ہو گئے۔ انج وی کہندے نیں یہودی تے مسلمان اودوں تیکر جوان نہیں ہوندا جد تائیں اوہدا پیو ناں مرے آپ بھانویں پچاہ سالاں دا ہو جائے۔

بے بے داو دھکرا تاں بندے دے ہوندیاں وی بتھیرا سی، ہن دون سوایا ہو گیا۔ الاہمے تے بالاں دے چھوٹیاں ہوندیاں توں آون لگ پئے سن۔ بے بے، چھیدے نے وٹا مار کے ساڈی ککڑی دی لت توڑ دتی۔ بے بے، چھیدے نے ساڈی کڑی دا گھڑا بھن دتا۔ بے بے، چھیدے نے اپنے بیلی نال لے کے ساڈا کماد برباد کر دتا۔ بہتی واری تے بے بے گل ٹال جاندی۔ کدی کدائیں اپنی اولاد تے ناراض ہوندی، وے ناں کریا کر وانج دے کم۔ کمینے لوک تے اِک گنے دا وی میہنا دین آ جاندے آ۔ کماد والا دھون نیویں پا کے ٹر جاندا۔ کدی بہتا ناراض ہوندی تے چھیدے دے منہ تے پیار نال چپیڑ مار دی، انج لگدا اوہدیاں گلھاں تے پیار نال انگلاں پھیر رہی اے۔ ماں جو سی، اک آئیڈیل ماں۔ اوہ اوہدے پنڈ دے سارے منڈیاں دی آئیڈیل سی۔ اوہ منڈے جدوں رزق دی تلاش وچ شہر آئے تے ساریاں اپنے رکشیاں، بساں تے ٹرکاں دے پچھے لکھایا ہوسی۔۔۔ ماں کی دعا۔۔۔ نی اوہ چھیدا فیر آ گیا۔

گل کیہ، ماں دی دعا نال ایس گھر نوں بہت بھاگ لگے۔ رب ایہو جیہے گھراں وچ بہت برکت پاؤندا اے۔ جیہڑے ممبر بن گئے سی اوہ وزیر ہو گئے۔

اک نوں دوجیاں دی ویکھو ویکھی تعلیم دا شوق چڑھیا۔ کیوں ناں میں وی بی اے پاس کر لاں، لوکی کہن گے گریجوایٹ ہو گیا اے۔ اک بھتیجے دی ڈیوٹی لائی، کاکا امتحان شمتحان دے دئیں۔ لوکی بھیڑے تے ایویں گلاں کر دے نیں۔ سونہہ رب دی سکا بھتیجا سی!

دوجے کول اک زنانی کم کراون آ گئی۔ واہوا مونہہ متھے لگدی سی۔ ذرا اپنے سر تے ہتھ رکھ کے دسو، ممبری اینویں لبھ جاندی اے۔ اوہدے کولوں خرچا تاں لینا سی۔ اوہ نری پڑھی لکھی سی، پیسا پلے نہیں سی۔ اسیں حاکم لوک، سانوں وصولی دے ہور ڈھنگ وی آوندے نیں۔ اخباراں، ٹیلیوژن والے تے ہین ای وہلڑ، بدمعاش۔

چھیدا دیسی پی پی کے اکیا تھکیا سی، بندہ اچیچا گھلیا بنکاک، کوئی میرے لائق دی لبھ

کے لیاوے۔ اگل واہنڈی ائرپورٹ تے لین گیا۔ اگوں افسر اجکل دے، کمیاں دے پتر۔ قانون پڑھاون لگ پیا چھیدے نوں۔ چھیدا تے آپ بناوے قانون۔ تھوڑا قانون اوس افسر نوں پڑھانا پیا۔ فیر رولا۔ ایہہ ماں۔۔۔ میڈیا۔

بے بے غصے نال چھیدے دیاں گلھاں تے انگلاں پھیریاں۔ 'میرا سوہنا پتر! ایہہ جیہڑے قانون لوکاں لئی بناؤندے او، بیٹا جی، اوہناں تے کدی آپ وی نظر مار لیا کرو۔' پیار بھریاں اکھاں نال اپنے جگر تے ٹوٹے ول تکیا 'شرارتی ناں ہووے تے۔'

ooo

چیلنج دادائرہ

مفتی نعیمی نوں مار کے طالبان نے چیلنج دادائرہ کوئی بہتا ای وڈا کر لیا ہے۔

ایہہ دائرے دی گل انج ہے۔ اک منڈا، جوان، تکڑا، نویں نویں باکسنگ سکھی سی۔ جوانی ٹھلی نہیں سی جاندی۔ اک ہوٹل وچ بیٹھا یار دوستاں نال مستی کر رہیا سی۔ شراب دے دو گھٹ ودھ پیتے گئے سی۔ اچی اچی بول رہیا سی۔

اوئے کوئی ہے تہاڈے چوں میرے ٹُل دا۔ یار بیلی سن، ہس کے ٹال دتا۔ اوئے کوئی ہے ایس کمرے وچ میرے مقابلے دا۔ نال دی میز توں اک بندے مڑ کے ویکھیا، ہس کے اپنے نال دیاں نال گلاں کردا رہیا۔

اوئے کوئی ہے پورے شہر وچ جہڑا میرے نال مقابلہ کرے۔ نال دی میز والے نے اوازار ہو کے اک بھوں چک کے اوہدے ول تکیا۔ تدنوں منڈے نے ہور گلاسی اندر سٹ لئی۔

اوئے کوئی پورے ملک وچ ہے، یاں سارے زنانے ای او۔ نال دی میز والے نے، جو پوری دنیا دا باکسنگ دا چمپئین سی، گھوری وٹی پر چوہا تاں شرابی ہو گیا سی۔

بے بے، بے بے۔۔۔

بے بے دا ٹوہر جھلیا نہیں سی جاندا۔ جیس ماں دا اک پتر بدمعاش ہووے اوہدا ٹہکا ای نہیں جھلیا جاندا۔ جیہدے خیر نال دس ہوون اوہ تاں بلے بلے۔ وارو واری جوان ہو رہے سن۔ جوانی توں سال پہلاں ای بدمعاشی چ پیر پا دیندے سن۔ اُتلا اک پوڑی ہور چڑھ جاندا۔ چیئرمین بن جاندا، چیئرمین توں ایم پی اے، ایم پی اے توں ایم این اے۔ ابا اوہناں دا ٹر گیا سی۔

دس پتراں نوں پالدے پالدے
بڈھا گیا سی ہو
دس پتر پر رل مل کے اک
پال سکے ناں پیو

پیو دے جان نال بے بے، بے بے ہو گئی۔ منڈے انگوٹھا چنگھدے ای جوان ہو گئے۔ انج وی کہندے نیں یہودی تے مسلمان اودوں تیکر جوان نہیں ہوندا جد تائیں اوہدا پیو ناں مرے آپ بھانویں پجاہ سالاں دا ہو جائے۔

بے بے دا دھکرا تاں بندے دے ہوندیاں وی بتھیرا سی، ہن دون سوایا ہو گیا۔ الا ہے تے بالاں دے چھوٹیاں ہوندیاں توں آون لگ پئے سن۔ بے بے، چھیدے نے وٹا مار کے ساڈی ککڑی دی لت توڑ دتی۔ بے بے، چھیدے نے ساڈی کڑی دا گھڑا بھن دتا۔ بے بے، چھیدے نے اپنے بیلی نال لے کے ساڈا کماد برباد کر دتا۔ بہتی واری تے بے بے گل ٹال جاندی۔ کدی کدائیں اپنی اولاد تے ناراض ہوندی، وے ناں کریا کر وانج دے کم۔ کمینے لوک تے اِک گنے دا وی میہنا دین آ جاندے آ۔ کماد والا دھون نیویں پا کے ٹر جاندا۔ کدی بہتا ناراض ہوندی تے چھیدے دے منہ تے پیار نال چپیڑ مار دی، انج لگدا اوہدیاں گلھاں تے پیار نال انگلاں پھیر رہی اے۔ ماں جو سی، اک آئیڈیل ماں۔ اوہ اوہدے پنڈ دے سارے منڈیاں دی آئیڈیل سی۔ اوہ منڈے جدوں رزق دی تلاش وچ شہر آئے تے ساریاں اپنے رکشیاں، بساں تے ٹرکاں دے پچھے لکھایا ہو سی۔۔۔ ماں کی دعا۔۔۔ نی اوہ چھیدا فیر آ گیا۔

گل کیہ، ماں دی دعا نال ایس گھر نوں بہت بھاگ لگے۔ رب ایہو جیہے گھراں وچ بہت برکت پاؤندا اے۔ جیہڑے ممبر بن گئے سی اوہ وزیر ہو گئے۔

اک نوں دوجیاں دی ویکھو ویکھی تعلیم دا شوق چڑھیا۔ کیوں ناں میں وی بی اے پاس کر لاں، لوکی کہن گے گریجوایٹ ہو گیا اے۔ اک بھتیجے دی ڈیوٹی لائی، کاکا امتحان شمتحان دے دئیں۔ لوکی بھیڑے تے ایویں گلاں کردے نیں۔ سونہہ رب دی سکا بھتیجا سی!

دوجے کول اک زنانی کم کراون آ گئی۔ واہوا مونہہ متھے لگدی سی۔ ذرا اپنے سر تے ہتھ رکھ کے دسو، ممبری اینویں لبھ جاندی اے۔ اوہدے کولوں خرچا تاں لینا سی۔ اوہ نری پڑھی لکھی سی، پیسا پلے نہیں سی۔ اسیں حاکم لوک، سانوں وصولی دے ہور ڈھنگ وی آؤندے نیں۔ اخباراں، ٹیلیوژن والے تے ہین ای وہلڑ، بدمعاش۔

چھیدا دیسی پی پی کے اکیا تھکیا سی، بندہ اچھا گھلیا بنکاک، کوئی میرے لائق دی لبھ

کے لیاوے۔ اگل واہنڈی ائرپورٹ تے لین گیا۔ اگوں افسر اجکل دے، کمیاں دے پتر۔ قانون پڑھاون لگ پیا چھیدے نوں۔ چھیدا تے آپ بناوے قانون۔ تھوڑا قانون اوس افسر نوں پڑھانا پیا۔ فیر رولا۔ ایہہ ماں۔۔۔ میڈیا۔

بے بے غصے نال چھیدے دیاں گلھاں تے انگلاں پھیریاں۔ 'میرا سوہنا پتر! ایہہ جیہڑے قانون لوکاں لئی بناؤندے او، بیٹا جی، اوہناں تے کدی آپ وی نظر مار لیا کرو۔' پیار بھریاں اکھاں نال اپنے جگر تے ٹوٹے ول تکیا 'شرارتی ناں ہووے تے۔'

OOO

چیلنج دا دائرہ

مفتی نعیمی نوں مار کے طالبان نے چیلنج دا دائرہ کوئی بہتا ای وڈا کر لیا ہے۔

ایہہ دائرے دی گل انج ہے۔ اک منڈا، جوان، تکڑا، نویں نویں باکسنگ سکھی سی۔ جوانی ٹھلی نہیں سی جاندی۔ اک ہوٹل وچ بیٹھا یار دوستاں نال مستی کر رہیا سی۔ شراب دے دوگھٹ ودھ پیتے گئے سی۔ اچی اچی بول رہیا سی۔

اوئے کوئی ہے تہاڈے چوں میرے تُل دا۔ یار بیلی سن، ہس کے ٹال دتا۔ اوئے کوئی ہے ایس کمرے وچ میرے مقابلے دا۔ نال دی میز توں اک بندے مڑ کے ویکھیا، ہس کے اپنے نال دیاں نال گلاں کردا رہیا۔

اوئے کوئی ہے پورے شہر وچ جہڑا میرے نال مقابلہ کرے۔ نال دی میز والے نے اوازار ہو کے اک بھوں چک کے اوہدے ول تکیا۔ تدنوں منڈے نے ہور گلاسی اندر سٹ لئی۔

اوئے کوئی پورے ملک وچ ہے، یاں سارے زنانے ای او۔ نال دی میز والے نے، جو پوری دنیا دا باکسنگ دا چمپیئن سی، گھوری وٹی پر چوہا تاں شرابی ہو گیا سی۔

گلاسی ہورسٹی۔اوئے پوری دنیاوچ کوئی۔۔۔چمپئین نے بیٹھیاں بیٹھیاں اک مکامار یا۔شرابی شیر ریستوراں توں باہر جاؤ گا۔اٹھ کے کپڑے جھاڑ رہیا سی نالے کہہ رہیا سی،چیلنج دادائرہ کجھ بہتا ای وڈا ہوگیا سی۔۔۔کجھ بہتا۔۔۔

ہر کھیڈ وچ کوئی ناں کوئی چمپئین ہوندا ہے۔جے اسلام اسلام ای کھیڈنا ہے تاں کتھے ان پڑھ،ان گھڑت طالبان،کتھے مفتی۔مفتی محمد حسین نعیمی دا پتر مفتی سرفراز نعیمی۔ایم اے عربی،پنجاب یونیورسٹی توں گولڈ میڈل۔تحریک نفاذ نظام مصطفےٰ اتے تحریک ناموس رسالت دا لیڈر۔تنظیم المدارس اہل سنت دا ناظم اعلیٰ۔طالبان دے ایس نویں کارنامے نال سارا ملک ہل گیا ہے۔سرکاری سوگ اتے چھٹی۔تھاں تھاں ہنگامے۔ہور تے ہور،جماعت اسلامی نوں وی سوگ پے گیا ہے۔کیہڑے منہ نال مفتی دے قاتلاں دی وکالت کرے گی۔کیہڑے منہ نال مذاکرات دی سفارش کرے گی۔

صدر نوں ٹی وی تے آؤنا پیا۔فوجیاں دیاں قربانیاں،تنخواہ وچ وادھا۔پاکستان لڑائی دی حالت وچ ہے۔ات وادیاں دیاں کرتوتاں،ات واد مکاون لئی پوری قوم دا ایکا۔ایس جنگ نوں اخیر تک لے جاون دا عزم۔سوات دے لوکاں دیاں اوکڑاں،اوہناں نال ہمدردی۔واہ لگدی مدد دیون دا ارادہ۔اوہناں دی واپسی اتے بحالی۔اوہناں دی حفاظت۔حفاظت لئی چھاؤنی۔سرکاری ملازماں دی تنخواہاں وچ وادھے دی گل۔

آج ٹی وی نے تقریر توں مگروں مشتاق منہاس توں اوہدی رائے پچھی کیونجو اوہ بہت وڈا سوجھوان ہے۔آپ نے فرمایا ایویں وقت ضائع کیتا ہے۔پالیسی بیان تاں کوئی ہے نہیں!

خورے ڈکشنریا منہاسیا وچ ہتھیار سٹن نوں پالیسی کہندے ہین۔

کجھ ایسا کفر تولیا ایمان والیاں
کہ کفر توں وی ہولا ایمان ہو گیا

رہی گل وڈے تڑکے کیتی ہوئی زرداری دی تقریر دی۔خورے چٹا دن وی چڑھ پیے۔خورے امداد دا پیسہ،ایس واری،سوئٹزرلینڈ ناں ای جاوے۔خورے ایتکیں جنگ اخیر تک جاوے۔خورے ایتکیں مہاجراں نوں مذہبی ٹولیاں ہتھ ناں ای ویکھن۔خورے۔۔۔ خورے۔۔۔

ساڈے شہر سویر وی تھیوے
پکھواں دی چہکار وی آوے



بن پتراں بن ڈالیاں

ایران دی انقلابی جدوجہد سو سال توں ودھ پرانی ہے۔ تودہ پارٹی، ڈاکٹر مصدق، مجاہدین خلق۔ اتے اج دی انتخابی جدوجہد۔ انقلاباں دا کم انجے چلدا ہے۔ سمندر دیاں لہراں طرحاں۔ پہلی لہر آئی کنڈھے دی ریت وچ جذب ہو گئی۔ فیر دوجی فیر تیجی۔ چل سو چل۔ فیر سمندر اگے کوئی روک نہیں کھڑوندی۔

شہنشاہ دے برخلاف پہلے انقلاب نوں امریکہ نے سی آئی اے راہیں ڈالراں تے خون وچ ڈوب دتا۔ دوجی لہر پہلی نالوں تکڑی ہو کے اگانہہ ودھی۔ ایس دا مقابلہ ممکن نہیں سی۔ ڈیرے داراں طرحاں ایس نوں چوری کرا دتو نے۔ انقلاب چور دوجیاں ملکاں وچ شیہہ کے بیٹھے سن۔ پکیاں سمیٹن نوں آ گئے۔ ساری دنیا ایہناں چوراں نوں پچھا تا اتے گواہی بھری

ع منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

چوراں چوری دے مال نوں انج لٹیا جیویں لٹن دا حق ہے۔ لگر لگر کر چھڈی منڈی۔ لکھاں جوان تے بچے اپنی جہالت دی قربان گھہ تے وار چھڈے۔ جیہڑا ملک ترقی یافتہ ملکاں وچ رلتی ہو رہیا سی اوس نوں بھکیاں تنگیاں وچ دھک دتا۔ پنج ہزار سالہ تہذیب والے

ملک نوں طالبان رنگے جانگلیاں تے وحشیاں دے وس پا دتا۔ حسن نقاب وچ اتے جھاڑ بوجھ سامنے۔ نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے۔

مجاہدین خلق دا میرا اک سجن مولبیاں توں تر ٹھا کجھ دیہاڑے پاکستان وچ کڈھ گیا سی۔ تد میری اوس دی ملاقات ہوئی۔ جڈا پکا ایمان میں اوس کمیونسٹ دا ویکھیا گھٹ ای ویکھیا ہے۔ اوہ بڑا وڈا آرٹسٹ سی۔ عالمی انقلاب دے آگواں دے شاندار پورٹریٹ تریھ سیکنڈ وچ بنا لیندا اسی۔ اک شعر اپنی سوہنی لکھائی وچ لکھ کے مینوں دے گیا سی۔

ماہی از سر گندہ گردد نی ز دُم
فتنہ از عمامہ خیزد نی زخم

مچھی سر توں سڑدی ہے پوچھاں توں نہیں۔ خرابی پگڑ توں ہوندی ہے، گلاسی توں نہیں۔ ایران دے اک بلاگر نے اپنے اج دے ویران دیس دا نقشہ انج کھچیا ہے۔۔۔ 'باغی بی برگی'۔۔۔ بن پتراں بگچی۔ سعدی تے حافظ دا سوہنا دیس اج ویران ہے۔ جہالت تے ظلم تے ملاں ننگے نچ رہے ہن۔ جیس دیس چوں خیام دا سوہنا نغمہ اٹھیا ہا جیس ساری دنیا دے دل وچ گھر کر لیا، کیہہ مشرق کی مغرب۔ اوتھوں ہن بڑھکاں سنیندیاں ہن۔

چوراں دے گھر دیوے بلن ناں بلن۔ چوری تاں نہیں چھڈدے۔ پہلوں انقلاب چرایا، ہن انتخاب۔۔۔ الیکشن۔۔۔۔ چرالیا۔ سائیاں رولا پایا تے چور ڈکیٹ بن گئے۔ ڈانگاں سوٹے بندوقاں۔ کنے بندے پھڑ کر چھڈے، کنے جانوں مار دتے۔

لوکاں شہر و شہر کچہری لائی، لکھاں دے وکھالے۔ مقابلے وچ جھوٹے دا اکو ہتھیار، جھوٹ تے بدمعاشی۔ پڑدہ پان دی کوشش کیتی۔ لوکائی نوں ڈراون دی کوشش کیتی۔ پر لوکائی تے اج نہیں اک ہور بلاگر لکھیا ہے۔

نومید مشو ای جاں
در ظلمتِ ایں زنداں

میری جان ایس کال کوٹھی وچ آس دا پلا ناں چھڈ۔ اج راتیں اللہ اکبر دی واج روز نالوں بہتی ہائی۔ ایہہ اللہ اکبر جماعت اسلامی والا نہیں جیہڑا سینے توں باہر ہوندا اے۔ اک ترکونے پلاسٹک دے بلے دی صورت وچ۔ ایہہ عوامی اللہ اکبر ہے۔ ایرانیاں روس وکھالے دا نواں ڈھنگ لبھا ہے۔ سارا شہر آپو اپنے کوٹھے تے چڑھ کے اللہ اکبر دے نعرے لاندا اے۔ جیویں پاکستانی قدرتی آفتاں ویلے اتے مارشل لا دی صورت وچ انسانی آفتاں ویلے کوٹھیاں تے چڑھ کے بانگاں دیندے ہن۔

اج راتیں اللہ اکبر دی آواز روز نالوں بہتی ہے۔ اطلاع دیون ہی اک راہ ہے۔ تسلی کروان والی۔ اکلاپے دی راہ اتے جان دی سلامتی دی راہ۔ جدوں خالی ہتھاں والی لوکائی ظالم اتے مسلح دشمناں توں اپنا حق منگدی ہے۔ روز راتیں اللہ اکبر دی آواز سواہ تھلے چنگیاڑ ہے اتے لوکائی دے جاگن دا نشان وی ہے۔

لوکاں اطلاع دے نویں نویں ڈھنگ بھال لیے ہن۔ بلاگ، اللہ اکبر، ایس ایم ایس، ٹوئٹر، فیس بک۔ تو شب آفریدی چراغ آفریدم ملاں نے نہیرا پایا لوکاں دیوا بال لیا۔ ہن ہور کجھ نہیں ہوندا تے ملاں تے اوہناں دے یار دیوے تے چانن نوں مندا بول رہے ہن۔ اللہ کر کے سائنس وچ کیڑے پے جان۔ نھیرے کتھے جان۔ نھیرے والیا۔

آزادی، انقلاب اتے ایران دے چاہ مند کجھ تھوڑ دِلے گھابر جاندے ہن خورے مولبیاں نے اپنے بدمعاشاں راہیں لوکائی نوں قابو وچ کر لیا ہے۔ انج نہیں ہوندا سوہنیو۔ حالی تے کل ای لوکاں نے پنجی کلومیٹر لمی ہتھاں دی زنجیر بنائی ہے۔ آزادی دا گھول تے اجے چلدا اے۔

امن تے آزادی دی جدوجہد وچ کم آون والے ایرانیاں بارے فیض صاحب لکھیا ہا۔۔۔

یہ کون سخی ہیں

جن کے لہو کی
اشرفیاں چھن چھن، چھن چھن
دھرتی کے پیہم پیاسے
کشکول میں ڈھلتی جاتی ہیں
کشکول کو بھرتی جاتی ہیں
یہ کون جواں ہیں ارضِ عجم
یہ لکھ لُٹ۔۔۔
یہ طفل و جواں
اس نور کے نورس موتی ہیں
اس آگ کی کچی کلیاں ہیں
جس میٹھے نور اور کڑوی آگ
سے ظلم کی اندھی رات میں پھوٹا
صبحِ بغاوت کا گلشن۔۔۔
یہ زیست کی رانی کا جھومر
یہ امن کی دیوی کا کنگن

000

بانگے ککڑ

جد چوچے ذرا وڈے ہوندے نیں، اپنے اک وڈے جیہناں دا شوربہ حکیم کمزور مریضاں نوں دسدے ہین، تے اوہ بانگاں دین لگ پوندے ہین اتے ہر ویلے ہر چوچے نال لڑدے ہین۔ حالی بانگ وی پوری طرحاں نہیں دے سکدے پر دیندے رہندے ہین، خورے چھری نظر آوندی ہے۔ پاکستان دے شمال وچ رب دے بانگے ککڑ اج کل ایہو کجھ کر رہے ہین۔

کئی واری ککڑیاں وی ایہو کجھ کر دیاں ہین۔ اوہناں دی بانگ سن کے لوک کہندے ہین، لؤ جی ایہہ تاں قیامت دی نشانی اے۔ قیامت تے خیر کیھ آونی اے، اوہ تے چودھویں صدی مکن تے ناں آئی، ناں ای ویہویں صدی مکن تے آئی، ''چندا'' نوں مسلماناں دے گھیرے وچ سڑک تے لمیاں پا کے کوڑے مارن نال ناں آئی۔ ایناں ضرور ہے جو ککڑیاں نوں چوچیاں ہار لڑدیاں اتے بانگاں دیندیاں ویکھ کے حیرانی ضرور ہوندی ہے۔

ساری عمراں عورتاں دے حقاں بارے اتے اوہناں دے حق وچ بولدیاں سنگھ بیہہ گیا اے۔ منگل سولاں جون نوں پنجاب اسمبلی دیاں 'خاتون' ممبراں دی لڑائی ویکھ کے

(نالے گالھاں سن کے) اوہناں دے خلاف لکھن نوں جی کردا اے، پر نہیں لکھنا۔ ایک کم لئی ملاں شیر جوان تھوڑے نیں۔ اوہ تے کمزور اتے حقاں توں وانجھیاں ہویاں عورتاں دے خلاف لکھن بولن نوں بہادری اتے فیشن سمجھدے ہین۔

عورت تے انسان نوں جمدی اتے پالدی ہے۔ اوہ تے تہذیب دا سوما ہے۔ پر ماڑا ہووے میل ونڈ دا، طبقاتی نکھیڑ دا۔ حاکم میل دیاں عورتاں وی حاکم ای ہوندیاں ہین۔ اوہیو سوچاں، اوہیو طور طریقے، اوہیو بھیڑ۔۔۔

○○○

بابا جی ہن تہاڈی واری اے!

رحمان بابا دے مزار دی بے حرمتی کرن والیاں دے حوصلے ساڈے نکمّے حکمراناں اپنے ودھا چھڈے نیں جو میری چنتا بابے بلھے شاہ بارے بہت ودھ گئی اے۔ اسمبلی وچ طالبان اگے ہتھیار سٹن دی قرارداد منٹاں وچ منظور ہوگئی۔ کوئی کجھ نہیں بولیا، تریمتاں وی نہیں۔

سچ آکھناں کیوں ڈرنا ایں
اس سچ پچھے توں ترنا ایں
سچ سدا آبادی کرنا ایں
بربادی تے جھوٹ کپٹ نال ہوندی اے۔

جیس ویلے بولن دی لوڑ ہووے اوس ویلے چپ کرناں وسیب دا سب توں وڈا گناہ اے۔ سب توں وڈی منافقت اے۔ سب توں وڈا کوڑ اے۔

علم تے عقل دے ویریاں سوات فتح کرن توں پچھوں پنجاب ول مہاراں موڑ لئیاں نیں۔۔۔ تیری ڈاچی دے گل وچ ٹلیاں۔۔۔ ظالمو اسلام آ رہیا جے۔

امن زندہ باد

اک بچی ونی کردے نیں جرگے۔ اساں ساریاں سوات دیاں زنانیاں مولویاں نوں ونی کر چھوڑیاں وڈے وڈے دعوے کرن والیاں وچوں کوئی نہیں بولیا۔ کدھرے طالبان تے بچ نہیں بولدے۔۔۔ مغربی جمہوریت نرا فراڈ اے۔ ایس جرم وچ سارے رلتی نیں۔۔۔ کجھ جنے، کجھ تریمتاں، ساری ٹبیر وبرادری

بتاں اگے سیس نوائی
جہڑے گھڑ کے آپ بنائی

ایہہ بت ساڈیاں ووٹاں نال بنے پر انھے بولے کیوں نیں؟ سوات دی دھی دیاں چیکاں ایہناں نوں نہیں سنیاں۔۔۔ میماں نوں وی نہیں۔ ایہناں دے ہیرو محمد بن قاسم نے کیس قسم دیاں چیکاں سنیاں سی۔

نعرہ لاواں؟
محمد بن قاسم زندہ باد
طالبان تے قومی اسمبلی وی زندہ باد!

دھرتی ویچ لئی نیں
دھیاں بھیناں سبھ ویاہون
نہ ماتا کسے ویاہی اے

امن زندہ باد!

ooo

اللہ دا ہتھ

اقبال آکھیا سی۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

اوس دا مطلب تے شاید ایہہ سی جو ہی سلامت ایمان والا بندہ جو کار کرسی اوہدے وچ رب دی مرضی رلتی ہے۔ اج کل دے مذہبی سیاستدان ایہہ کہندے تے سمجھدے ہین جا اوہ جو کجھ وی کرلین، جو جھک مارلین، اوہنوں رب دا کیتا جانو۔

ایران کوئی تریہہ ورھیاں توں مومن ملانیاں دی کڑکی وچ پھاتا ہویا ہے۔ پچھلے جمعے اوتھے صدر دی کرسی لئی چوناں ہویاں۔ حاکماں دی مرضی دے چار پنج امیدوار سن جیہڑے اوہناں دی اجازت نال ایہہ چوناں لڑ رہے سن۔ اوہناں چوں اک حاضر سروس صدر احمدی وی سی۔ سرکار اوسدے نال، دربار اوس دے نال، عدل انصاف تے عدالتاں اوس تے نال، سیاسی مخالفاں لئی بنائی ہوئی بدمعاش فورس وی اوہدے نال۔ جتھے دیکھاں میرے پیر دا جبا (جلوہ) اوہناں چوناں وچ جتن لئی ادھے ووٹاں نالوں اِک ووٹ ودھ ہونا چاہیدا ہے۔ جیکر کوئی ادھے ووٹ ناں لے سکے تاں اُتلے دو اُمیدواراں وچ سدھا مقابلہ ہوندا ہے۔

شروع شروع وچ جیہڑی گنتی آئی اوہدے وچ حسین موسوی اگے سی۔ مڑ سرکار نے ہتھ کیتا۔ گنتی دسنی بند کردتی تے ست کروڑ لوکاں دے ووٹاں دا دو گھنٹے وچ حساب لا لیا بھاویں ووٹنگ پچاسی فی صد سی۔ مولویاں تے فرشتیاں رل مل کے چھیتی چھیتی گنتی کیتی تے اعلان کر دتا جیویں کسے زمانے وچ مناظرے توں بعد ڈانگاں والے مولوی دے بندے کردے سن۔ 'ساڈا مولوی جیت گیا۔ ساڈا مولوی جیت گیا۔' اتے جتیا وی جیویں جتن دا حق ہے۔ تریٹھ فی صد ووٹاں نال! ملک وچ تریہہ فی صد بے روزگاری، ووٹ پچھلی واری نالوں ستر لکھ زیادہ۔ مسلمان حساب وچ ای مار کھاندا ہے۔ جد پنجاہ فی صد نال گزارہ ہونداسی تے تریٹھ فی صد کاہدے لئی؟ اساں پاکستان وچ نوے فی صد ووٹ لیندے بندے تکے ہن۔ بندے؟ منہ نال متھا، جن پہاڑوں لتھا۔ کہندے نیں خیالی پلاؤ پکانا ہووے تے مسالے کیوں گھٹ پانے۔ اوہناں اللہ دے ہتھ والے مومناں وی تاں تریہہ ورھیاں وچ اینا ای سکھیا اے۔۔۔

اوہ آکھن لوکیں جھلے نے
ایہناں دب ورتو، ایہناں رج ورتو
ایہناں دکھ دکھ کر کے وڈھ ورتو

مولویاں دے مولوی آیت اللہ خامنائی کول شکایت کیتی۔ اوس جواب دتا۔ ایہہ اللہ دا ہتھ ہے۔

پاکستان وچ اقبال دی شرح لکھن دا بڑا فیشن ہے۔ ایہہ اک پورا مضمون ہے۔۔۔ اقبالیات۔

لکھو ہن نویں شرح اقبال دی۔

حسین کوئی کھبے پکھ دا بندا نہیں، کوئی لبرل یاں سیکولر بندا نہیں۔ اوہناں وچوں ای ہے۔ اوہناں دا ای ہے۔ پرانے اسلامی انقلاب دیاں موہریاں وچوں ہے۔ بس اینا

کہندا اے، ذرا ہتھ ہولا رکھو۔ لوکائی اوہدے نال ہے، جوان اوسدے نال ہن (ایرانی ووٹر سوچوں سٹھ نوجوان ہن۔ صدقہ پھاہیاں دا تے ایران عراق جنگ دا) ظالماں، حاکماں دا دھرواپنی تھاں۔ اک خلقت وی ہوندی ہے۔ خلقت دی زبان نوں خدادا نگارا کہندے ہن۔ نگارا وجیا۔ یدھ پے گیا۔

خلقت سڑکاں تے آ گئی۔ اودھروں بسیج، مولبیاں دی لٹھ فورس، اوہناں دے البدر تے الشمس، لاٹھی، گولی، گیس۔ یونیورسٹی تے دھاڑا کیتا۔ ست سٹوڈنٹ جانوں مار دتے باقیاں نوں ماریا کٹیا۔ ہوسٹل لٹے، لوکیں سڑکاں تے آ جاون تے 'پچھے مول ناں ولدے'۔

لکھ حاکم ڈاھڈے نے

پر خلقت اج ناں ٹلدی (ارشد میر)

لکھاں دے جلوس۔ چپ چاپ۔ کدیں کدائیں اللہ اکبر۔ ہتھاں وچ چھوٹے چھوٹے پلے کارڈ۔ میرا ووٹ کدھے؟ ویراز مائی ووٹ؟ رائے من کو؟ بولو سرکار۔ فوج چڑھاؤ۔ گولیاں مارو۔ کوڑ مارو۔

ایہہ نہیں ویہن سدائیں

گھتو گھول گھچولا

ایہناں پُن کڈھنا اے۔۔۔

وت ہڑھ چڑھنا اے

جس پٹ کھڑنا اے کر خانہ کُوڑ دا (نجم حسین سیّد)

ooo

انوکھا لاڈلا

اک لاڈلے بچے دی ماں ماسٹر نوں کہندی اے ویکھو جی میرا بچہ بہت لاڈلا اے بہت سیانا اے تے بہت حساس وی اے۔ جے کر ایہہ کوئی غلطی کرے تے نال دے منڈے دے منہ تے چنڈ ماردینا ایہہ آپے سمجھ جاوے گا۔

امریکہ بہادر ولوں زرداری نوں حاضری دا پروانہ ملن دی دیر سی ساڈی آزاد پارلیمنٹ دے آگو آزاد وزیراعظم نوں سارے آپشن کھلے نظریں آون لگ پے نے۔

فوج نے تیاری پھڑ لی اے

آرمی چیف کہندا اے جیکر سولاں کروڑ بندے ہتھ پوان تے خورے آرمی صوفی دی 'افواج قاہرہ' دے مقابلے لئی تیار ہو ای جاوے۔

'فوج لوکائی دے آسرے نال انتہا پسندی مکا سکدی اے' آرمی چیف۔

نواز شریف تے ہے ای انوکھا لاڈلا تے سمجھدار وی ہے۔ فٹافٹ لین بدل لئی اے۔ پاکستان بچاون دی لڑائی ہن امریکہ دی نہیں پاکستان دی لڑائی اے۔ جس طرحاں دوجی لام ویلے فاشسٹاں دے خلاف جنگ راتوں رات سامراجی جنگ نہیں سی رہی سگوں ایہہ

جنگ سی جنگِ آزادی۔ بس سوویت یونین تے حملے دا انتظار کر رہی سی۔

پر دُدھ وچ مینگناں ناں پاوے تے بکری نوں بکری کون آکھے۔ خورے حوصلہ مک گیا اے۔ لاہوری محاورے وچ کہندے نے اوئے بکری۔ میاں صاحب لئی پاکستانی طالبان حالی وی چنگے نیں! اوہ آرٹ تے امن دی عاشق ہزاراں سالاں دی تہذیب دی مالک سواتی قوم پھیر کیہہ اے؟

مُنڈا چنڈ کھا کے وی ٹھیک پہاڑ اسناد یوے تے شاباش ای کہندے نے۔

ooo

ون سونّے رب

لو جی، ٹونی بلیئر صاحب وی بولے جے۔ بھلے تے ناں ہوسو ایس بندے نوں۔ کسے زمانے وچ بش دی چمچہ گیری وجھوں ایہنوں بش دا پوڈل کہندے سن۔ فرماؤندے نیں، ہر فرمان والے بھیڑے بندے ہار، میں جیہڑی جیہڑی خرابی کیتی اوہ میرے رب نے میتھوں کروائی۔ میریاں کرتوتاں دا تعلق میرے رب نال ہے، اوہ مینوں سمجھاندا ہے۔ (چِٹّی مت دین نوں خورے سمجھانا ای کہندے ہون۔ اوہ دیاں اوہ جانے)

ایس توں پہلوں بش دا ایہہ دعویٰ تے ہر کسے دی نظر وچ ہے جو عراق ورگی ہر خرابی لئی اوہدا رب اوہنوں مونہوں تمونہی کہندا سی۔ وارے جایئے ایچھے رب دے۔ جیہدے کول موبائیل فون وی ہے نیں۔

طالبان وی رب جانے کسے رب دے کہن تے کڑیاں دے سکول ساڑدے ہین اتے عورتاں تے بالاں نوں بمباں نال اُڈاؤندے ہین۔ خورے ایہو جیہے ظالمان دی حمایت وی قاضی تے مشتاق منہاس رنگے بندے کسے رب دے کہن تے کردے

ہوون۔ ایڈے رب والے لگدے تے نہیں۔ 'رب دیاں رب جانے' اک پنجابی اکھان ہے۔

رب نوں ہر پڑوچ لیا کھلارن والے لوک اپنی لوڑ ویلے رب توں ای مکر جاندے ہن۔

یملا جٹ تے رب نوں لے گئے چور۔

ooo

گُھمر گھیر چ لڑ ناں لگدی

لڑ اوہ لما بانس ہے جس نال دھک کے سندھ دریا دے ملاح اپنی کشتی دھکدے ہن۔ جتھے پانی بہت ڈونگھا ہووے اوتھے لڑ تھلے نہیں لگدی، اُپروں گھمر گھیر ہووے تے ملاح کیہ کرے۔ ناصر بلوچ دا تھلوچی ملاح اپنی کشتی ٹھلدا ایہناں سوچاں وچ اے۔

گھمر گھیر چ لڑ ناں لگدی
نین جٹی دے اتنے ڈونگھے
ڈھلدے دینہہ دا سارا سونا
اس ہک مکھ تے آن کھلوتا
۔۔۔ میں ہاں نوکر توں مہرانی

کشتی کدھر لے ونجھاں، کیویں لے ونجھاں، ایہے وچار او ہیو کری جو کشتی ٹھلسی۔ ایہہ مہراں، مہرانیاں دی کھیڈ نہیں۔ اوہ تے سوہنے لیڑے تے سوہنیاں گڈیاں دنیا نوں وکھان لئی جمے ہین، وکھالین تے سمجھو پھل ہوئے۔ کجھ لٹ مار کرلئی تے پو باراں۔

اساڈا ملک وی گھمر گھیر وچ ہے، لڑ وی نہیں لگدی۔ ٹالسٹائی کہندا ہے 'میں اک

چھوٹی کشتی وچ اوس بندے ہار ساں جیس نوں ہواواں تے لہراں دھکی جاندیاں ہوون۔ اوس بندے لئی ایہوو ڈا تے کلا سوال ہے جیس دا اوس نوں جواب دینا چاہی دا ہے۔ کدھر ٹھلاں؟ تے جیکر اوہ بندہ ایس بجائے ایہہ آکھے کدھرے تے جا ای رہے ہاں' تے فیر اوہ۔۔۔ پاکستان ہے! پرانیاں سوچاں کنڈم ہو گئیاں ہین۔ نویں سوچ دا حوصلہ نہیں، عادت نہیں۔

جیہڑے بندیاں ہتھ اساڈی ڈور ہے اوہناں کول ایس سوال دا جواب ہے نہیں۔ اوہناں نوں ایس دی لوڑ وی نہیں، اوہناں دے آکھنے تے کدھرے پردیساں وچ ہین۔ اوہناں موجب سوچ دا مطلب ہے حرام کماون دے نویں نویں ڈھنگ۔ جہناں لوکاں نوں ایس جواب دی لوڑ ہے تے جہناں کول ایسدا جواب ہے اوہ مرزے ہار لال دوشالہ تان کے ستے پئے ہن یاں مہرانیاں دے سوہنے مکھڑے پئے تکدے ہن جہڑے ایڈے سوہنے وی نہیں، ہاں، لیڑے چون پاندیاں ہین۔

باٹھ سال اساں 'کدھرے تے جا ای رہے ہاں' والے ٹولے نوں اپنا مرشد بنا کے رکھیا ہے۔ اوہناں دی اوقات تے اینی وی نہیں جو اوہناں نوں پچھے لا کے وی کوئی فخر نال ٹرے۔ ویہلڑ، لٹیرے تے بڑبولے۔ ایہہ تواریخ دے ڈھیر تے سٹن جوگ ہین۔ پر انہہ مارو۔ نیندر نال ماندے جثے نوں نرویا کرو۔ اپنی سوچ، اپنا گیان، اپنا وچار جس نوں زنگ لگ چکا ہے، لشکاؤ تے اگانہہ ودھو۔

تیری لوڑ پے گئی پتر ڈلیا اوئے۔۔۔ لدھی ماں دار کھ لے مان۔۔۔ آجا
لدھی ماں دار کھ لے مان۔۔۔ آجا

ooo

جے توں ناں مکلاوے جاندی۔۔۔

تینوں بھرم رہنا سی
کہ رنگاں دا مطلب پُھل ای ہوندا ہے
بجھی ہوئی سواہ دی ہمک نہیں ہوندا

اسیں بڑے آکڑ پھاکڑ والے لوک آں۔ ویاہ ویلے پتراں دا مل ٹنکا کے لیندے آں۔ دھیاں پیسے دے کے ویاہنیاں پیندیاں ہین۔ ادائیگی جہیز دی صورت وچ تے اج کل نقد وی۔ کھسم دے بتی روپے چار آنے دا احسان فیر وی سر تے رہندا ہے ساری عمراں۔ ایہہ ہے ویاہ دا مل (کڑی دا مل جیہڑا منڈے والے رل کے متھدے ہن)۔ ایس دا عربی ترجمہ ہے 'حق مہر'۔ جے کڑی والیاں نوں بہتا تھلے لانا ہووے تے کہندے نے ہنے لے لو، نقد۔ نہیں تاں جدوں تہاڈی کڑی نوں چھڈاں گے اودوں لے لینا۔۔۔ عدالت دے راہیں۔

ماپے بڑے چائیں چائیں محنت نال کوئی کماؤ منڈا لبھدے ہین تے دھی نوں دھکا دے چھوڑ دے ہین۔ اج کل منڈے کمائی کرن پردیساں نوں ٹر جاندے نے، سو کڑی دی ڈیلیوری اوتھے کرنی پوندی ہے۔ C & F بذمہ کڑی دے ماپے۔

نصیبو لال۔۔۔نہیں توبہ میری۔۔۔نصیباں بی بی عمر تریٹھ سال نوں قید بول گئی ہے لندناں وچ۔قصوروچاری مائی دا ایناں ای اے جو اوس نے اپنیاں تن نونہاں 'نوں غلاماں تے کُتیاں ہار رکھیا تے باقاعدگی نال کُٹیا پھنڈیا'۔اوہ کڑیاں ہے سن ایسے لائق دیاں۔اک، دو،تن سارے ماپے انھے ہوگئے سی۔اوہ مائی نویں نونہہ دی اپڑدیاں سار سوٹیاں نال کھل لاہن لگ پیندی سی،کم کروحرام دیو،ایتھے سیراں کرن آیاں اولندناں وچ۔دن رات اوہناں توں کم لیندی سی 'کمرشل سلائی مشیناں' تے۔

ساڈا جیون وچ کٹھالیاں
کھسماں دیاں اگاں بالیاں

جیہڑی قوم دے رول ماڈل بادشاہ ہوون،سیکڑیاں رناں تے لونڈیاں والے،اوہ قوم کیہ بنے گی۔بادشاہ تے بنن توں رہے۔ایہدے لئی بادشاہ دا نطفہ لوڑی دا۔غلام تے لونڈیاں بن گئے۔ویسے ساڈا ہر بھکا ننگا دوجے بھکے نوں انج ای بلاؤندا اے۔آؤ بادشاہو۔

گل مکدی ایہہ جے ایہہ رحام دیاں کم ناں کرن تے کم کداں چلے۔منڈے شاماں نوں آوارہ گردی توں تھک کے گھر آؤندے ہن۔چار پیسے ہون تاں تّنو بیرے رل کے باہر جان،دو دو بیراں پی کے گھر آؤن۔

وے پت،آؤندی واری دھیان نال آیو،میرے سوہنے پت۔پاتھے پاتھے آیو، روڈے روڈے ناں آیو۔ایہناں رحام دیاں پتاں نوں کنی کنی قید بولی اے ایہہ خبر نہیں آئی۔

رہ گئی گل ایس گورے انصاف دی،مولوی ساڈے ویہلے نہیں،نہیں تاں دس دیندے کسے دے عظیم ثقافتی ورثے دا کیویں مذاق لاہی دا۔

ooo

ایہہ اوہیو نوازشریف اے؟

اے پی سی وچ نوازشریف دا بیان پڑھ کے میں اوس نوں نہیں پچھاتا۔اک بالغ بندے ہار اپنی سوچ کُھل کے دسی،مڑ مڑ کے جماعت اسلامی ول نہیں تکیا۔اوس ایہہ نہیں ویکھیا جو ملاں کیہ آکھن گے،سگوں ایہہ ویکھیا پاکستان لئی فیدے وند کیہڑی گل ہے۔اوہنوں ایتھے تائیں لیاون وچ کنیاں لوکاں دا دھکہ رلتی اے،ایہہ ویکھن دی لوڑ ہے۔

اک سمندری جہاز وچوں اک بندہ سمندر وچ ڈگ پیا۔رولا پے گیا۔لوک ریلنگ نال کھڑے اوس ڈبدے بندے نوں ویکھ رہے سن،وچار کر رہے سن اتے افسوس کر رہے سن تدنوں اچن چیت اک بندے نے سنے لیڑیاں چھال کڈھ ماری۔چار ہتھ مارے اوس ڈبدے نوں گلویں توں پھڑ کے جہاز تائیں لے آیا۔بڑی بلے بلے ہوئی۔لوکاں پچھیا اوہ کیہڑا جذبہ سی جیس اس توں ایڈا اوڈا کم کرایا۔اوس ولدا دتا،جذبہ تے جھٹ ٹھہر کے دساں گا۔ایہہ دسو مینوں دھکا کیس دتا سی۔میں اوہدی۔۔۔

ایس توں پہلوں وی جد جد نوازشریف پیر پچھانہہ ول گھسیڈا اسی،لوکائی اوس نوں آہندی سی 'قدم بڑھاؤ نوازشریف،ہم تمہارے ساتھ ہیں' کدیں اوہ ٹرپینداسی،کدیں ہف

کے بیہہ جاندا سی۔

اصل وچ ایہہ لوکائی لہر، خدائی لہر تت سی اوس وڈے گھول دا جیہڑا عاماں لوکاں وکیلاں دی اگوائی وچ لگاتار دو سال کیتا سی، ان تھک اتے قربانیاں بھریا۔ پاکستانی وسیب جاگیرداری توں سرمایہ داری ول پلٹا کھا رہیا ہے۔ عدالتی انصاف سرمایہ داری وسیب دی وڈی لوڑ ہے، انصاف سرمایہ دار لئی، انصاف مزدور لئی، اتے انصاف عاماں لوکاں لئی۔ جاگیرداری نوں انصاف وارا نہیں کھاندا۔ پیپلز پارٹی نے ایس انصاف نوں ڈکن لئی پورا پورا ٹل لایا تاہیوں پاکستان دے سارے وڈے جاگیردار پیپلز پارٹی وچ رلتی ہن۔ ٹھیک گل تاں انج ہے جو سارے وڈیرے ایس پارٹی وچ ہن ایس کر کے ایس پارٹی نے عدالتی انصاف دی راہ وچ ہر روڑا اٹکایا۔

میں نہیں سمجھدا جو میاں شریف دے بھولے نے سوچ سمجھ کے ایہہ راہ پھڑی ہے۔ بس تواریخ دا اپنا جبر ہے کیس توں کیہ کم لیندی ہے۔ اوس تے اگانہہ ودھنا ہے۔ امیر المومنین بنن دا شوقی اج اپنے جغرافیائی وطن دی جنگ لڑ رہیا ہے۔ پاکستانیاں دا امیر، جیہڑے مسلمان وی ہن، عیسائی وی، ہندو وی اتے سکھ وی۔ کوئی عجب نہیں جو تواریخ طالبان توں قبائلی نظام نوں توڑن دا کم لوے تے آکسفورڈ دے پڑھے قبائلی نظام دے وکیل ٹپدے رہ جان۔

مبارکاں میاں صیب، بالغ تھی گئے او۔

OOO

خبر کی ہوندی ہے

جدوں دا لائل پور فیصل آباد بنیا ہے ایہدا مزاج ای بدل گیا ہے۔ مولبیاں دیاں جنیاں خبراں آندیاں ہن اہناں چوں ادھیاں تاں ایتھوں دیاں ہوندیاں ہن۔ اج دی خبر ایہہ ہے جو دو جوان چھور اک مدرسے دے انچارج کول ڈھائی کلو سونے دے جعلی سکے ویچ گئے۔

اخباراں نوں خبر ایہہ لگی ہے جو سکے جعلی سن اتے ویچن والے منڈے عیسائی سن۔

سچی پچھو تے خبر ایہہ ہے جو اک مدرسے نے ڈھائی کلو سونے دے سکے خریدے ہن۔ ایہناں سکیاں نال اسلام دی کی خدمت کرنی ہے؟ کی گل اے فرشتے ڈالر نئیں قبولدے؟ جیکر ایہہ سکے اصلی ہوندے تے کیہدی تلی تے رکھنے سن؟

ویچن والے وچارے عیسائی ہن۔ جیکر اوہ مکرن تے مولبی کہہ سکدا اے ایہہ مینوں جھوٹیاں کردے ہن۔ میری بے ادبی کردے ہن۔ ایہناں نوں موت دی سزا دیو۔ مولبی وی تاں چنگا بھلا مقدس ہوندا ہے۔ آون والیاں نسلاں ایہہ گل یاد رکھن۔ مولبیاں نوں دستانے پا کے دھریکن۔

ٹیل پیس:

پاکستان دے جنٹلمین کرکٹر مکدے جا رہے ہن۔ پاکستان دے پہلے بالر، پہلے ٹسٹ دا پہلا بال کرن والے اتے پاکستان ولوں پہلی وکٹ لین والے خان محمد چلانا کر گئے۔ اچا لما گبھرو۔ یاراں دا یار۔ شیرانوالے گیٹ دے اندر جمیا تے پلیا لہوریا، لہوریاں ہار سدھی گل اگلے دے منہہ تے ماردا سی۔ جیویں دی اوس دی بالنگ سی، تیراں ٹسٹاں وچ چونجا وکٹاں، بہتیاں بولڈیاں ایل بی ڈبلیو۔ کرکٹ کنٹرول بورڈ دے اک کھانے تے بورڈ والیاں اپنی کاروائی پاون لئی مشرف نوں دسیا، جی اسیں اہناں نوں کوچ لا رہے ہاں۔ مشرف آکھیا ایہہ تے ولایت وچ رہندے ہن۔ خان محمد آکھیا ایہہ جہڑے گورے کوچ تساں لائے ہن ایہہ گوالمنڈی رہندے ہن؟

○○○

اِک چنگا مُلّاں

ناں سی اوس دا نصرالدین۔ بخارا دا خواجہ وی کہندے ہن۔ ازبک آفندی کہندے ہن۔ مُلّا ئے مشہور وی۔ رہندا سی لوکاں دے دلاں وچ۔ ویسے اوس دا ملکھ سی ایران، ترکی، افغانستان، سنٹرل ایشیا، مصر اتے ہندستان۔ جمیا سی اوہ بلخ، بخارے، قاہرہ یاں اک امریکی ویب سایٹ موجب امبر سر وچ۔ گل ایہہ ہے جو اوس دا برتھ سرٹیفکیٹ گواچ گیا ہے۔ کجھ کہندے ہن اناطولیہ وچ، اکشہر وچ رہندا رہیا۔ اک شہر وچ اوس دے ناں دا پارک وی ہے۔ کونیا وچ چلانا کیتا۔ یونسکو نے اُنی سو چھیانوے نصرالدین دا سال منھیا ہا۔ اوس دا زمانہ ہے تیرھویں صدی۔ سلطنت سلجوقیاں دی۔ چارے پاسے سنی مسلمان بادشہیاں۔۔۔ بادشاہ، دربار، وزیر، امیر، درگاہاں، مقبرے مزار دربار پیر متوّلی، کوتوال، پیادے، جاسوس، ٹیکس لین والے، سودخور، علاّمے قاضی مُلّاں۔ دھوم دھڑکے، موجاں ای موجاں، چارے پاسے فوجاں ای فوجاں۔ غریباں دی جان کڑکی وچ۔ بھُک ننگ غریبی کھوہ کھنج۔ ظلم زیادتی، داد ناں فریاد۔ ملاں لوکاں دا بندہ سی، لوکاں وچ، لوکاں ہار رہندا سی۔ اوس نوں ڈھیر نفرت ہائی منافقت توں، لُٹ کھوہ توں، ظلم توں۔ فوجاں تے اوس کول ہان کوئی ناں، اِک عقل ہائی، دنیا دی اصلیت دی سمجھ ہائی، دنیا تے ہسن دی ہمت ہائی، لوکاں نال اوس نوں تے

اوس نال لوکائی نوں پیار آہا، لوکاں دی بُکل ہائی۔ گلاں باتاں وچ، ہاسے ہاسے وچ لوکاں نوں ایس کوڑ ویہار دی مَت دیندا ہا۔ جتناں ہوسکدا لوکائی نوں ایس ظلم توں بچاندا ہا، ظالماں دا ہاسا پاندا ہا۔ ظالم بادشاہاں، چکّری وزیراں اتے لالچی ملازمان سرکار نوں ذلیل کر کے اوس نوں بڑا سواد آندا ہا۔ ظاہرا جھلّا بن کے حاکم میل نوں ننگیاں کردا رہندا ہا۔ اپنی ذات دا لوبھ ہا کوئی ناں، جو پیسا دھیلا ہتھ آندا لوکاں وچ انجے ونڈ چھوڑ دا سی جیویں اپنی عقل تے سمجھ ہاسے ہاسے لوکائی وچ ونڈ دا رہیا۔

اک دن اک بندہ ملاں کولوں اوس دا کھوتا منگن آیا۔ ایہہ کھوتا ملاں دالداوی سی، اوہدا یاروی تے بانہہ بیلی وی۔ ملاں کیہا کھوتا تے شہر گیا اے، تدنوں کھوتا بول پیا۔ اوس بندے روہ کیتا، ملاں جی کھوتا تاں گھر وچ ای ہے۔ ملاں آکھیا میاں تیری مرضی اے، میری گل دا اعتبار کریاں کھوتے دی گل دا۔ کئی سالاں توں اکھاں والے لوگ طالبان تے اوہناں دے ظلم دی گل کر رہے سن۔ پر سرکار ایہہ گل مَنن تے راضی ناں ہائی۔ ہر طراں دی سرکار... وزیر، افسر، فوجی، ملاں۔ قاضی ورگے بندے تے ایہہ وی کہندے سن، طالبان تے قاعدہ دا وجود ای کوئی نئیں اوس چتر زنانی ہار جہڑی اپنے یار نال رلی بیٹھی سی، بندہ اوس دا کھچیاں لاہندا پیا ہا۔ اوس پچھیا ایہہ کون ای، آہندی اے کیہڑا کون، تیری نظر خراب ہو گئی اے۔ مشتاق منہاس رنگے بندے تے ایہہ وی کہندے سن، اسیں اکھیں ویکھ آئے آں، لوکائی تے خوش ای بہت اے ایس ظلم تے۔

ہن ڈالراں دی آس لگی اے تے طالبان وی نظر آ گئے ہن تے اوہناں دے ظلم وی۔ فضل الرحمان حالی وی کہندا اے فضل اللہ نال گل بات کرو۔

پوری فوج تے ایرفورس اپنا ٹل لا رہی اے طالباں دے خلاف کیونجو اوہ امریکہ دے ضلع سوات تے مل ماری بیٹھے ہن۔ امریکہ دی لڑائی پئے لڑدے ہن۔

تہاڈی مرضی اے فوج دی ہڈبیتی تے یقین کرویاں قاضی تے فضل الرحمان جیہے عقلمند تے ایماندار بندیاں تے۔

اِک لیلہ اک بگھیاڑ

ہر کسے اپنی نانی توں، اپنی دادی توں، اپنی بے بے توں باتاں سُنیاں ہن۔ اج میں وی اک بات سناواں جے مَنّو تے۔

اک بہت سوہنی پہاڑی وادی ہائی۔ انچ انچ نرم نرم، ہری گھاہ نال ڈھکی ہوئی۔ ٹھنڈے تے مٹھے پانی دے سومے۔ چھوٹیاں چھوٹیاں ندیاں چ پانی ترل ترل وگے۔ نکیاں تے وڈیاں آبشاراں، ٹھنڈیاں واواں، سوہنے سوہنے پھلاں نال لدے بوٹے۔ گل کی کوئی بندے دا پتر ہووے تاں ویکھ کے ای شاعر بن جائے۔ انج دی تھاں جیس دی نقل مار کے لوکاں جنت دیاں کہانیاں گھڑیاں ہن۔ بس نری پُری اپنی سوات دی وادی سمجھ لئو۔

کہانی دا سواد تاں اوندا ہے جے اُگھارا دیو... چنگا فیر... اگے ٹرئیے۔ جیہو جیہی سوہنی تھاں تہو جیہے بندے۔ کی کہندے نے، آرٹسٹ۔ ہاں اہیو صحیح اکھر ہے۔ اکھاں دی نیجھ لالا کے ایہہ سوہنی وادی ٹوپیاں تے، چولیاں تے، شال دوشالیاں تے لاہندے رہندے سن۔ ہر آئے گئے نوں رات دی تھاں تے سوادی کھانا کھواندے سن۔ لڑائی جھگڑے توں دور۔ ہزاراں سالاں دی تہذیب۔ کئی بھکے ننگے آئے، کھا پی کے وگ گئے یاں اتھائیں وس

گئے۔ ساؤ بندے، ساد مرادے۔ کسے لیلے ہار معصوم۔

پر انہہ پہاڑ ول، شمال ول، سُکے پہاڑاں تے سُکے بندے۔۔۔ چلو بندے ای کہہ لئو۔ پتھر دے دل۔ جنگلی جنوراں رنگیاں شکلاں، اُنجھ دیاں ای عقلاں۔ وڈے شکاری ماں دے۔ کلّا دو کلّا لبھ جائے تے لُٹو۔ وڈھ کے سُٹو۔ واہ لگے تاں دھیاں بھیناں چالئو۔ لے جا کے واڑیاں چ بند کر دیو۔ شکلوں جاپن بگھیاڑ۔ چلو بگھیاڑ ای کہہ لئو۔ کہانی اگے ٹوریئے۔

اک دن اک بگھیاڑ اک لیلہ تکیا۔ آکھدا اے اوئے لیلیا، تیرا اخلاق بہت خراب اے، میں تاں ایہہ وی سنیا اے توں ٹی وی تکدا رہنا ایں۔ اوس ولدا دتا، بھا جی تسیں خورے کیہڑائی وی تکدے او، اساڈا تے جد کھولو، عذاباں دی بشارت دیندا ہے۔

میں سنیا اے توں مولبیاں نوں ووٹ پاناایں ناما نیما۔ اوس آکھیا، سر جی بندے جو ہوئے، وسیب بہت اگانہہ ودھ گئے ہن، ایہہ جیون دا نواں ڈھنگ ہے۔ اوئے تینوں پتا نئیں، عقل دیاں گلاں کرناں، ووٹ پانا تے ووٹ گھن ناں کفر ہے۔

بگھیاڑ ہا پرانے زمانے دا، قصے کہانیاں تے پلیا۔ اوس ایسپ دیاں وی کجھ کہانیاں سنیاں سن۔ اوہدا خیال سی دو چار ہور وچارا پنے بگھیاڑ وڈکیاں دے ایہنوں سناواں گا، سرا ایس دا قلم کراں گا، بگھیاڑاں والا نعرہ لاواں گا، اہنوں کھا جاواں گا۔

اوہ جنور دا پتر اک چھوٹی جہی گل بھل گیا جو زمانہ پرت رہیا اے، پرت گیا اے، انسان جنوراں نالوں ڈھیر تکڑا ہو گیا اے۔ اوس پہاڑ دی ٹیسی تے بیٹھے فوجی شارپ شوٹر نوں ناں ویکھیا۔

اینی میری بات، اتوں پئی رات
چھتنا سی کوٹھا، چھت لئی سوات

OOO

آزادی دی پری ـــــ ندا آغا سلطان

دکھیاں دے دکھ دکھیارے ہی جان سکدے ہن۔ ایران دی سوہنی قوم نال تریہہ سالاں توں ملاں آمریت نے کی نہیں کیتا۔ سب دنیا گواہ ہے۔ اسیں تے اوہناں دے گواہنڈی ہاں تے آپوں آمریتاں دے ڈنگے ہوئے ہاں۔ اسیں اوہناں دا دکھ جاندے ہاں، سیاندے ہاں۔ کیونجو اساڈی غلامی تے دوہری تہری ہے۔ اساڈے ڈکٹیٹر رنگ برنگے ہن۔ کدیں فوجی، کدیں وڈیرے۔ ایس توں اڈ جہالت دی اتے ملاں دی آمریت تے، نہراں دی زبان وچ، دوامی ہے۔ پر سانوں تے پنجابی فلماں طراں کدے کدائیں کامک ریلیف وی لبھ جاندا ہے۔ زرداری رنگے عوامی صدر وی آ جاندے ہن۔ ایرانی شوہدے بد قسمت ہن، اکو جیہیاں شکلاں، اکو جیہیاں عقلاں.. یاں نا عقلاں..والے مسخرے جہڑے اپنے آپ نوں عقلمند سمجھدے ہن۔ رب اپنے آپ نوں عقلمند سمجھن والے کم عقل دے عذاب توں سب نوں محفوظ رکھے۔ آمین۔

ہن توڑی تے ملاں دے غضب دا نشانہ اوہیو رہے ہن جہڑے شاہِ ایران اتے سی آئی اے دے دشمناں دی لسٹ وچ سن، مجاہدین خلق تے ہور آزادی تے انصاف دے

دیوانے۔ہن اوہ لوک وی نشانے تے آ گئے ہن جہڑے پہلوں پہلوں تے اسلامی انقلاب دی بھوت پھیری وچ آ گئے سن پر ہن جنہاں دیاں اکھاں کھل گئیاں ہن۔ جسراں پاکستان وچ لوکائی طالبان دے اسلام اتے منور حسن دے اسلام توں نکو نک ہو گئی ہے تے اکھاں کھول کے عمران دے داڑھی مُنے برانڈ نوں وی سیان گئی ہے۔

رولا اودوں بنیا جدوں مولبیاں کولوں اک چھوٹی جیہی غلطی ہو گئی۔کوئی سوچوں پچاہ حلقیاں وچ ووٹاں دی ہیرا پھیری پھڑی گئی۔ غلطی تاں چھوٹی سی۔تسیں جاندے ای او چھوٹی غلطی کی ہوندی ہے۔کوئی مجھیل منڈا جوانی دے جوش وچ کوئی بندہ وڈھ لیندا اے تاں اوس دا بھایا جیباں نوٹاں نال بھر کے ٹھانے جاوڑدا ہے 'اوئے ٹھانیدارا! ایہہ منڈے توں اک چھوٹی جیہی غلطی ہو گئی ہے۔۔۔'

ویلا لنگھن نال نویاں نسلاں آ جاندیاں ہن جنہاں نوں انہاں 'عظیم ثقافتی قدراں' دا علم نہیں ہوندا۔ایران دی نویں پڑھی لکھی نسل نوں وی ایہہ جوک پسند نہیں آیا۔آزادی، انصاف تے تسیں جانو مغربی قدراں ہن اتے نوجوان 'مغرب زدہ' ہن۔امریکہ دی سازش ہونی اے تاہیوں تے لکھاں لوک سڑکاں تے انصاف منگن آ گئے۔اوئے جھلیو، انصاف انج لبھدے ہن۔اللہ دا اسسٹنٹ تہاڈے وچ وسدا ہے۔اوس کہہ چھڈیا ہے ایہہ دھاندلی اللہ دے ہتھ نے کیتی ہے۔من لئو اللہ نوں منن والیو۔فیر روز سڑکاں تے آون دا کی مطلب ہویا۔ایہہ تاں نری پری برطانیہ دی سازش ہے۔

اللہ دا غضب جوش وچ آیا اتے اوسدے اسسٹنٹ دا۔انی سوبیاسی وچ جمی اک ملوکڑی جہی کڑی دے دل تے گولی کڈھ ماری۔اوس وی تاں حد کر چھڈی ہائی، جینز پائیاں ہوئیاں سن۔ایہہ جینز تاں اوہ ایٹم بمب ہے جہدے نال ملاں دا اسلام اُڈ سکدا اے۔

پیو دے ہتھاں وچ جان دے دتی۔بے غیرتی دی حد ویکھو، پیو تے دھی رل کے آزادی منگدے ہن۔ ہین ناں قیامت دیاں نشانیاں۔گولی مارن نال کڑی دے مونہہ

چوں وی لہو دا فوارہ نکلیا تے اوہدے سوہنے مکھڑے تے کھلر گیا۔پیو نے اوسدا ہتھ پھڑیا ہویا ہے، چِٹے والاں والے پیو نے۔کڑی اکھاں اکھاں وچ اپنے بابلے نوں وداع کر رہی ہے۔براہووے نویں ٹکنالوجی دا ایس دی وڈیو بن گئی۔سارے ایرانیاں تکی، سارے جگ ویکھی۔ندا دیاں ویران اکھاں سارے ایران دی آواز بن گئیاں۔ندائے ایران۔وڈیوز دا ہڑھ آ گیا۔کسے وچ اوس دے پیو ولوں مرثیہ۔کسے وچ داریوش دا میوزک، داریوش جہڑا اپنے گیتاں دے میوزک نال ای تہاڈیاں چیکاں کڈھا دیندا ہے۔میوزک دی طاقت جیس توں ملاں کنبدا اے تکنی ہے تاں یوٹیوب تے ایہہ وڈیو ضرور ویکھو۔ایہہ سبھے وڈیو 'دختر ایران ندا لئی' اتے 'ہر انسانی کہ ازیں درد رنجید' لئی بنیاں ہن۔ ہر اوس انسان لئی جہڑا ایس درد نال دکھی ہے۔کہڑا اے جہڑا انسان ہے تے دکھی نہیں ایس ملاں وکھالے توں۔جناں، بھوتاں، مولبیاں نوں چھڈ لئو۔

دل صاحب اولادے انصاف طلب ہے۔

مسیتاں تے مسیتڑاں دا قبضہ ہے، ندا دی غائبانہ نماز جنازہ تے پابندی لا دتو نے۔مولبیاں دے ہتھ کنے لمے نے۔ظالم دی رسی کنی لمی اے، رسی والیا۔

ندا دا والد اپنے ہتھاں وچ جان دیندی دھی نوں بے وسی نال تک رہیا ہے۔

ندائے سرزمین

ندائے من، ندائے من

ترا از دست نمی دہم

ایران جاگ پیا ہے۔ایس جاگے ہوئے ایران نوں سلام۔ایران دی بہادر لوکائی نوں سلام۔ایران زندہ باد۔

ooo

آیا طوفان!

صوفی تے اوس دے جوائی دیاں سوہنیاں سوہنیاں گلاں نال تے اخباراں بھریاں رہندیاں ای ہن، خاص کر اردو اخباراں۔ فیر میڈیا تے اوہناں دے بندے ہن، نومسلم مشتاق منہاس ورگے جنہاں نوں اسلام دی سمجھ ای طالبان دا قتل غارت ویکھ کے آئی ہے۔ کہندے نیں صرف اک عورت دی عزت دی خاطر تے صوفی دا اسلام قربان نہیں کیتا جا سکدا۔ عورتاں دے حق حقوق دیاں گلاں کرن والے تے ویسے وی اسلام دشمن ہن تے ظاہر ہے پاکستان دشمن وی ہن۔ فیر اوتھے دی سرکار ہے جہڑی اجمل خٹک تے صوفی دے اشتراک نال شرعی پختونستان دی آس لا کے بیٹھی ہے۔ صوفی دا بلارا امیر عزت خان ہے۔۔۔ ہن پتا لگا اے جو جماعت اسلامی توں باہر وی امیر ہوندے ہن۔ مسلم خان ہے۔ فیر اوہناں دا نواں وکیل ہے جماعت اسلامی دا نواں نواں امیر جہڑا صوفی دا اک فتوا نہیں جھل سکیا۔

ہن رب نے صوفی نوں بھاگ لائے ہن تے اک پتر وی جم پیا ہے، جوان! پہلوں وی ہوسی، پر میں اوس داناں پہلی واری ہنے سنیا ہے۔ انگریزی اکھان ہے 'واورولا بیج

لئو طوفان وڈھ لئو'۔ سوہنے پتر آندیاں سوہنی خوشخبری دتی ہے 'جے سرکار ساڈی گل ناں منی تے وڈا طوفان آسی'۔ ایہہ رضوان اللہ فاروق سرکار توں کی منگدا ہے، کوئی وی مولوی سرکار توں کی منگدا ہے۔۔۔ بس منگدا ہے۔

مولوی جو طوفان تولدے ہن اوس نال چھوٹے چھوٹے طوفان تے جھلدے ای رہندے ہن، برخوردار رضوان نے وڈے طوفان دی دس پائی ہے، رب خیر کرے۔ ویسے ملاں مسلمان ہووے، عیسائی ہووے یاں یہودی قیامت دی خوشخبری تے روز سناندا ہے۔ بڈ ودے کہن موجب ایتھوں کدی خیر دی خبر نہ آئی۔ اج دی اک ہور خوشخبری سعودیاں دے وڈے جاسوس نے پاکستان وچ فوجی بغاوت دی دتی ہے۔ کسے نوں پتہ ہووے صوفی دے کنے پتر ہن؟

○○○

عمرانیات

عمرانیات انسانی چلن دا سائنسی مطالعہ ہے۔ بندیاں دے موہنوں تموہی وہارتوں لے کے پورے وسیب دے چالے سمجھن داناں ہے۔ ایس نال لگدیاں سائنساں ہن رہتل نوں سمجھن دیاں، وسیب وچ ادلا بدلی دیاں، انساناں دی اگانہہ ودھدی تواریخ دا ویروا، انساناں دی جڑت، وسیب وچ میل بنن دا ویروا، میل گھول دا، انسان کیویں بدلدے ہن، وسیب کیویں بدلدے ہن اتے تواریخ کیویں بدلدی ہے۔ جاگیرداری پلٹ کے قبائلی نظام ول کیوں نہیں جاندی۔ اگانہہ ول، سرمایہ داری ول جاندی ہے کیونجو تواریخ دی روڑھ اگانہہ ول ہے۔

ایہہ ڈاکٹر منظور اعجاز دا مضمون ہے پر پاکستان وچ عمران خان دا خیال ہے ایس داناں اوس دے ناں تے ہے! ایس کر کے اوہیو ایس دا ماہر ہے۔ پنجاب دا ضلع میانوالی قبائلی وسیب دا علاقہ ہے، ایسے پاروں عمران ایس رہتل دا وڈا وکیل ہے۔ ایس ضلعے وچ کوئی اپنی دھی نوں پڑھا لوے تے آہندے ہن فلانا بڑا بے غیرت۔۔۔ رتے پیش۔۔۔ اے، دھیاں پڑھیندا اے۔ عمران نوں قبائلی سرداروی چنگے لگدے ہن تے اوہناں دی رہتل وی۔ پاکستان دے قبائلی علاقیاں وچ اج وی عاماں لوکاں نوں ووٹ دا حق نہیں۔ عورتاں تنوں مُڈھلے

حقاں توں محروم ہن۔۔۔ بولن دا حق، ایدھر اودھر جاون دا حق اتے اکٹھے ہوون دا حق۔ پاکستان دا وڈا سوجھوان عمران فرمیندا ہے جے کر ایس میوزیم وچ رکھن جوگ قبائلی رہتل نوں تروڑیا گیا تے۔۔۔ اوہدے منہہ وچ کھیہہ۔۔۔ پاکستان خودکشی ول ٹرپئے گا۔ قبائلی رہتل عام بندے نوں سوچن دے عذاب توں بچاندی ہے ایسے کر کے عمران ایس دے سوہلے گاندا ہے۔ قبائیلیت دا دوجا وادھا مکھی تے مکھی مارن دی صفت ہے۔ اک رنگے لیڑے پاؤ، اک رنگیاں مچھاں، اک رنگیاں داڑھیاں، اکو رنگیاں عقلاں۔ عورت اپنی مرضی کرے تے وڈھ دیو۔ بے غیرت بندا دھی بھین وڈھ کے غیرت مند ہو جاوے۔

جیس دیہاڑے میں عمران خان دا کوئی بیان پڑھدا ہاں اوسے ویلے پچھلے دن دی اخبار کڈھ کے اوہیو بیان قاضی حسین احمد دے ناں نال پڑھ لیناں۔ تنخواہ دار قاضی تے ریٹائر ہو گیا ہے۔ عمران وچارا ہن جماعت دے نویں نویں امیر دے بیاناں دی اُڈیک وچ رہسی۔ جیہڑا آکھندا ہے میں تے صوفی اک مک ہاں۔

بابے فرید آکھیا ہا، اپنی گل تے پہرا دیو، کوک فریدا کوک، جیویں راکھا جوار۔ اک عمران خان ہے پوہلیاں تے لکھ کنڈیاں دا پہرے دار۔ پر باطل تے سر پرنٹھ جاونا ہے۔ تواریخ دا روڑھ تے وڈے وڈے فرعون ناں ڈک سکے، عمران خان کیس گنتی وچ اے۔

دنیا غلام داری قبائلی وسیب توں جاگیرداری، جاگیرداری وسیب توں سرمایہ داری ول ٹرگئی ہے۔ ہن اگانہہ ودھ کے سامراج یاں سوشلزم دی پدھر تے اپڑ گئی ہے۔ پر ساڈا کاکا تاں کہندا۔

بے بے میں تے سرداری لیساں

ٹیل پیس: اک خبر۔۔۔ افغانستان وچ اِکو سورا اے، اوہ وی چڑیا گھر دا، اج کل قوارنٹین وچ ہے۔ پاکستان وچ کتنے ہن؟

ooo

کنیئرڈ کالج وچ برقعے لاگو ہو گئے نیں

کنیئرڈ کالج وچ برقعے لاگو ہو گئے نیں۔ حالی نیں۔ کہندے نے سُتھناں پاؤ کیونجو ایہہ مشرق بعید دی ریت ہے تے اساں ہاں پیے بچے، ریت دے غلام، رواج دے غلام تے ہور خورے کاہدے کاہدے غلام۔ جینز تے اُکا نہ پاؤ متاں کل تہاڈا دل سائیکل چلاون نوں کرے، موٹر سائیکل چلاون نوں کرے تے ہوندیاں ہوندیاں ملک چلاون نوں کرے۔ کنیئرڈ کالج لاہور دکھنی ایشیاء دے مشہور کڑیاں دے کالجاں وچوں ہے۔

کہندے نیں برقعیاں والیاں کُجھ بی بیاں نے کڑیاں نوں تڑھی دتی ہے۔ کالج والے ایس گل توں مکردے ہن۔ مالاکنڈ دے کمشنر نیں وی تاں طالبان دی معصومیت دی سونہہ چالئی سی۔

بڑھک مارن توں اسیں رہ نہیں سکدے۔ اساں کوئی ڈردے ہاں طالباں توں؟ ناں جی ناں۔ اساں اپنے حلیئے اوہناں دے ڈرتوں تے نہیں وگاڑے۔۔۔ بس شوق اے۔ ویسے وی طالبان حالی پنجاب تک نہیں پُجے، صرف۔۔۔ طلبا ای پجے نیں جیہناں دیاں کرتوتاں ہراوہ بندا جاندا ہے جس نے کالج یاں یونیورسٹی وچ جھاتی پائی ہے۔ جہالت

اوہناں دے ایجنڈے دا پہلا آئیٹم ہے، بدمعاشی دوجا، پرچی تے اپنے منڈے پاس کرانا تیجا تے فیر اوہناں نوں سرکاری نوکریاں دوانا، ایجنسیاں وچ واڑنا تے ایہو جیہے ہور چنگے کم۔

ایہو جیہے سید جاوید کمشنر وی بن جاندے نیں، مالاکنڈ وچ پوسٹنگ وی کروالیندے نیں۔ طالبان دا راہ سوکھا کردے نیں، سرکاری ملازماں نوں مرواندے نیں، سرکار دا کھاندے نیں، دین تے دنیا سواردے نیں۔

OOO

وِچار ڈاٹ کام پر جو کالم، ہفتہ بھر کا بہترین کالم ہوتا اسے وہ دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کرتے۔ بھائی کے کئی کالموں کا اِسی طرح ترجمہ کیا گیا۔ ایک کالم کا سندھی عکس پیش کیا جا رہا ہے۔

http://www.wichaar.com/
April 30th, 2009

ڊاڪٽر مقبول اختر : ڪنيرڊ ڪاليج ۾ برقعا

ڊاڪٽر مقبول اختر



ڪنيرڊ ڪاليج ۾ برقعا لاڳو ٿي ويا آهن. اڃا نه. جڏهن ته سڄون پايو چو جو هي مشرق بعيد جي ريت آهي ۽ اسان آهيون بي يا بار، ريت جا غلام، رواج جا غلام ۽ شايد الاهي ڪنهن ڪنهن جا غلام. جينز ته صفا نه پايو متان اينن نه ٿئي جو سپاٽي توهان جي دل سائيڪل هلائڻ لاءِ چئي، موٽر سائيڪل هلائڻ لاءِ چئي ۽ ڪندي ڪندي ملڪ هلائڻ لاءِ چئي. ڪنيرڊ ڪالج لاهور ڏکڻ ايشيا جي مشهور ڇوڪرين جي ڪاليج مان هڪ آهي.

جڏهن ته برقعن وارين ڪجهه ٻيين ڇوڪرين کي ڌمڪي ڏني آهي. ڪاليج وارا انهي ڳالهه کان انڪاري آهن. مالاڪنڊ جي ڪمشنر به نه طالبان جي معصوميت جي سونهن چاهي ورتي هئي.

ڪوڙ ڳالهائڻ کان اسين رهي نٿا سگهون. اسان کو بجون ٿا ڇا طالبان ڪان؟ نه ادا نه. اسان پنهنجا حليا انهن جي ڊپ ڪان ناهن مٽايا........... بس شوق آهي. اينن به طالبان اڃا تائين پنجاب تائين ناهن پهتا. صرف ____ طلبا ني پهتا آهن. جنهن جي ڪرتوتن ڪي هر اهو ماڻهو سڃاڻي ٿو جنهن ڪاليج يا يونيورسٽي ۾ جهاتي پاتي آهي. جهالت انهن جي ايجنڊي جو پهريون انيلم آهي، بدمعاشي ٻيون، پرچي ۽ پنهنجا ڇوڪرا پاس ڪرائڻ ٽيون ۽ پوءِ انهن کي سرڪاري نوڪري ڏيارڻ، ايجنسين ۾ داخل ڪرائڻ ۽ اهڙي قسم جا ٻيا چڱا ڪم.

اهڙا سيد جاويد ڪمشنر به ٿي ويندا آهن، مالاڪنڊ ۾ پوسٽنگ به ڪرائي ڇڏيندا آهن. طالبان جو رستو آسان ڪندا آهن. سرڪاري ملازمن کي مارائيندا به آهن، سرڪار جو ني ڪائيندا آهن، دين ۽ دنيا سنواريندا آهن.

Ah, the party

Sir

01 June, 2009

"Thus upon all the points of attack automatically converged angry human swarms... This was their battle... For the moment that incoherent multiple will was one will..."

This is an extract from the famous book by John Reed "Ten days that shook the world". It is an eye- witness account of the great October revolution, the Russian revolution of 1917. This account very aptly describes what happened in Pakistan on the15th March... "Ides of March" we had been warned to be aware of! I do not imply that what happened on 15-16 march in Pakistan was a revolution. No, not "nearly a revolution" either.

It was at the very least a dramatic moment, a turning point, We had reached a point where personal frustration had turned into national frustration. This is the point where individuals opt for suicide and nations for irrational acts that lead to blind alleys and destruction. At those points in history the people reject the dispensation handed out to them and are ready to do anything for a change AND if they have a revolutionary party to lead them they bring about a revolution. This last condition of a revolutionary party not being met we are still stuck with what we have.

There is however, one positive gain. We have another stint at life, a path to progress, if we so chose. I salute the people. I salute people's power.

A Solution to the Sugar Crisis

27 Oct, 2009

Sir

Is there any law that prevents the "free" Pakistani media to publish or broadcast/telecast

1. The total number of sugar mills in Pakistan
2. The names of all those mills
3. The names of the owners of those mills
4. The names of directors of those mills.

Just let the people know. They will find the solution.

Trust in God and the people.

Sweeping Away the Cobwebs

10May, 2009

It has been theorised that mullaism can be countered through culture and not through politics. I agree partly, having spent a lifetime for what in today's lingo will be termed liberal democracy and economic justice. Some still dare to talk of socialism and communism. We in our days called it progressive thought, secularism, people's democracy, socialism, communism or what you will. Millions like me dreamed the dream and passed on.

But how do you go about bringing a change in culture. Only a revolutionary change can bring about a fundamental change in culture and remove the redundant remains of previous ages. Then and only then it is culture. It probably can do what all the horses and all the men on the left could not and those on the right would not viz: the removal of the superstructure of mullaism. A cultural change brought about as a result of revolutionary political change can do it.

Mullah's only valid role in our culture is to preside over the rites of death and marriage. A mullah acting and impersonating as a moral and spiritual guide and a political leader? No way, sir, NO WAY.

I wish somebody woudorganise a marathon entitled "Sweeping Away the Cobwebs" from Lahore to Amritsar. I assure you all the Lahoris would be there at Amritsar in the evening, women included. Maybe some Faisalabadis, too, for good measure. Mullas would be there, of course, to show their faces and live upto their ideal of hypocracy; dragging their tired feet but too exhausted to weild their lathis or wag their tongues.

Language is the most important part of culture. Punjabi is well fitted to deliver coup de grace on mullaism.

RaateeN jagan kuttay, tethoN uttay!

"راتیں جاگن کتے تیتھوں اتے"

The Crime of Defiance

23 Aug, 2008

Sir

"I'll settle for the actual truth anytime", said Mark Twain. I agree. Truth it is that Justice Iftikhar Chaudhry defied the ruler of the day. Will any ruler, including the rulers of today, forgive and forget this heinous crime.

Using an Americanism,' NO WAY". That is 'the actual truth'.

So, my dear countrymen, stop dreaming of an honest Pakistan anytime soon. Not in 40 hours, nay not in 72 hours.

Long live our great culture, including our political culture!

A List of Those...

04 Apr, 2009

Sir

Abu Bin Adham awoke one night and saw an angel making a sort of list. I am also making a list of honor. I have put down the first two names. They are: Mr. Minhas and Mr. Shami, both star performers of talk shows. I am recruiting. If you think that the honor of "just one woman" can be sacrificed at the altar of Mullas for the sake of Peace(read surrender), please send in your name.

Warning: That one woman may be your daughter or sister!

He gently twisted the nation's neck. He changed the lodestar of the Pakistani nation. Qibla, he called it.

Lo and behold! The seats of learning were taken over by hoodlums in the garb of students. All learning stopped.

Armed bands of unlettered youth started marching up and down the blessed, now blighted, land of Pakistan.

A sovereign state became an instrument for the promotion of American foreign policy. We fought a costly proxy war.

The proud Pakistani female was made an object of ridicule. There was talk of putting half the population of Pakistan under house arrest for the heinous crime of being born female.

The minorities started trembling in their shoes, finding it hard to believe in the solemn pledges of the Quaid. Hypocrisy became the ultimate good. Corruption ran riot. The public exchequer and scheduled banks were pilfered with impunity.

Futuristic planning, even thoughts of and hopes about a brighter tomorrow, became contraband items. The legal tenders were an opiate — heroin and religious mumb-jumbo. The present and the future were contemtible. We started rushing pell-mell into the past.

General Mohammad Zia-ul-Haq twisted our neck. Did anyone hear the crunching of the bones? He pointed our face towards the dark ages, the right direction according to many of his cronies and hangers-on.

May God bless his soul on the anniversary of his death (August 17).

Nonsensical Statements

Daily Times 10-10-2003

Sir: According to the newspapers, FATA MNAs have threatened an uprising against the Pakistan army because of the operations in the Tribal Areas. An uprising? An opportunity to destabilize Pakistan! As if their statement wasn't silly enough, they have been supported by other politicians as well. Do they not realize that such measures not help the sands of bodyguards; we have none; worse, the police is itself a terrorist organization.

The last few days have witnessed the death of a man who lived by the gun and died by the gun. This has resulted in the burning of a police motorcycle, a cinema and a few prayer houses__ the score so far. It will take its death toll soon enough.

Whose war of independence is this? Will the initiators, perpetrators and supporters of terror ever think and be sorry? Not till the people at large refuse to be hoodwinked by religious sloganeering and politics of drugs and plunder in religious grab.

Gen Zia saw the Shape of Things to Come

Dawn, 17 Aug, 1998

'IT was a dark and stormy night'. This sentence was once judged as the most boring start for a story. I can't help it. This is the way my story goes.

There was this motorcyclist hurrying home on that dark and stormy night. No, he was not Jim Rogers, the Investment Biker — Just some foolhardy Alpha Bravo Charlie. The wind was strong and cold, chilling the bones. Who in his right senses would expose his chest to such a wind? He stopped his bike. Pulled off his pullover, put it on again with the V-neck on his back, better to save his lungs from the draught and the possibility of pneumonia. He trundled on through the dark night until that unfortunate moment when he slipped and fell in the village of the pious and the wise. The wise men gathered around him, checked his pulse and breathing, felt his bones. Everything OK. "He is alright", said a wise one, "it is just the face that is turned the wrong way." They gently turned his neck. With a small click the face settled into the right position. His chin pointing the same way the "V" of his imported sweater was

pointed. They laid him to rest on a hill where falls no hail and no wind blows.

End of part one of my story.

Once upon a time, Pakistan was going merrily on its way. A bump here, a stumble there. Otherwise all the vital signs were OK. Normal pulse. Normal breathing. Normal BP. Nothing abnormal detected — NAD.

It had survived the gravest crisis of its history. The two parts were torn asunder but both parts were alive and kicking. NAD all systems. The period of convalescence was over. Full recovery was expected.

The new millenium was less than a quarter of a century away. The nation, glowing with health, was vibrant. It was marching towards progress, towards prosperity and towards the 21st century. An elected government was in office. New elections had been held.

Zia was a foresighted general. He could read the signs. He saw the shape of things to come. 'Western' democracy was taking root. It was likely to get entrenched because it was in keeping with the character of our people. And once this blasted system got its hold there was no chance of a military government. Look at the US and Britain. They have never had the blessings of a martial law. Not even a country worse than the US in every respect, our neighbour India.

A firmly rooted democracy was indeed a very bleak prospect for adventurers, Bonapartes, rabble rousers and jackboots. Even more important was the question: "Where would the meddlesome world powers find a foothold?"

General Mohammad Zia-ul-Haq came. He saw. He conquered with one bold sweep his own motherland Out democracy. Out rule of law. Out Parliament. Out legitimacy.

The Brigand

24 May, 2009

The brigand is presumably (and usually) a human being and entitled, therefore, to all the basic human rights enshrined in The Universal Declaration of Human Rights. A clause missing in the extant draft but which needs to be added shall read: It is the basic right of all armed men(males to be specific) be they mad rassa students or hardened mullahs, fundamentalists or terrorists, Taliban or ordinary mortals if they fulfill the condition set out at the beginning of this section, to form armed bands for lifting cars, women and children, including NGO women; for enslaving all women; for blowing up anything that represents civilization or anything that might strengthen the state of Pakistan especially girls schools; for blowing themselves up for the specific purpose of committing suicide (with jackets specified in clause 2 of para4) when the conscience pricks or when women and children are within the range; for destroying government offices when the payment of the stipend is delayed or stopped or not increased commensurate with inflation.

The general decline of the left in Pakistan has left the onerous task of defending these rights to the two most honorable men in our midst: messrs Hussain Ahmad, Qazi or his *ex officio* replacements and that able cricketer Imran Khan. These bold men have very bravely defended the lawless louts in the tribal areas of Pakistan. And let it be known that they have done it after listening to the call of

their conscience and on matter of principle as their shrewd minds have let them conceive and not for any worldly gain or share in the booty(government agencies may duly compensate them for this sacrifice). The supreme principle as spelled out by Qazi, a religious leader, is rivaj- the traditional way. The rivaj is well known to all long-suffering Pakistanis. For the ignorant foreigners and native Pakistanis it is:

(1)car theft (2)child lifting (3)protecting and harboring murderers and hardened criminals and, lately added to the list, foreign terrorists and fundamentalists sent in by al-Qaida or imported by 'local' Taliban 4) Putting the female of the human species in its proper place i.e. shut up in high walled compounds 5)wage a holy war against all knowledge and enlightenment, specifically stopping the sinister attempt to introduce schools in these areas especially schools for girls or wage jihad enjoined by the word of mouth as spilled through the loud speakers and FM radios or with bombs, when in the mood. 6)going out to help the goons in settled areas like Gujranwala to terrorize the culturally conscious, misguided public 7) and, leaving the most important to the last, SMUGGLING, so essential for the economic health of the society.

It is the law of nature that when you set out to defend a good cause you get divine help and that too from most unexpected sources. What with the senility of Qazi and Imran, physical and mental respectively, and the other ongoing dramas sapping their energies (physical and ...), their campaign was flagging when lo and behold jump into the foray the indefatigable warriors Fazlulla, Soofi, Muslim Khan and neo- Muslim media warriors. They have raised the ante to total rule of Pakistan with the society submitting to their misogynistic credo and pre-historic ways. Zia-ul-Haq is dead. Long live Zia-ul-Haq! Smile your crooked smile, General.

talisman, lawyer or no lawyer. See for yourself the reluctance of the feudals to deliver on the promise of restoration of judiciary and the eagerness of the business classes and industrialists to support the cause even to the extent of fighting for it. And fighting in the vanguard! "Nawaz Sharif will be amongst you in person", said the PML-N chief yesterday.

It is Principles, you Fool

20 May, 2008

Sir

The average Pakistani has wondered long why Peoples Party is hindering the restoration of Chief Justice Iftikhar Muhammad Chaudhry and about five dozen superior courts judges. The incumbent Prime Minister Syed Yousuf RazaGilani has spilled the beans in Sharm El Sheikh. It is a matter of principle. To do so would be unconstitutional. Constitutional is what Musharraf says or does. It is elementary, Dr Watson!

And then there is Natural Justice. Should not Justice Chaudhry be punished for defying the Establishment? Who will protect and promote the establishment if not the sitting PM?

Reminds one of a newly crowned prince who was being shown around the dungeon where long- term prisoners were kept. The first one was a dacoit who had served ten year. "Release him" ordered the new king. The next one was a murderer who had served twenty years. He was also released. Everyone was being released because the king being freshly crowned was happy. Now the king came to an old man, a mere skeleton. "He is here for the last thirty five years". The king asked about his crime. "We don't know, Your Majesty. He was put here by your great father", came the reply. The king was overwhelmed. He started crying and sobbed out the words, "Oh, keep him there for the sake of my father. May his soul rest in peace".

Justice for All

13 May, 2008

Sir

Your editorial 'PML-N's resignations' is very lucid and incisive. Here is another look at this important issue from another angle.

Marxism may be going through a lean period these days but as a means of understanding a society and the forces at war within it, it remains the best organized body of human knowledge and method of inquiry. Even the anti-Marxists, being pragmatic, use this method, perhaps more than Marxists.

The class character of PML (N) and PPP is becoming clearer with every passing day. Does the common man have some inkling? Are the intellectuals and talk show men becoming clearer in their perception? Asked about the question of feudalism vs. socialism or capitalism vs. socialism they are ready with their ready-made answers even before you formulate the question. But ask them about the question of feudalism vs. capitalism and they will be stumped. Such questions require deep thought and a system of inquiry.

Feudal socialism is beyond question the stance of PPP, but the moot question is this: is feudal socialism a kind of socialism or a face of feudalism. I contend it is feudalism, pure and not so simple. All the big feudals have gelled around Zardari as they once did around Bhutto, Sr.

The PML (N) is clearly a capitalist party, despite a few feudal faces upfront and the religious lingo of some fellow travelers. Now the real question is who to support when the contest is between feudal socialism and religious capitalism. A more important question is this: is Nawaz Sharif "ready to sustain the war/ Both of the way and likewise of the woe"(Dante)? Having asked this question I have my second thoughts. It is not for Nawaz Sharif to decide this question. The forces of the civil society that are gathering around him have taken this decision out of his hands. The strong and sustained movement of lawyers, the problems and wishes of the urban middle class and the peasantry who have no independent voice of their own and the push of the hourly swelling ranks of the poor whose problems cannot be solved by the feudals despite their apparent wish to do so. The lawyer's movement is an act in itself. Glorious and unprecedented as it is, it is still a middle class movement , fickle by its professional class character. Whence this steadfastness?

Pakistan is fast becoming a nation, stronger with each passing day despite its enemies within and without. A nation state is a concept born of capitalism and capitalism is fast gaining ground in Pakistan. Whatever the charge sheet against the excesses of capitalism, the capitalist under the compulsion of the system he represents grants to the ordinary citizen what he aspires to get for himself viz: one man one vote and justice for all. Pakistani society's transition to capitalism is also confirmed by the fact that the whole country stands with the lawyers irrespective of class and creed to get justice for all. So justice for all is the

Readable Print

07 May, 2008

Sir

May Allah bless the poor owners of your paper, the only readable paper if we consider the contents. They have condescended to print the paper on a better quality paper, at least the outer pages. I hope this is not a flash in the pan, and that the largess is ex tended to other pages. The problem is with my vision (eyesight, I mean) and not your paper. I am sure there are other old people, the so-called senior citizens, in Pakistan besides me who want to read your paper but find it a punishment for their eyes.

Twilight of the Idols

11 May, 2008

Sir

The great betrayal of the people's party has been endorsed by noon league. Yesterday's idols are lying by the roadside. Broken and hated!

There are Millions of Suns Left

18 Apr, 2008

Sir

Pakistan is astir with change, with hope. Notwithstanding, the prophets of doom are working overtime to 'dis-illusion' the nation with their learned theses making the 'confusion worse confounded'. Isn't it time we started thinking for ourselves? Let me quote at length from Walt Whitman:

"Stop this day and night with me and you shall possess the origin of all poems,

You shall possess the good of the earth and sun, (there are millions of suns left,)

You shall no longer take things at second or third hand, nor look through the eyes of the dead, nor feed on the specters in books,

You shall not look through my eyes either, nor take things from me,

You shall listen to all sides and filter them from yourself."

The Big Guns

03 Mar, 2008

Sir

Our incumbent President may be an ex-army man, he still has heavy artillery in his armour. To the very cogent and well argued statement of Itezaz Ahsan regarding the reversal of an illegal or criminal act through an executive order his spokesman has responded promptly. The said spokesman Rashid Qureshi says in his lopsided (literally) manner that the pride of the lawyers, the most clear-headed Itezaz Ahsan is spreading confusion!

Brig. Cheema. A Sleuth and Wizard par Excellence

30 Dec, 2007

Sir

"I B.U. Mahsud, in full possession of my senses, and fully competent to testify, under oath do declare that it was I who ordered the elimination of one wayward Muslim woman variously called Benazir alias Bibi or Bhutto. Andfurther that I declare that this statement is in public domain and that I, the said BUM, authorize that it may be recorded and broadcast by any competent and well-informed sleuth like brig. Cheema, the one who does not know that this said Bibi wrote a letter to the President of a country named Pakistan naming the five persons she said were a threat to her life. He may not, well-informed that he is, know about this said Benazir, now demised by the grace of Allah, having sent an email to that infidel organization CNN, the bane of all holy terrorists, naming the prime threat"

To highlight this statement was more or less the purpose of the live press conference broadcast by all the Pakistan TV channels. This press conference by the spokesperson of the interior ministry was broadcast live, contravening all PEMRA RULES!

It may, also, be of interest to note that Government of Pakistan never arrested AND released Mahsud, nor his brother, to be used another day.

Saluting the Poet of 'a Tortured Land'

01 Jan, 2008

Dear Dr Farrukh Salim!

I have always appreciated your investigative and analytical articles. You are doing a great job by shining some light into the encircling gloom of ignorance and ignominy. I never knew you had a poet's heart and sensibilities. Well done.

Your farewell to Bibi outweighs all your work, itself no less great by any measure. My friend Professor Ishfaq Bukhari, recently retired head of Urdu language and literature department of G.C. University, Faisalabad joins me in this appreciation. God bless you.

Elegy of the tortured souls is a great work indeed.

AWeird Experience

03 Dec, 2007

Sir

Boredom led me to type the word 'sonofabitch' in the search column of British daily Telegraph. Where can we Pakistanis go, O Lord! The world is becoming weirder and weirder, Alice of the Wonderland would say.

Like to try it?

A Wise Dog

10 Dec, 2007

Sir

How easy it is to bag a few seats in the upcoming national parliament. Go out and cry from your housetop, "Elections are poison for this nation, a danger for the country and likely to be rigged". You may collect a few scraps of sympathy here and there and a promise of a couple of seats for your party by the authority compiling the results of 2008 elections. Now go and file your nomination papers. Simple?

Diogenes. indeed, was a wise philosopher!

"Diogenes stood outside a brothel, shouting, "A beautiful whore is like poisoned honey! A beautiful whore is like poisoned honey! A beautiful whore . . . "Men entering the house threw him a coin or two to shut him up. Eventually Diogenes had collected enough money and he too went into the brothel."

The Basic Contradiction

29 Nov, 2007

Sir

It used to be a favorite pastime of young communists to try to find 'the basic' class contradiction of Pakistani society.

Like the 'personal service' offered by modern banks, the politics in Pakistan is centered around personalities now. All the institutions including the highest courts have been taken care of!

President Musharaf, piqued by the independent judiciary, did not forget to rail against the upright Supreme Court judges in his inaugural address. The basic contradiction is very clear now: Musharaf or Iftikhar Chaudhary, for what each one represents, Have your pick.

From the Mouth of Babes

02 Dec, 2007

Sir

"Political power flows from the barrel of a gun", said Mao. Now, does the political wisdom flow from the mouth of babes. My grandson was shouting at his mother, "Stop eating that orange. Stop! Don't do it." My daughter said, "Be reasonable, Saboor. What is this? What are you doing!"."I am the Musharaf of this house", replied the kid.

The Goonda in Civvies

27 Nov, 2007

Sir

All the citizens of Pakistan have tasted the excesses and corruption of unchallenged power. It is not just the helpless individual who has been targeted. From the supreme court judges through high profile barristers and lawyers, media persons, human rights activists and 'the pride and honor of a Muslim society'_ the ladies, have been roughed up by male, macho policemen.

The modern media has recorded all the faces committing all sort of atrocities, including a rough character holding a lady around her breasts. 'No goonda', they claim. He was a policeman in civvies!

None of the victims nor the two big of the Pakistan politics, the Bibi and the recently 'delivered' Baba, have come out with the statement that all the transgressing policemen will be prosecuted. Do they want to use them against their rivals?

Letter 'A'

28 Nov, 2007

Sir

The letter A (more precisely words beginning with the vowel sound 'a') is very important in Pakistani politics. Everyone knows the three As — Allah, America and the Army. Did you notice the new As? Beginning with the sound of "a", these are — Aitzaz, Adlia (judiciary), Ablaghiat (media), and awam!

Lincoln

Dawn, 7 Nov, 2007

Abraham Lincoln is one of the greatest, wisest and boldest of men in history. No one has done more than him for the emancipation of slaves, the dignity of man and the unity of his country. His political wisdom is surpassed only by a few. His honesty of purpose is exemplary.

To cull the insights from the sayings of great men, you need a minimum of common sense. To misquote a sage is a literary crime. To misread meanings into his text is simply foolish; childish at best, and irreverent and blasphemous at worst.

To expiate someone else's sin in distorting what Lincoln said and as a tribute to that great man, here is another quote from him:

"Every man is said to have his peculiar ambition. Whether it be true or not, I can say for one that I have no other so great as that of being truly esteemed of my fellow men, by rendering myself worthy of their esteem. How far I shall succeed in gratifying this ambition, is yet to be developed."

Normal Reactions to Abnormal Situations

15 Nov, 2007

Sir

Psychiatry is not all about madness. In fact, madness is a very small proportion of a psychiatrist's work.

And we don't use the term 'mad'. Psychiatry is mostly about interpersonal problems- the 'home front' issues- the moods, behaviours and thought disorders. The major work load of a psychiatrist comprises normal (that is, expected) reactions of people to abnormal situations. The psychiatrists in Pakistan are nowadays having a field day, in the local parlance, a good season.

A loose-loose socio-political situation with a blockade of all means of expression and interaction and frustrations galore; you have the right mix for frustration, anger, and yes, rage, anxieties, fears, phobias and depression. The-all-lies-told situation may well be spawning schizophrenia. Who knows?

The Tyrant Will Always...

07 Nov, 2007

Sir

We, as a nation, are fond of putting the time machine in reverse gear. We have done it yet again with the proclamation of emergency. We never were fond of dry facts. Our favorite diet is fiction and fable. The master of fable is AESOP, who wrote in Greek in 6th century BC. His fables contained lots of wisdom. The wisdom is optional, if you care to look for it. You may ignore it if you please, just enjoy the story! This may even be better for your life and limb, witness: lawyers in Pakistan.

The very first fable in his book goes like this:

"Wolf, meeting with a Lamb astray from the fold, resolved to lay violent hands on him, and to find some plea to justify to the Lamb the Wolf's right to eat him. He thus addressed him: "Sirrah, last year you grossly insulted me." "Indeed," bleated the Lamb in a mournful tone of voice, "I was not then born." Then said the Wolf, "You feed in my pasture." "No, good sir," replied the Lamb, "I have not yet tasted grass." Again said the Wolf, "You drink of my well." "No," exclaimed the Lamb, "I never yet drank water, for as yet my mother's milk is both food and drink to me." Upon

which the Wolf seized him and ate him up, saying, "Well! I won't remain supperless, even though you refute every one of my imputations." The tyrant will always find a pretext for his tyranny." (Italics added)

Democratic Philosophy?

Dawn 04 Nov, 2007

Sir

"I WILL drown and no one shall save me," cried the desperate man. This man who knew English as a second language (ESL) managed to drown successfully.

The most frustrating experience in the practice of a psychiatrist is the person determined to commit suicide. With the best of care and despite the best available treatment, some manage to do it.

You cannot generalise this experience and apply it to society at large. But I am tempted. The democratic philosophy being dispensed by our news channels will have us believe that the people abducting our soldiers in their hundreds and slaughtering them are 'our own', 'our brothers' (Qazi's and Imran's), therefore no action should be taken against them. The unfortunate soldiers belong to India, I presume!

Will our nation commit suicide? Or shall it!

Either or Paradigm

06 Nov, 2007

Sir

"Either you are not a Muslim or I am your Caliph", intoned blessed Zia-ul-Haq.

"Either give me the command, the absolute command ('unity of command') or to get that command, anyway, I'll destroy one of the pillars of the state- and thereby the state", says the incumbent.

To Be or Not To Be

30 Oct, 2007

Sir

I am drowning and no one shall save me, cried the desperate man.

This man who knew English as a second language (ESL) managed to drown successfully.

The most frustrating experience in the practice of a Psychiatrist is the person determined to commit suicide. With the best of care and despite the best available treatment some manage to do it.

You cannot generalize this experience and apply it to the society at large. But I am tempted. The democratic philosophy being dispensed by our news channels will have us believe that the people abducting our soldiers in their hundreds and slaughtering them are "our own", "our brothers" (Qazi's and Imran's), therefore no action should be taken against them. The unfortunate soldiers belong to India I presume!

Will our nation commit suicide? Or shall it!

Our Acts Our Angels are, or Good or Ill...

01 Nov, 2007

Sir

The greatest crime according to Saadi is to keep quiet when you must speak.

Our lads are dying right and left, abducted and butchered. They are dying to defend the cowards who do not speak because they are afraid of the mullah. Others do not speak out because they want the votes of these cowards.

I shall never come begging for your worthless votes my worthless contemporaries. And I am not afraid of the mullah.

I, therefore, condemn these abductors and butchers in the strongest words at my command. I pray for the brave departed souls.

I do pray for the surviving comrades of those martyred in the defence of the motherland. May Allah grant them the courage to wipe out the enemies of Pakistan.

of law breaking(qabza groups love qabza groups) phantoms of Islamabad who happen to be sacred. Young Harry Potter fans know them as dementors, they suck in all the happiness with their rattling breaths. Burqas are sacred, we are being told. Listen all ye who believe. Laughing on the funny antics of 'airy forms' is banned.

Open Up the Houses of Allah

25 Jul, 2007

Sir

Here are a few suggestions from a common Pakistani for the benefit of my Motherland. They may not be highly academic and intellectual as the recommendations of the cabinet but worth considering, nevertheless. So here it goes!

Do not lock the mosques. Make it a crime to lock a mosque. Allah shall guard them. If a poor man robs it of a lota or musalla, it is no big deal. Through the centuries the mosques were refuges for the destitute and the way-farer, although not for the terrorists. Unlock them and those spreading discord and mischief in God's earth shall flee. Stop giving the mosques fancy sectarian names. Let it be Mosque No.11, Islamabad, Mosque No. 20, Lahore and on and on. These measures would not require approval from the ministry of finance. They do not involve expense of a single penny.

Simple measures do not fetch votes or any commission, but they are effective.

The Snake Game

25 Apr, 2007

Sir

Mustansar Hussain Tarar has described himself as a self-styled vagabond. Who is not one in my motherland? Professor Irshad Khan used to say," How great the country I live in! It has Generals!! Tariq and Tiger and Napoleon. You name it. It has universities (self-styled...madrassas, in fact). Yes sir. Universities and professors... and even deans. Help me O Lord.

Great People to Live Under

27 Apr, 2007

Sir

Our great National assembly is debating earth-shaking issues like burqa, the slogan raised by a member of the audience in USA who had come to listen to our philosopher- politician(he should be shot for that) and the unheard of incidents of people coming out on the roads- I repeat, people on the roads! Three important issues at one go. Their brains may heat up. I advise three months bed rest, as a practicing Psychiatrist.

Nobody ever blamed Chaudhary Shujaat Hussain of being logical. No, nor of being cogent. Now he wants a certain person shot (by his goons?).

The fault of the person-to-be-shot? He shouted a slogan"na-Pak faujmurdabad". (Dawn, April, 27 ,2007. Govt's Double Retreat...) would he rather have him shout--naaoozobilla-- Pak faujmurdabad.

The heaviest issue on the agenda is a drama playing in Lahore, Burqavaganza. Who ever said Pakistan has such measly problems as food and health and law and order? Much more urgent and profound are the problems

Professor Ghayur Hussain's Books

01 Mar, 2007

Dear Saadulla Jan Barq

I am a regular reader of your column and a great fan of yours. Your wit and choice of verse is unsurpassed. Where can I get the above-mentioned books? My daughter wanted to learn Farsi. I went shopping in the 'third largest city of Islamic republic of Pakistan' and drew a blank. One kind shopkeeper advised me to go to Jaranwala, a Tehsil town. He said a school there still teaches Farsi!! Islam Zindabad. Regards.

A Hard Stroke

16 Apr, 2007

Sir

In the hoary past Qissa Khawani Bazaar of Peshawar was literally, factually a storytellers' square. Old storytellers in their flowing robes and turbans would tell the tales of long dead legendary heroes. They would hold their audience in thrill, making them laugh and cry at will. One of the storytellers, dissatisfied with the response changed the storyline- ' the enemies, hard-hearted as they were, deprived our hero of food and water... there was a lukewarm warm response. They deprived, he thundered, our hero of food and water and... and ' naswaar'. The pushtun crowd burst into tears.

Lal Masjid mullas have threatened to stop the sale of liquor in Islamabad. Now! This will really shake up the bureaucracy. They will do something about the red mullas.

A Letter from the Dead

22 Feb, 2007

Sir

I can not thank you enough for your editorial "Demise of Gujranwala". I belong to the long-dead city of Lyallpur. The carcass was renamed Faisalabad. Lyall became Faisala and Pur turned Bad! You have lamented the slumber of ' the politician and the officer'. I am ashamed to admit that you will find champions of Maulvis Sarwar amongst the doctors, lawyers and professors, the so-called elite of Pakistani society- the best amongst the nations, you know. For the poor departed soul of Zille Huma Usman let Maulana Jalaluddin Rumi speak:

My love is beautiful--one of her faults.

Delicate... soft... that's two and three.

But what's the reason people really shun her?

She's perfectly faultless, that's the sin they flee.

A Lesson from Wild West

23 Feb, 2007

Sir

Zane Grey is perhaps the greatest writer of the Wild West. One of his characters with a sense of honor (not a Pakistani honor killer) says somewhere," My mother taught me to respect her sex." Not so, unfortunately, the son of a wife-beater. A son who has seen his mother repeatedly abused, ridiculed and beaten will always abuse, ridicule, beat and murder women. Other sons of other wife-beaters will applaud him

Good Old Nawaz Sharif

05 Feb, 2007

Sir

These faujis they are trying to sow seeds of distention between brothers. I am saying that no need to do deal with faujis but Shbaz Saab is not agree. He wants to get back into verandahs of power. Faujis they are trying to swoon him away from me. They will not secede because we two brothers have solid under statement and biology in between us. Then there was big snow storm. I said to Shbaz Saab that forget about politics and let's play snowman-snowman. He took cold breath (thandasaans) and said okay. I said I will build Shbaz Snowman and you build Nwaz Snowman. I built quickly one snowman and three wives next to snowman. Like this, this, this. Shbaz Saab also built Nwaz Saab snowman but it took long time because he had to hollow out the head so that it was completely empty. I said how nice and that Mohtarma Benazir Sahiba must be making BB Snowman and PPP executive committee called "Snow White and Seven Dwarfs".

At home Shbaz Saab started saying "so-and-so fauji called and – " I interpreted him and said please, mention not faujis. I told you no deal with them. Is that Christmas clear? Shbaz Saab went off in a puff, slammed door and shouted, "Yes, it's CRYSTAL clear!" Next day I decided that this tension is too much for me and I am going on Hajj. I went to Heathrow and got into fuss class cabin of Saudia. Somehow Shbaz Saab fallowed me there and kept pooling my sleeve and saying please don't go, please don't go. I shook his hand off my sleeve and turned my face away. He kept pooling it and saying please don't go. "What's to you?" I said. "Nothing" he said, "it's just that fuss class is not going to Hajj, only economy is". Then only I got off it.

At home lantern gosht was cooked. I shouted at the children that come to the table and eat lantern with mutton and white rice. What you will remember? Kyayaadkaro gay? Your bhabi asked that where Shbaz Saab is. I said he told me he had to go out for dinner with twin brother of Defence Attache of Pak Embassy. She said I am telling you there is black in lantern.

Daal mein kala hai "دال میں کالا ہے"

Cut Throats

26 Jan, 2007

Sir

The thread that cuts the throat has been outlawed. Great activism on the part of higher judiciary!

Who will outlaw the throat that cuts through my sleep, my rest; my meditation, my peace of mind; my concentration, my study; my thoughts, my creativity?

Wish I were a sod of earth. Laitani kuntu turaba!

Imagine

01 Feb, 2007
John Lennon

Imagine there's no heaven.
It's easy if you try.
No hell below us,
Above us only sky.
Imagine all the people
Living for today.
Imagine there's no country.
It isn't hard to do.
Nothing to kill or die for,
And no religion, too.
Imagine all the people
Living life in peace.
Imagine no possessions.
I wonder if you can.
No need for greed or hunger,
A brotherhood of man.
Imagine all the people
Sharing all the world.
You may say I'm a dreamer.
But I'm not the only one.
I hope someday you'll join us,
And the world will be as one.

Good Old Nawaz Sharif

05 Feb, 2007

Sir

These faujis they are trying to sow seeds of distention between brothers. I am saying that no need to do deal with faujis but Shbaz Saab is not agree. He wants to get back into verandahs of power. Faujis they are trying to swoon him away from me. They will not secede because we two brothers have solid under statement and biology in between us. Then there was big snow storm. I said to Shbaz Saab that forget about politics and let's play snowman-snowman. He took cold breath (thandasaans) and said okay. I said I will build Shbaz Snowman and you build Nwaz Snowman. I built quickly one snowman and three wives next to snowman. Like this, this, this. Shbaz Saab also built Nwaz Saab snowman but it took long time because he had to hollow out the head so that it was completely empty. I said how nice and that Mohtarma Benazir Sahiba must be making BB Snowman and PPP executive committee called "Snow White and Seven Dwarfs".

At home Shbaz Saab started saying "so-and-so fauji called and – " I interpreted him and said please, mention not faujis. I told you no deal with them. Is that Christmas clear? Shbaz Saab went off in a puff, slammed door and shouted, "Yes, it's CRYSTAL clear!" Next day I decided that this tension is too much for me and I am going on Hajj. I went to Heathrow and got into fuss class cabin of Saudia. Somehow Shbaz Saab fallowed me there and kept pooling my sleeve and saying please don't go, please don't go. I shook his hand off my sleeve and turned my face away. He kept pooling it and saying please don't go. "What's to you?" I said. "Nothing" he said, "it's just that fuss class is not going to Hajj, only economy is". Then only I got off it.

At home lantern gosht was cooked. I shouted at the children that come to the table and eat lantern with mutton and white rice. What you will remember? Kyayaadkaro gay? Your bhabi asked that where Shbaz Saab is. I said he told me he had to go out for dinner with twin brother of Defence Attache of Pak Embassy. She said I am telling you there is black in lantern.

Daal mein kala hai "دال میں کالا ہے"

Cut Throats

26 Jan, 2007

Sir

The thread that cuts the throat has been outlawed. Great activism on the part of higher judiciary!

Who will outlaw the throat that cuts through my sleep, my rest; my meditation, my peace of mind; my concentration, my study; my thoughts, my creativity?

Wish I were a sod of earth. Laitani kuntu turaba!

Imagine

01 Feb, 2007
John Lennon

Imagine there's no heaven.
It's easy if you try.
No hell below us,
Above us only sky.
Imagine all the people
Living for today.
Imagine there's no country.
It isn't hard to do.
Nothing to kill or die for,
And no religion, too.
Imagine all the people
Living life in peace.
Imagine no possessions.
I wonder if you can.
No need for greed or hunger,
A brotherhood of man.
Imagine all the people
Sharing all the world.
You may say I'm a dreamer.
But I'm not the only one.
I hope someday you'll join us,
And the world will be as one.

uncovered meat. Uncovered, uncooked meat does not arouse even the culinary appetite of a normal man. Maybe nausea, hunger NO. A nauseating mullah, indeed.

Thanks for the courage you have shown in highlighting the idiocy. It is a quality very rare in my Muslim brothers.

A Proposal for Retirement

26 Jan, 2007

Sir

With Imran Khan and Nawaz Sharif already taking up cudgels for obscurantism on behalf of Qazi Hussain Ahmad, the induction of a new force is more than welcome. Our Prime Minister, enlightened to the hilt, avoided a handshake with the female foreign minister of Israel at Davos. This has been reported in the Urdu press, which very keenly picks up such important news.

Time for Qazi Hussain Ahmad to retire honorably! He is passing the baton to safe hands.

A Precocious Child

02 Nov, 2006

Sir

Qazi Husain Ahmad says small children were killed in the strike on Bajaur. Qazi Hussain Ahmad is an honourable man, we all know. Wednesday's papers carry the photograph of a child, one who survived. The face is covered with thick unkempt beard. Wonder of wonders! I call it a MOJZA.

There are no photographs of the children who died in the attack by USA. (source: Qazi Husain Ahmad)

Uncovered Meat

02 Nov, 2006

It is easy to go down into hell:
Night and day the gates of dark
Death stand wide; but to climb
Back up again, to retrace one's
Steps to the open air, there lies
The problem, the difficult task.
Virgil

Will the grand mufti of Australia and myriads of muftis in every nook and cranny of the Muslim world take notice of what this infidel has to say?

I do not agree with your suggestion to "send the mufti back"(DTnov1, 2006."The dangerous mullah of Australia"). This is a typical Pakistani solution. The SHO of your area is corrupt (they all are, I mean very corrupt) transfer him to my neighbourhood. What is my fault?

I try not to get into diagnostic mode, but can't help wondering about the mental health of a man(forget the moral health) who is sexually aroused to the point of committing rape on the sight of

lords, crony capitalists, the uniformed and civil bureaucracy and their fellow travellers. The working classes (poor souls), labourers, peasants and the urban poor of the contrary, have only one option: waging a relentless struggle in the form of kidnappings of ladies and infants and takeover and nationalisation of enemy property like children's libraries. Inqilab Zindabad.

The Turkish Example

02 Nov, 2006

Sir

President Musharaf is fascinated with Turkey. He romanticises it and wishes to follow its example. This is what he should do. They are prosecuting a 92-year-old academic and a specialist in Sumerian culture and history for the un-Islamic activity of research. She has traced the use of head scarf to Sumerian civilization which dates back to 4000BC. The head scarf was first used by Sumerian priestesses while initiating young people into sex. I think she should be hanged. Then we should look for some woman in Pakistan indulging in this ungodly activity...no, not of being a priestess but doing research work. If you can't find anyone Jugnu is there!

Thank You "N"

14 Oct, 2006

Sir

Some of my PML (N) friends were criticizing the General's book. I bet them a cup of what is banned for ordinary Pakistanis if they can show me ONE member of their party who has read this book. Included in this challenge were their great national leaders like Ch. Sher Ali, Rana Sana Ulla and the Ameerul himself, Mian Muhammad Nawaz Sharif (lately of Ittefaq industries).

I have won the bet going by the news item in Friday's Daily Times and other papers informing us about the incendiary protest against the book. They are not book readers.

THEY ARE BOOK BURNERS, ALONG WITH THEIR MMA BEDFELLOWS!

A Live Communist

23 Nov, 2007

Sir

Everything in history happens twice, said Marx, first time as tragedy, the second as farce. I met an old communist, a comrade of mine, who like many of the left-over Left in Pakistan claims that fundamentalists and terrorists are fighting an anti-imperialist war. This is today's primary contradiction. You would surely know what a 'primary contradiction' is if you have ever met a communist.

I had very studiously avoided that friend to avert the shock of his 'ideological analyses'. Here it goes. He declared the red capped mullah as the vanguard of the infant-snatching, baton brigade of the veiled forms — presumably ladies — to be engaged in a bitter class war. Then lapsing into the favourite pastime of communists, he relegated the acts of kidnapping and anti-women, anti-minorities and anti-commonsense attitudes of this vanguard of the people as a secondary contradiction. He said we should look behind the apparent façade into the real class interests, you know. Prostitution as you all know, he added, is the pastime of the decadent ruling classes — the feudal

is sex deprivation- witness gang rapes and abductions and sex crimes against minors.

The good lady, the wife of the scholar warrior we were talking about, has advised women to wear bomb belts around their ample bellies. This is women empowerment, I say! The amazons would then threaten to pull the pin if the hubbby as much as dares to tread within a one mile radius of the lady.

The scared (and sacred in this case) husband would think of other ways to get his martyrdom. A better way in a better place, say the heavenly vale of Kashmir. A martyrdom that will make it to the front pages of the Urdu dailies, and with luck to the breaking news of infidel channels.

Salute to NADRA

15 June, 2006

Sir

A great organization this! This truly is a lesson for the lazy, the inefficient and the shirker... in short for every Pakistani. NADRA has reversed the trend. They have "collected data of over 780.5 million people, out of which 520 million had been issued with (sic) cards. AND THIS POOR NATION NUMBERS ONLY 150 MILLION, INFANTS AND CHILDREN INCLUDED. This is efficiency, I say.

Leave all Meaner things, to Low Ambition

02 Apr, 2006

Sir

On a wing and prayer we fly to USA. The wings of a plane chartered at the expense of poor Pakistani people, and our prayers of a lifetime to see that infidel country, the Mecca of all our political riffraff, religious or otherwise. A class fellow of mine in school translated ' He went to the land of stars and stripes' as WOH MAR GAYA!(he died or in other words went to heaven, the land of stars.) So every bigwig worth his salt hooks a free ride on PM's plane.

Khalid Hasan in his beautiful article (On a wing and a prayer, DT 2Apr06) asks a plaintive question. "Why does the prime minister need to travel so much and with so many. I hope this answer from Alexander Pope satisfies him:

To be, contents his natural desire,

He asks no angel's wing, no seraph's fire;

But thinks admitted to that equal sky,

His faithful dog shall bear him company.

Psycho Parlour

14 May, 2006

Sir

One of the more common games that people play is assigning each other psychological/psychiatric diagnoses. "Oh, you must be mad" is nauseatingly common. I see no harm in indulging in this harmless pastime/game once in a while.

The occasion for this comment is the address to women by the wife (number?) of the chief of a lashkar (a private army), a professor (sic) and a hafiz. Professorship or learning the Quran by rote has nothing to do with intellectual pursuits in Pakistan. One wonders about this professor and his life-work. Why would a professor opt for the killing fields of jihad and terror instead of the class room and the library?

Frustration, the parlour psych would say. But why frustration with guns and naked power and pelf galore? Parlour psychologists are all Freudians, so your guess is as good as mine. If the graffiti on the walls and advertisements in Sunday editions of Urdu dailies is anything to go by the causa prima of frustration in Pakistan

Yes, Israel has Jericho 1 SSMs, Jericho 2 Shavit space launchers and Popeye Turbo submarine launched missiles. But, there are a dozen other countries whose nuclear arsenal is a hundred times bigger than Israel's. Ever wondered why Jews control the levers of world power?

Here is why: The first micro processing chip was invented by a Jew (named: Stanley Mezor) and so was the microphone (Emile Berliner), nuclear chain reactor (Leo Szilard) vaccination for Hepatitis B (Baruch Blumberg), leukemia fighting drug (Gertrude Elion), optical fiber cable (Peter Schultz), videotape recorder (Charles Ginsburg), traffic lights (Charles Adler), sound movies (Isador Kitsee), stainless steel (Benno Strauss), kidney dialysis machine (Willem Kolff) and vaccinating needle (Benjamin Rubin).

Harrison Ford, Tony Curtis, Charles Bronson, Sandra Bullock, Billy Crystal, Woody Allen, Dustin Hoffman, Michael Douglas, Ben Kingsley, Paul Newman, Kirk Douglas and Jerry Lewis are all Jewish.

In the business world, famous Jews include Ralph Lauren (Polo), Levis Strauss (Levi's Jeans), Howard Schultz (Starbuck's), Sergey Brin (Google), Michael Dell (Dell Computers), Larry Ellison (Oracle), Donna Karan (DKNY), Irv Robbins (Baskins & Robbins) and Bill Rosenberg (Dunkin' Donuts).

More interestingly, Albert Einstein, TIME magazine's 'Person of the Century', was a Jew. Other famous Jews include Sigmund Freud (ids and egos), Estee Lauder (Cosmetic Queen), Jonas Salk (Polio vaccine), Steven Spielberg (director-producer), Alan Greenspan (Fed Governor under Reagan, Bush, Clinton and Bush), Casper Weinberger (US Secretary of Defence), Madeleine Albright (US Secretary of State), Michael Howard (British Home Secretary), Benjamin Disraeli (British statesman and author), Ari Fleisher (Bush's Press Secretary), Wolf Blitzer

(CNN), Barbara Walters (ABC News), Eugene Meyer (Washington Post), Henry Grunewald (editor-in-chief Time), Max Frankel (New York Times) and Henry Kissinger (US Secretary of State).

On March 2, 2001, UNESCO Director-General Koichiro Matsuura said, "In Afghanistan, they are destroying statues that the entire world considers to be masterpieces". Matsuura urged all Islamic countries to pressurise the Taliban.

March 4-8, 2001: Taliban soldiers using antiaircraft weapons, tanks and explosives blew up the 'Standing Buddha's'. Following the destruction, Maulana Qudratullah Jamal, the Taliban's Minister of Information, announced the sacrifice of 100 cows.

There is not a single Buddhist either in Afghanistan or in Denmark but there are 390 million Buddhists in China, 90 million in Japan, 62 million in Thailand, 8 million in India, 2 million in Indonesia, 3 million in the United States, 700,000 in Bangladesh, 500,000 in France, 380,000 in Australia and 300,000 in Canada. All put together, world Buddhist population stands at 708 million or 11 percent of humanity.

Interestingly, not a single Buddhist monk around the world issued any edict, decree or command for the 708 million Buddhists to avenge the destruction of 'Standing Buddha's'. Not a single Buddhist killed another human being or burnt an embassy (Islam always insisted that the killing of another human being is the equivalent of killing the entire humanity).

Nextfact. There are 213 million Muslims in Indonesia, 156 million in Pakistan, 144 million in India and 127 million in Bangladesh. All put together, world Muslim population stands at 1.4 billion or 23 percent of humanity.

Collectively, a total of 1.4 billion Muslims, 23 percent of humanity, produce less than 5 percent of global GDP. Even more worrying, GDP of Muslim countries as a percent of global GDP is declining over time. To be certain,

6 out 10 Muslims cannot read or write (of the 1.4 billion Muslims 800 million are illiterate).

Intriguingly, over the past 105 years, 1.4 billion Muslims have produced seven Nobel Laureates; 23 percent of world population with a 1 percent share of Nobel Prizes. Of the seven Muslim Nobel Laureates, four – Anwar Sadat, Yasser Arafat, Shirin Ebadi and Mohamed El Baradei – actually won Peace Prizes. The three who won in Physics, Chemistry and Literature are Abdus Salam, Ahmed Zewail and Najib Mahfooz (respectively).

Interestingly, Abdus Salam became a Nobel Laureate while pursuing his scientific work in Italy and the UK and Ahmed Zewail won his prize pursing his studies of the 'transition states of chemical reactions using femtosecond spectroscopy' at the California Institute of Technology. Furthermore, Abdus Salam is not considered a Muslim in his home country and Najib Mahfooz was stabbed in the back by his Muslim brothers in Egypt (Najib was partially paralysed).

Next fact. There are 6 million Jews in the US, 5 million in Israel, 700,000 in Russia, 600,000 in France, 400,000 in Argentina and 390,000 in Canada. All put together, world Jewish population stands at 14.5 million or 0.227 percent of humanity.

In all probability, there are more Muslims in Karachi than there are Jews in the world. There are more Muslims in Faisalabad, Rawalpindi and Multan combined than there are Jews in the world.

Interestingly, a total of 14.5 million Jews have produced 169 Nobel Laureates; a mere 0.227 percent of humanity with a 22 percent share of Nobel Prizes (a total of 758 individuals have been awarded the Nobel Prize, 33 women and 725 men).

Pakistan will set you right

17 Mar, 2006

Sir

Pakistani law forces the people to respect the prophet of Islam. If they don't they are hanged. Now we will bring an amendment to the constitution (our favorite pastime) and then this law will apply to all the inhabitants of all the worlds (AALMEEN). You just wait and see!

Great Muslims?

31 Mar, 2006

In 2nd century AD, Emperor Kanishka began the construction of two monumental statues of 'Standing Buddha's'. The largest 'Standing Buddha's' on the face of the planet measured 180 feet and 121 feet tall.

The 'Standing Buddha' of Bamiyan was designated as a World Heritage site by UNESCO (United Nations Educational, Scientific and Cultural Organization). Each World Heritage Site is protected under the Convention on the Protection of the World Cultural and Natural Heritage (ratified by 180 countries). There are around 812 World Heritage Sites, 628 cultural, 160 natural and 24 mixed properties; each World Heritage site is considered to be of "outstanding value to all humanity".

On February 26, 2001, Mullah Mohammed Omar informed 29 million Muslims of Afghanistan that "on the basis of consultations between the religious leaders of the Islamic Emirate of Afghanistan, religious judgments of the Ulema and rulings of the Supreme Court of the Islamic Emirate of Afghanistan..." the pre-Islamic 'Standing Buddha's' would be destroyed. The task of destroying the 'Standing Buddha's' was given to the Ministry of Information and Culture and Vice and Virtue.

Oaths and Oaths

03 Sep, 2005

Sir

Today's Post (Sep 1, 2005) carries a photograph of Mr Justice Rana Bhagwandas. He looks so sober, so wise. He is taking oath of his new office as the acting Chief Justice of Pakistan, one of the angles of the triangle- the triumvir-I of this country -that rules our destinies.

Oaths are nothing new for ordinary mortals of Pakistan. Members of ruling elite escape the clutches of law by taking an oath, or somebody taking an oath on their behalf. "I declare under oath that my nephew did not commit this murder." And it suffices. The commoners have their oaths aplenty. "I declare under oath that this enemy of mine committed blasphemy." Unbailable offence! I want to do my Ph.D. from Punjab University on worms, plants or wayward atoms. I shall have to declare on oath that I believe that prophet-hood has ended. I may not be required to state my belief about the institution of prophet-hood while applying for my driving license because I have done so for my national identity card which,of course, is a basic requirement for getting my driving license.

Did Mr. Justice Rana Bhagwandas state it on oath that he believes that the institution of prophet-hood has finished. If not, why not? (no blasphemy intended for the high office.)

Wrong Technique

13 Feb, 2006

Sir

Shoaib Malik has scored ninety plus runs in each innings of the last three matches in the opening spot where we are supposed to have a problem. Are the powers that be in Pakistan cricket sleeping. He should be immediately replaced. He is technically flawed, I tell you.

Pakistan Last

02 Sep, 2005

Sir

"All is not rotten in the state of Pakistan," I tell my friends proudly. "There is still the Daily Times." And now you put Qazi Hussain Ahmad on the front page pontificating on a very important and sensitive foreign policy issue viz: relations with the state of Israel. (DT Sep 2, 2005) This is a person on record disclaiming the interests of the state of Pakistan. "I cannot put the interests of Pakistan above everything else (SAB SAY PEHLAY PAKISTAN). This interferes with my Eeman." What a leader and what Eeman!

You have honoured him unduly and this may help him in bringing more harm to our Pakistan, our Eeman. I protest as a Pakistani citizen and a reader of your esteemed paper from day one of your existence.

I wonder

11 Feb, 2006

Sir

We don't abuse Hindu gods and idols. We don't abuse and lampoon Ahmadis' prophet. We do not declare Jews and Christians as our perpetual enemies. We don't shun godless people. We don't fight communists. We don't make fun of Sikhs' beards, clothes and hair styles. We don't bomb peaceful communities. We don't even make their school children our hostages.

I wonder why all the world hates and ridicules us.

I JUST STAND AND WONDER.

A Veiled Threat

01 Sep, 2005

Sir

The men usually get up in the middle of the night to go to the toilet. Some get up to go home, says the wit. A good many get up to raid the fridge.

Veiled women raid liquor shop in Srinagar, says Post (Sep1, 2005). Up till now beard was the license to poke your nose in everybody's affairs. Henceforth it shall be the veil! Beware all ye who wear nor beard nor veil.

A Point to Ponder

02 Sep, 2005

Sir

"I love the valiant; but it is not enough to wield a broadsword, one must know against whom."

-- *Friedrich Nietzsche*

Love to the valiant at Khanewal and Peshawar and now at Lahore. Please consider: ordinary citizens of Pakistan do not hold Danish nationality. Our cars were not bought with their money. The shops in Peshawar were not stocked with the help of Danish Krone. The cars burnt in Lahore belonged to poor Pakistanis, most probably bought against a loan from the bank. The poor passenger's in the train at Khanewal were NOT going to Denmark. May Allah lead you in the straight path! Shout to your heart's desire but spare ordinary Pakistani mortals.

Natural Pakistani Males

Daily Times 29 Aug, 2005

Sir

London zoo is exhibiting humans in their natural environment (Infotainment, DT, August 28, 2005). The accompanying photograph corroborates the claim that they are "barely clothed (and) within a rocky enclosure". Natural enough I will say as far as the ladies are concerned. They are not hiding their faces in veils- and faces not ugly! They are not ashamed of their bodies, although shapely, to sneak in wrap-around. The men, however, are "shaven and shorn". Haven't they seen natural men. We can lend them a few natural specimens of 'the best of all creations'.

A chemist amongst the group at display resents the fact that "a lot of people think humans are above other animals....here; it kind of reminds us that we're not that special". Now, aren't we? Just examine the specimens we intend to export for your benefit and education and then decide. They are guaranteed to look as natural as if they were raised in a jungle. And that is not all. Their minds are also guaranteed to be natural, nay, pristine to match their primate relatives. So natural and primitive in fact that they have not heard of Dawin. And if they have they do not 'believe' him.

Here you Flunked!

29 Aug, 2005

Sir

You have done well to audit the performance of our banker PM (One Year of Shaukat Aziz: The Post August28, 2005). Audit is necessary for all public performers, media included. More so the print media- the opinion makers in Pakistan. The English press in Pakistan is by and far balanced and fair. So is the Post.

There is one lapse, however, that I want to bring to your notice. History produces certain outstanding personalities albeit rarely. If we are lucky to have someone belonging to this category in our midst he needs special treatment. Someone so great, so self-effacing that he does not take over Islam Abad although he can do it easily, according to his modest claim.

In the 14 days of your existence you have not published even 14 statements, sermons and threats from the said great man.

You have guessed it right. I am talking of the warrior-statesman Qazi Hussain Ahmad.

Be careful in future. Or else!

The election commission should publish two lists, one of the winning candidates- say list A and a list B which should contain the names of all the rest of the candidates whose electon was rigged. Nobody lost. Period.

Letters to the post

28 Aug, 2005

Sir

With the power divided between Musharraf and the mullahs, I don't know if it is kosher to dig out old jokes. I do hope I do not fall foul of a blasphemy law. A major presiding over a military court was asking the respondent why he had beaten a man in uniform, when he knew that it was a very serious crime. The chastened civilian replied that he had nothing personal against this man or the uniform in general but, having seen another civilian boxing the soldier's ears for personal reasons, he "thought the Martial Law had been lifted and gave him a couple of blows for good measure." I was reminded of this joke by a column in The Post (August 17, 2005) titled: "Siraj ordered to stay out ofNowshera." With civilised countries throwing Pakistani clerics out of their countries and airports, this news from Peshawar about the senior minister is good.

The minister has defended himself in the usual logic(mantiq) of the mullaviz: one crime justifies another. "...a man wearing khaki...had got free hand even to play with the institutions..." says Siraj "shocked with the court decision".

But we Never Loose...

26 Aug, 2005

Sir

This nation was born to lead, to rule, to succeed and to win. Sans education, sans hard work, sans honesty. That, somehow, is our destiny. To loose is not in our dictionary.

When we lose a hockey match it is the sheer cussedness of biased European referees. A loss in a cricket match is unimaginable. It is always bad umpiring. We do not loose battles, nor wars. The blunder of 1965 was a CLEAR VICTORY. The unmitigated disaster of 1971 was our march to NEW PAKISTAN. We do not even loose face. If all the terrorists turn out to be Muslims, it is a Jewish conspiracy to malign Islam.

We have just had local 'non- party' elections. And nobody lost. It was not one of the options. You either win or the elections were rigged.

Welcome and Godspeed

The Post 16 Aug, 2005

Sir,

Your high-sounding resolve in your inaugural editorial is almost Musharafesque, to wit:

"The truth will lead, and we will follow, no matter where this quest may lead..."

This is what frightens me. Musharaf, the enlightened moderate, has got a long beard inside his tummy, as the Punjabi saying goes. Have you?

An English language paper from the house of Khabrain is welcome. Hope the house maintains its, by now legendry, courage even when threatened by beardies.

Jokes, Old and New

17 Aug, 2005

Sir,

With the power divided between Musharraf and mullas I don't know if it is kosher to dig out old jokes. I do hope I do not fall foul of a blasphemy law. Now this major presiding over this military court was asking the respondent why did he beat that man in uniform. Did he not know this was a very serious crime if a civilian beats a military man. It should be other way round, normally. The duly chastened civilian said he had nothing personally against this man or uniform in general. "I just saw this other respondent who is a cousin of the aggrieved soldier boxing his ears for personal and very private reasons. I thought the Martial Law has been lifted and gave him a couple of boxes for good measure."

I was reminded of this joke by the seven column lead in the Post(17Aug05): "Siraj ordered to stay out of Nowshera." With civilised countries throwing Pakistani clerics out of their countries and airports this news from Peshawar about the senior minister is good. Ha, Ha.

Welcome Home

Daily Times 22 Jul, 2005

Sir

There is news that Pakistanis form the largest percentage of men expatriated from various countries. I am hurt and happy at the same time, for I was very jealous of my uncouth compatriots enjoying the privileges of the first world, hating their gentle hosts at the same time.

Welcome home to the dust and heat; to flies and fundos!

I have a Khalifa

Daily Times 22 Jul, 2005

Sir

Pakistan is teeming with authorities: housing authorities, water and power authorities, civil and military authorities and many many more. The latest authority is an individual and not even a Pakistani!

An Iranian individual named Ali Khamenei, according to Iranian constitution, is "the highest religious authority for all Muslims througout the world"(Amir Tahiri: Ahmadinejad uses his...DT 10Jul05). Well, well, well.

Beats Pakistani mullas hands down.

On the Death of a Particular Friend

29 Apr, 2005

"As those we love decay, we die in part,
String after string is sever'd from the heart;
Till loosen'd life, at last but breathing clay,
Without one pang is glad to fall away.

Unhappy he who latest feels the blow!
Whose eyes have wept o'er every friend laid low,
Dragg'd ling'ring on from partial death to death,
Till, dying, all he can resign is—breath."

A Dog and A Mulla

20 May, 2005

Sir

A cartoon in Washington Times has aroused a lot of interest in Pakistan. The crowd that must play to the gallery has shown some resentment and made much of a newspaper cartoon. One can only pity a human being who has no sense of humour. The national assembly, sadly, is completely filled with the type. Humour is as rare in Pakistan as commonsense, with the possible exception of working classes.

Various columnists have penned articles on the subject, ensuring no humour creeps in. You know it is such a solemn affair. What all and sundry have failed to realise is the significance of the whole affair.

Bill Garner's cartoon showed a dog holding a mulla by the scruff of the neck. This is something the liberal and left forces in Pakistan including enlightened generals have failed to do all these years. And the whole nation is with the dog and not with the mulla. This is a seismic shift in the thinking of Pakistani nation. And, yes, the nation has one voice, it is unanimous.

The Power of the Parliament

Sir

I was moved by the concern you showed last night about the possible attack on the Parliament by Musharaf, our venerated ex-army chief through the soon to removed powers of the President. The said person declared us unfit for democracy a few weeks ago. He cited Europe's four-century long struggle for democracy. Now, what did this struggle entail? I bring to your notice a brilliant chapter from this glorious struggle.

In France the general assembly was created on the 7th of June 1789. People got one third share in this assembly. The 'people' comprised of poor peasants mostly. Included in this group were servants, skilled and unskilled workers, doctors, lawyers, teachers, storekeepers, and laborers. Religious establishment got one third seats, the other one third went to royalty and landed gentry.

King Louis XVI, foreshadowing today's Pakistan resented even this limited sovereignty of people. He locked the chambers of deputies. The members met in a covered tennis court to forestall a coup by the ruler against the people. They took a solemn oath known as the oath of the tennis court:

"We swear never to separate ourselves from the National Assembly, and to reassemble wherever circumstances require, until the constitution of the realm is drawn up and fixed upon solid foundations." This oath was signed by 576 members out of 577(Europe kay bay iman loge!)

With the general populace on the streets they forced the 'chief' to cancel his orders.

Our assembly has the solid backing of the people. They are the sovereign rulers of the country. I am sure they will assert people's sovereignty and hold onto the Assembly as the seat of people's power and sovereignty.

Who will dare to pull them out of their rightful abode! Instead of the tennis court they have the four provincial assemblies defended by the valiant and awakened people of Pakistan!

What about my hurt feeling and sentiments?

Daily Times 25-10-2003

Sir: One often bears that the police is overworked and regularly reads about their leisurely pursuits: picking up kids for watching movies: arresting respectable citizens for following the cricket match 'with an intent to bet': and smelling peoples breath to tell apart onions and alcohol. But I wonder why no one ever tells the busybodies to get on with their job of policing __ solving murders, dacoities, thefts etc.

One also hears about the judiciary being terribly busy and overworked and the innumerable pending cases. One regularly reads about higher courts pondering the hurt feelings and religious sensibilities of a couple of Lahoris who threw a tantrum because a child flew a kite or another lit some fireworks or because some Pakistani women decided to play a game. The latest affront has been a fashion show where some cricket personalities showed up 'on a holy night'. What more will they have to witness in this evil world?

But I wonder why no court ever heard or took suomoto notice of the devilish din created by

loudspeakers at 3 am, 365 unholy nights a year. This is, probably, condoned and, possibly, encouraged by the establishment as a good way to take care of the "reading" public (If there are any silly souls out there who still indulge in such habits). Who in his right mind will read late into the night knowing that loud-speakers start earlier than dogs, in fact earlier than sparrows and even earlier than the cock who is supposed to herald the new day.

No one ever litigates for decency and good sense. The rumpus is only about 'profound theodicy' — to borrow a phrase from Voltaire. We recently saw a government official in NWTP, who bartered away his clean-shaved good looks for the 'job', addressing an international conference of women. The good ladies were all in hijab and the speaker the only bare-faced male around. Mullahs seem to be fond of addressing purda-observing ladies. Would it not be better to blindfold the bull rather than shroud the entire china shop! That way the ladies can enjoy 'the rights that we have given them that the world cannot imagine' and escape being overdressed.

As for the litigating Victorian prudes, perhaps we should establish a special court to look into these complaints. At least this way the ordinary courts can get on with the mundane daily fare. Maybe I can also approach this special court with hurt feelings, emotions and sensibilities because of the unashamed display of idiocy and hypocrisy. Maybe this court will try the people who tarnish the image of my country and make Islam the laughing stock of the world.

"Bibi (or baba), if you don't have a jarnailisiri, it will have a brain. And you will have a mind. You can, sometimes, get sick in the head." This usually gets her talking.

What this patient was doing is called denial. It is one of the narcissistic defence mechanisms of the unconscious. It affects the perception of external reality.

"My chest pain is not heart pain. It is just indigestion. Some home made chooran, the pride of every housewife, or a simple antacid will cure it." And things like that.

Seeing and hearing, but refusing to acknowledge. Denying that illiteracy is a handicap. It may be a way of averting anxiety or a character trait. It may lead to regression or secondary depression.

"I refuse to recognize the progress that others have made. Our primitive ways are better. Sacrosanct, in fact." This is just one example of the behaviour.

In certain given circumstances, it is a normal reaction. In bereavement, for instance.The loss of a dear one, a near one or a valued object. But then it is limited in time and is not worn as a medal.

"Oh, no my brother can't be dead. No, he isn't. Look doctor! He is still breathing."

Tailpiece: Pakistan recently invited Crown Prince Abdullah of Saudi Arabia in the hope of attracting Saudi investment. In the investiture ceremony in Lahore, on October 25, the secretary concerned requested the president to allow him to "declare the investment ceremony closed." This unconsciously motivated lapse of logic is called the Freudian slip. In common language, slip of the tongue or 'lapsus linguae'.

Freud observed that parapraxes, or mistakes, in speech provided concrete evidence of the role of the unconscious in everyday life. The secretary of an investment-hungry country turned an investiture ceremony into an investment ceremony. Freud would have loved to quote it as an example!

Psychiatric terms in everyday life

Faisalabad, a city born as Lyallpur, is built on the pattern of the Union Jack. It has eight bazaars emanating from the Clock Tower, made famous in Pakistani political parlance as a symbol of self-serving two-bit dictators. The field marshals. This third largest population aggregate in Pakistan has been proudly acclaimed as the largest village of Pakistan.

During daytime, you can see upto 25,000 people rubbing shoulders in the largest of the eight, the Jhang Bazaar. The sheer numbers make it look like an Indian city. Every weekday is a market day here, a mela with loudspeakers blaring, selling the latest audios from Pakistan and India.

This bazaar sells fresh fruits, vegetables and provisions. This bazaar has those quack specialists who clean your ears, pull out your teeth and sell the poor man's Viagra. They tend to your mental, psychological and spiritual (roohani) problems. And to cure them they prescribe 'actions' or umleeaat.

They read your future in the stars, the lines on your palm, your mama's name and the date of your birth in a

country where 70 percent of the people are too illiterate to know their dates of birth. They manage to find a way into your unconscious. And, yes, they have been interpreting your dreams before Freud was born. They are the true ancestors of psychiatry.

In Jhang Bazaar they sell beef and mutton and poultry. Also available are spare-parts of goats-heads, livers, kidneys and paws which go into various spicy dishes, generally, for breakfast. The heads fetch two prices, the regular and the discounted. You get a discount on a head that contains no brain which is sold separately. This later variety is called JarrnailiSiri on the "General's head."

Whey you tell your patient that you have a psychological problem, they immediately denies it. "Oh, no! We have never had it in our family."

"Okay," I say. "You have a heart. You can have, sometimes, a heart problem. The same for kidneys and the liver and the lungs. Now there is a small organ well protected by a thick skull. Weighs about one kilogram and a half. It is called the brain."

"Each and every organ of the body when it becomes ill, produces signs and symptoms which are related to its normal functions. Example, the kidney! It normally produces normal urine. When it is sucked you get less than normal, more than normal, or high coloured, or infected burning urine.

"The brain is normally concerned with thinking, emotions and behavior which is the result of the first two. So, when you have a problem in these areas, we say you have a psychological problem, a psychiatric problem, a mind or brain problem."

"Well, doc, yes… but… we've never had it in our family."

religions was imparted. There was no contact with the books of those religions. I have not seen any of the books of those religions. None are found in college or university libraries. I never demanded that these books be made available. On the other hand I agitated for the banning of this, this and the other book.

I can criticize communism for hours without ever having read that short communist manifesto.

The result is a constitution that has no instrument to enforce itself, a Parliament that has no sovereignty, a leadership that has no direction, a judiciary that includes those who were sworn in under an emergency proclamation and an executive that has no morals and no checks, either. We have religious parties that practice politics without religion, political parties that compete in religious sloganeering, and an army that cannot defend itself or 'the long porous border'---making it up by defending ideological borders, whatever that means. We can't fight the anti-state elements, so we hold political dialogue with the elements that do not recognize the state itself. The people who kill our innocent citizens have the full backing of our patriotic media which brands them as" our co-coreligionists, our compatriots." What are those soldiers whose throats are slit? We tolerate this butchery to "save the peace accord".

In our daily life we have air conditioned transport without working air conditioners, a broad band Internet without speedy download, young show-offs who have 'first class first masters' (compared to the old pedestrian M.A.)in various languages without the ability even to order a glass of water in those tongues; myriad food outlets without quality control. We have Professors (and, yes, Deans!) without any academic output. Have the international Academia ever had the benefit of great contributions of our

great Pakistani scholars (barring a few Britons or Americans of Pakistani origin)? And yet we shall teach the world, lead the world and ...and, yes, DOMINATE the world!

We are trundling along sans direction, sans morals sans everything. Pray for us o! those who still believe.

Decaffeinated Pakistan

05May, 2009

There was a time when I used to laugh at the idea of decaffeinated tea. Why take tea at all, I would say. That was ages ago, eons ago. Am I old! Ancient? Now I take tea that has no caffeine in it. I sweeten it with a powder that has no sugar. I imbibe 'zero' cold drinks. I salt my curries with a powder that has no salt in it. I sprinkle it on my fried egg-without-yolk. My butter has no relation to dairy.

Are these new ideas? No, not new when I look back. I was raised on them. The little education that I have had included Biology sans Darwin, Psychology sans Freud, Economics sans Marx and philosophy without logic. No scientific course included methodology of science. High school students are not taught geography in our schools. [The girls should not be taught geography, says an Urdu wit, otherwise they will run away from their homes!] They have Pakistan studies instead. They can't name the continents and when questioned about volcanoes they flit from Algeria to Indonesia with a stopover in Samarkand and Bukhara. In my school and 'mad rassa' I learned to criticize other religions without the vaguest idea of what those religions were. I just hated those religions in "good faith". Not even a basic understanding of those 'weird'

ہجر اور وصال کے پھول

ہجر کی رات اور وصال کے پھول
آج پھر درد و غم کے دھاگے ہیں
ہم پرو کر ترے خیال کے پھول

تیری دہلیز پر سجا آئے
پھر تری یاد پر چڑھا آئے

باندھ کر آرزو کے پلے میں
ہجر کی راکھ اور وصال کے پھول

(فیضؔ)